ماہنامہ

معارفِ قاسم جدید

دہلی

* حرف راز:
دلّی سے دائرۃ الامام شاہ علم اللہ حسنیؒ کی چوکھٹ تک

* گوشۂ شاہ امم محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

* گوشۂ مفکر ملت، ماہر تعلیم مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

* گوشۂ شیخ الحدیث مولانا محمد یوسف متالاؒ انگلینڈ
* تعزیت نامے
* کوائف جامعہ

خصوصی اشاعت (اکتوبر۔دسمبر ۲۰۱۹)

مدیر اعلیٰ: الدکتور مفتی محفوظ الرحمن عثمانی

₹ 200/-

Web.: www.jamiatulqasim.com ✲ E-mail: jamiatulqasim@yahoo.com

بین الاقوامی سیمینار
بمقام
انصاری آڈیٹوریم
International Seminar

جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کا علمی، دینی، دعوتی فکری اور اصلاحی ترجمان

ماہنامہ

معارف قاسم جدید دہلی

بیادگار: حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم النانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند

جلد نمبر: ۱۹ | اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۹ء | شمارہ نمبر: ۳۵

زیر سرپرستی

- حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، لکھنؤ
- حضرت مولانا غلام محمد وستانوی اکل کوا مہاراشٹر
- شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم دھورات انگلینڈ
- حضرت مولانا مفتی عباس بسم اللہ، گجرات

مدیر اعلیٰ

مفتی ڈاکٹر محفوظ الرحمٰن عثمانی

مدیر

ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب قاسمی

زیر نگرانی

- حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی، لکھنؤ
- حضرت مولانا سید محمد شاہد الحسنی سہارن پوری
- حضرت مفتی زبیر بھیات ڈربن، جنوبی افریقہ
- حضرت مفتی وسیم خان ترینیداد و ٹوباغو، ویسٹ انڈیز

سالانہ تعاون

500 روپے
بیرون ممالک کے لیے 150 ڈالر
خلیجی ممالک کے لئے 500 درہم

مجلس ادارت

- قاری ظفر اقبال مدنی
- مولانا حمید الدین مظاہری
- مفتی عقیل انور مظاہری
- مفتی محمد انصار قاسمی

Circulation Incharge
Md. Akbar Ali (Mob: +91-9871091161)

رابطہ

Muzaffar Husain Rahmani
K-79, 2nd Floor, Street No.5
Abul Fazal Enclave-I
Jamia Nagar, New Delhi-110025
Mob: +91-7781088456

Address for
Cheques-&-Drafts
Monthly Maarif-e- Qasim
Jadeed Delhi

کمپوز و ڈیزائن: محمد ارشد عالم ندوی

پرنٹر پبلیشر، چیف ایڈیٹر محفوظ الرحمٰن عثمانی نے ایم آر پرنٹرس 2818، گلی گڑھیا دریا گنج نئی دہلی سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ ''معارف قاسم جدید'' کے۔۷۹، دوسری منزل، اسٹریٹ نمبر ۵، ابوالفضل انکلیو پارٹ نمبر ۱، جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵ سے شائع کیا۔

Ph.: +91-11-26981876, 26982907, Mob: +91-9811125434, 9899766786
E-mail: jamiatulqasim@yahoo.com / www.jamiatulqasim.com

Jamiatul Qasim Darul Uloom-il- Islamia
At & P.O. Madhubani, G.P.O. Partap Ganj
Distt. Supaul-852125 Bihar (India)
Jamia Ph.: +91-9931906068, 9708056420, 9931515312

بسم الله الرحمن الرحيم

حُسنِ ترتیب

شمار	مضامین	اسماء گرامی	صفحہ
۱	حرف راز: دلّی سے دائرۃ الامام شاہ علم اللہ حسنیؒ کی چوکھٹ تک	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	5
۲	مدیر کے قلم سے: دعوت الی الخیر کے لئے 'میڈیا' بہترین ہتھیار	ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب قاسمی	33
	گوشۂ شاہ امم محسن انسانیت ﷺ		
۳	سیرت نبوی اور عصر حاضر میں اس کی معنویت وافادیت	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی	35
۴	سیرت النبی ﷺ کے جلسے اور جلوس	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی	45
۵	رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم اخلاق وکردار	مولانا شیر محمد امینی	54
۶	نعت کوئی صنفِ سخن نہیں ایک آئینہ ہے	شاہنواز فاروقی	58
۷	عصرِ حاضر میں سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی	مولانا اشتیاق احمد قاسمی	60
۸	وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	69
۹	پیغام نبوت کو عام کرنے کی ایک بہترین کوشش	نور اللہ جاوید قاسمی	72
۱۰	مزارات جنت البقیع شریف (مدینہ منورہ)	پیشکش: فاتح اقبال ملی	99
	گوشۂ مفکر ملت، ماہر تعلیم حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ سابق معتمد تعلیم ندوۃ العلماء لکھنؤ (پیدائش: ۱۳۵۲ھ-۱۹۳۳ء/ وفات: ۱۴۴۰ھ-مطابق ۲۰۱۹ء)		
۱۱	آہ! برادرِ عزیز مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ	100
۱۲	صالح اور تعمیری فکر کے علمبردار	حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی	106
۱۳	ایک مثالی زندگی	مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی	109
۱۴	تعلیم وتربیت، علمی وفکری مقام	مولانا سید بلال عبدالحیٔ حسنی ندوی	111
۱۵	مولانا مرحوم- کچھ عزیز ولذیذ یادیں	مولانا نور عالم خلیل امینی	118
۱۶	فکرِ بوالحسن سے استفادہ اور اسکی ترجمانی	مولانا محمد جاوید اختر ندوی	124
۱۷	خوشگوار زندگی اور قابل رشک موت	مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی	129

۱۸	وہ جو بے چتے تھے دوائے دل	مولانا سید سحبان ثاقب ندوی	135
۱۹	مولانا واضح رشید حسنی ندویؒ: عظیم خانوادے کے عظیم فرزند	مولانا راحت علی صدیقی قاسمی	138
۲۰	آہ! حضرت مولانا سید واضح رشید حسنی ندویؒ	مولانا سید آصف ندوی	142
۲۱	آہ! مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ-علم کا شناور صداقت کا داعی	مقصود احمد ضیائی	146
۲۲	حضرت مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ	مولانا عبدالمتین منیری بھٹکلی	149
۲۳	حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندویؒ رحمہ اللہ کے منہج کی جامعیت	مولانا عبدالقادر عارفی	157
۲۴	اربابِ فضل وکمال کا قافلہ	مولانا بدرالحسن القاسمی (کویت)	163
۲۴	حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلویؒ کی وفات کا سانحہ	مولانا سید محمد شاہد الحسنی سہارنپوری	170
	گوشۂ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف متالاؒ دارالعلوم بری انگلینڈ		
	(پیدائش: ۱۳۶۶ھ-۱۹۴۶ء/ وفات: ۱۴۴۱ھ-مطابق ۲۰۱۹ء)		
۲۵	مولانا محمد یوسف متالا حضرت شیخ کے محبّ اور محبوب	مولانا سید محمد شاہد الحسنی سہارنپوری	171
۲۶	حضرت مولانا محمد یوسف متالاؒ کی برطانیہ میں دینی خدمات	مولانا زاہد الراشدی	173
۲۷	حضرت مولانا محمد یوسف متالا صاحب کے چند نایاب خطوط	مولانا محمد مسعود عزیزی ندوی	176
۲۸	اب اُنھیں ڈھونڈ چراغِ رُخِ زیبا لے کر	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	181
۲۹	جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں	مفتی عبدالرحیم دیوان لاجپوری	185
	متفرقات		
۳۰	تعزیت نامے	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	187
۳۱	سفرنامہ: گورگریباں میں....	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	197
۳۲	سفرنامہ: یہاں کی خاک سے انسان بنائے جاتے ہیں	مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی	200
۳۳	مدرسین کی مجرمانہ خیانت!	ڈاکٹر محمد اکرم ندوی	204
۳۴	کوائف جامعہ	ابوحمنہ شہاب	207
۳۵	رپورٹ بین الاقوامی سیمینار	بشکریہ روزنامہ انقلاب دہلی	236
۳۶	معارف کی ڈاک	قارئین کے خطوط	239

حرفِ راز

مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی

دلّی سے دائرۃ الامام حضرت شاہ علم اللہ حسنی رائے بریلویؒ کی چوکھٹ تک

دنیا کی ٹھوکروں سے ایک سبق سیکھا ہے
ہر مشکل کا حل سجدۂ خدا میں چھپا ہے

بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ آپ کسی شے کے بارے میں سوچیں، دل میں ارادہ ہی کریں اور ابھی اپنی منزل مقصود تک رسائی کیلئے تانا بانا بنیں کہ آپ کی مرادیں پوری ہونے کی راہ نکل آئے۔ واقعی اس وقت جو خوشیاں ملتی ہیں اس کا شمار نہیں۔ یہی وہ پل ہوتا ہے کہ جب ہمیں اپنے مقدر و نصیب پر رشک آنے لگتا ہے اور ہم سجدۂ شکر کی ادائیگی کیلئے تڑپ اٹھتے ہیں:

دیکھنا قسمت کہ آپ اپنے پہ رشک آجائے ہے
میں اسے دیکھوں بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے

کچھ دنوں سے دل بہت پریشان تھا، ذہن و دماغ منتشر، کسی کام میں استقرار نہیں۔ دوستوں سے صلاح ومشورہ کیا تو کچھ نے جھٹ شوگر ٹسٹ کرانے کی بات کہہ ڈالی۔ اس پر مجھے کوئی حیرانی نہیں ہوئی کیونکہ موجودوقت میں شوگر (ڈائبیٹیز) نے انسانوں کے دل و دماغ پر ایسا خوف پیدا کر دیا ہے کہ جسم میں تساہلی، یا حرکات وسکنات میں معمولی تبدیلی پر بھی لوگ سب سے پہلے شوگر جانچ کرانے پر زور دینے لگتے ہیں۔ اس لئے میرے ان محبین کا خیال بھی غلط نہیں تھا۔ کچھ دوستوں نے مسلسل طویل سفر کے باعث تھکاوٹ کو بھی ایک وجہ بتایا، مگر دل بیتاب تو بےقراری سے اس مبارک دن کا منتظر تھا جس سے سب لاعلم تھے۔ بس میں اور میرا دل۔ اپنے من کی بات رفقاء کے سامنے رکھی تو سب نے ترجیحی طور پر ''در دائرہ شاہ علم اللہ'' پر حاضری کو ہری جھنڈی دے دی۔

حال اُس صید کا سنائیے کیا
جس کا صیاد خود قفس میں ہے

اب ہم بھی بغیر کسی تاخیر کے اپنے رفیق محترم مولانا مفتی ارشد فاروقی زید مجدہٗ چیئرمین فتویٰ آن موبائل دیوبند کے ہمراہ 'دائرہ شاہ علم اللہ حسنی تکیہ کلاں' رائے بریلی اتر پردیش کیلئے پابہ رکاب ہوگئے۔ مجھے معلوم ہوا کہ اس وقت مخدوم گرامی قدر

مدبر اسلام حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت الطافہم العالیہ بھی وہیں مقیم ہیں تو خوشی کی انتہا نہ رہی۔

اللہ کا نام لے کر میں نے ہندوستان کی مشہور دریاؤں میں سے ایک 'دریائے جمنا' کے کنارے آباد اوکھلا، جامعہ نگرنئی دہلی میں واقع اپنی رہائش گاہ سے بعد نماز فجر رخت سفر باندھا۔صبح کے وقت دریائے جمنا کے کنارے لوگ ورزش کیلئے دوڑ لگا رہے تھے۔ہوا سائیں سائیں چل رہی تھی۔سڑک ابھی کافی حد تک پرسکون تھی کیوں کہ دہلی کی سڑکوں پر عام طور پر سات بجے کے بعد گاڑیوں کا رش بڑھ جاتا ہے اور ہر طرف سے گاڑیوں کے ہارن بجنے کی مختلف آوازیں کان کے پردے کو متاثر کرتی رہتی ہیں۔کچھ چیزوں کو نہ چاہ کر بھی برداشت کرنا پڑتا ہے۔ان میں سے ایک صوتی وفضائی آلودگی بھی ہے۔اس ترقی یافتہ دور میں انسان بہت عجلت پسند ہو گیا ہے جس کی وجہ سے وہ نقل وحمل کے نت نئے اور تیز رفتار ذرائع اختیار کرتا ہے۔اپنی اس خواہش وہوس کو پورا کرنے کے لیے وہ بے دریغ ایسے آلات وگاڑیوں کا استعمال کرتا ہے جن سے فضا زہر آلود ہو رہی ہے، شور بڑھ رہا ہے، فطری ماحول خراب ہو رہا ہے۔غرض بے ہنگم ٹریفک، موٹر، ریل گاڑیوں، کاروں، فیکٹریوں، کارخانوں، مشینوں اور ہوائی جہاز سے پیدا ہونے والا شور غیر محسوس طور پر انسانی صحت کے ساتھ حیوانات وغیرہ کی صحت پر بھی بتدریج اثر انداز ہو رہا ہے۔صوتی آلودگی کی وجہ سے بھیانک و پُرخطر نتائج سامنے آرہے ہیں۔تحقیق کے مطابق ہارن اور ٹریفک کے شور سے دنیا بھر میں تقریباً بارہ کروڑ لوگ مختلف سماعتی بیماریوں میں مبتلا ہیں۔

'احتیاط علاج سے بہتر ہے' اس فارمولے پر عمل کرتے ہوئے میں عام طور پر شب کے آخری پہر یا علی الصباح سفر کو ترجیح دیتا ہوں۔ہمارا آج کا سفر بھی اپنے معمول کے مطابق صبح کے وقت شروع ہوا۔جمنا کے کنارے دور تک مہیب سناٹا پسرا ہوا تھا۔سڑک کی دوسری طرف بنی کچی سڑک پر کچھ لوگ صبح کی سیر کرتے نظر آئے۔پرندے جھنڈ کے جھنڈ جمنا کے ایک طرف سے دوسری طرف چہچہاتے ہوئے اپنی بیداری کا ثبوت دے رہے تھے۔ماحول بڑا پرسکون اور فرحت بخش تھا، کہیں شور شرابا نہیں۔اس وقت اکا دکا گاڑیاں ہی سڑکوں پر دوڑ رہی تھیں۔نصف مخلوق خدا صبح کی نیند کا مزہ لے رہی تھی۔دہلی کی شاہراہوں کے دونوں طرف ایستادہ گھنے وسرسبز وشاداب پیڑ پودے مستی میں جھوم رہے تھے۔جیسے وہ بھی اپنے مالک کے سامنے سربسجود ہو رہے ہوں۔صبح کی تروتازہ ہوا ہمارے دل ودماغ کو مسرور ومعطر کر رہی تھی۔ایسے سہانے موسم میں سفر کرتے ہوئے اندرا گاندھی انٹرنیشنل ایئرپورٹ پہنچے۔ایئر پورٹ پر آپ صبح کو پہنچئے یا شام کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔یہاں کی دنیا الگ ہوتی ہے۔سارے امور ایک سسٹم کے تحت انجام دیے جاتے ہیں۔اس لئے ہر انسان دوسرے سے بے پروا جلد از جلد اپنے سفر کی کارروائی سے چھٹکارا پانے کی کوشش کرتا ہے۔ایئر پورٹ پر آنے جانے والوں کے چہروں پر غور کریں تو خوشی اور غم دونوں ساتھ ساتھ نظر آتے ہیں۔کچھ چہرے غمزدہ تو کچھ کے چہروں پر مسکراہٹیں بکھری ہوتی ہیں۔آنے والوں کا استقبال

کرنے آئے لوگ خوشی سے بلیوں پر اچھلتے نظر آتے ہیں جبکہ جانے والوں کو الوداع کہنے آئے لوگوں کے چہروں پر ہوائیاں اڑتی رہتی ہیں۔

خوشی اور غم زندگی کی وہ کیفیات ہیں جو ہر انسان پر یکے بعد دیگرے طاری ہوتی رہتی ہیں۔کوئی بھی انسان نہ تو ہمیشہ خوش رہتا ہے اور نہ ہی ہمیشہ اداس۔جس طرح دن اور رات کا سلسلہ ازل سے جاری ہے اور تا ابد قائم رہے گا اسی طرح جب تک یہ زندگی ہے ہر ذی حیات انسان کو کسی نہ کسی صورت خوشی اور غم کی کیفیات سے واسطہ بھی رہے گا۔جس طرح نہ ہی ہر وقت دن رہتا ہے اور نہ ہی رات، اسی طرح انسان بھی نہ تو ہمیشہ خوش رہتا ہے اور نہ ہی ہمیشہ اداس۔یہ خوشی اور غم ہی ہے جو انسان کو اداسی یا مسرت سے دو چار کرتی رہتی ہے۔اب یہ انسان پر ہے کہ وہ ان دونوں کیفیات میں اپنی شخصیت کا توازن کس طرح برقرار رکھتا ہے۔بقول ندا فاضلی:

غم ہو کہ خوشی دونوں کچھ دور کے ساتھی ہیں
پھر رستہ ہی رستہ ہے ہنسنا ہے نہ رونا ہے

میں ایئرپورٹ پر اپنے وقت پر پہنچ چکا تھا۔لائن میں لگ کر طیارہ (یو کے 647 وسٹارا) کیلئے اپنا بورڈنگ پاس لیا اور آگے کو بڑھ گیا۔دہلی سے لکھنؤ کا سفر پلک جھپکتے گزر جاتا ہے، مگر جہازوں کے سفر کے لئے جو تام جھام ہے اس سے ہوتے ہواتے کئی گھنٹے لگ جاتے ہیں۔بہ فضل رب تقریباً ایک گھنٹہ دس منٹ کے بعد ہمارا طیارہ لکھنؤ کے چودھری چرن سنگھ انٹرنیشنل ایئرپورٹ کے رنوے پر دوڑنے لگا۔میں نے سب سے پہلے رب کا شکر ادا کیا اور آگے کے سفر کے لئے تانے بانے بننے لگے۔کچھ دیر کے بعد ایئرپورٹ سے باہر نکلے، اپنا سامان لیا اور ہندوستان کی بڑی ریاست اتر پردیش کی راجدھانی لکھنؤ کی ایک شاہراہ پر پہنچ گئے۔ٹیکسی والے، کیب والے ہماری طرف دوڑ پڑے۔یہ ان بیچاروں کا اپنا کام ہے، اس سے ان کی روزی روٹی چلتی ہے، اس لئے ہر مسافر کی طرف حسرت بھری نگاہ سے دیکھنے اور لپکنے کی سعی کرتے ہیں۔مگر برادر گرامی مولانا عبداللہ مخدومی ندوی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے میرے لئے ایک ٹیکسی کا انتظام کر رکھا تھا، اس لئے میں اس کا منتظر تھا۔جب وہ دستیاب ہوگئی تو اس میں بیٹھ کر اپنی منزل کی سمت گامزن ہو پڑا۔گاڑی کی رفتار بڑھتی جا رہی تھی۔اس کے ساتھ پیڑ پودے بھی بھاگ رہے تھے، دوران سفر یہ منظر بھی بہت خوب ہوتا ہے، یہاں کا موسم بھی شام ہونے کی وجہ سے بہت پیارا تھا۔البتہ شاہراہوں پر رش تھا پھر بھی اتنا نہیں کہ کوفت ہوتی۔ڈیڑھ سے دو گھنٹے میں ہم 'دریائے سئی' کے کنارے بنی 'کعبہ نما مسجد میں پہنچ گئے اور وضو کر کے مغرب کی نماز ادا کی۔یہی قصبہ "تکیہ کلاں"، ضلع رائے بریلی یوپی۔انڈیا ہماری منزل تھی۔

یہ تاریخی قصبہ دریائے سئی کے کنارہ پر واقع ہے۔اس قصبہ کی بنیاد مشہور بزرگ شاہ علم اللہ حسنی رائے بریلوی رحمۃ اللہ

علیہ نے ایک خدا رسیدہ مجذوب بزرگ شاہ عبدالشکورؒ کے اصرار پر رکھی تھی، جن کا مزار بھی دریائے سئی کے کنارے راج گھاٹ پل کے قریب واقع ہے۔ ۱۰۸۲ھ میں حجاز سے واپسی پر کعبہ کا نقشہ اور اس کی صحیح پیائش ساتھ لائے اور خام مسجد کی جگہ پر پختہ مسجد بنائی اور بالکل کعبہ کی شکل پر خدا کا گھر تعمیر کیا۔ اس وقت ان کے کئی صاحبزادے جوان تھے، انہوں نے سعادت مند بیٹوں کی مدد سے خدا کا گھر تعمیر کیا، اس کی بنیاد میں آب زمزم ڈالا اور اپنے جدامجد سیدنا حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کی سنت پر عمل کرتے ہوئے اپنی اولاد کو وہیں اسی نیت پر آباد کیا۔

ستاروں میں آفتاب:

حضرت سید شاہ علم اللہؒ (۱۲؍ربیع الاول ۱۰۳۳ھ-۱۰۹۶ھ) کی عمر تقریباً ۱۵؍سال کی تھی کہ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کے خلیفہ ومشہور شیخ طریقت حضرت سید آدم بنوریؒ سے بیعت ہوئے اور تھوڑی مدت میں راہ سلوک کی ساری منازل طے کر کے بلند مرتبہ کمالات حاصل کیے اور خلافت ونیابت سے سرفراز ہوئے۔ حضرت سید آدم بنوریؒ نے اپنا عمامہ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ شیخ احمد فاروقی سرہندیؒ کی دستار مبارک عنایت فرما کر وطن کو رخصت کیا۔ شاہ علم اللہؒ نے عرض کیا کہ اودھ میں بہت سے اولیا اور عالی مرتبت لوگ ہیں میری ان میں کیا حیثیت ہوگی؟ حضرت سید آدم بنوریؒ نے کچھ دیر مراقبہ کیا اور پھر فرمایا ''ان میں تمہاری حیثیت ہوگی جیسے چراغوں میں شمع کی'' پھر کچھ دیر اور مراقبہ کر کے ارشاد فرمایا ''سید خاطر جمع ہو کر جاؤ اور اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ تمہاری نسبت ان میں ایسی ہوگی کہ جیسے ستاروں میں آفتاب کی۔''

حضرت سید شاہ علم اللہؒ کے انتقال کی شب مغل بادشاہ اورنگزیب عالمگیرؒ نے خواب دیکھا کہ آج کی رات جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی۔ بادشاہ کو اس خواب سے بہت تشویش ہوئی، علماء سے تعبیر دریافت کی تو انہوں نے کہا اس رات سید علم اللہ کی وفات ہوئی ہوگی کہ وہ اتباع سنت رسولؐ کے قدم بہ قدم تھے۔ (تفصیلات کیلئے 'خانوادہ علم اللہی' کا مطالعہ کیا جائے)

دریائے سئی کے کنارے واقع کعبہ نما مسجد جیسے دودھ سے دھلی دور سے مینارۂ نور لگتی ہے۔ گو کہ وہ میناروں کے تکلف سے عاری ہے۔ تعمیر کی تاریخ 1083 ہجری درج ہے۔ ساڑھے تین سو سال سے زائد سے یہ خطہ آباد ہے اور مسجد کا پیغام زندہ ہے۔ آج بھی اس مسجد میں جو سکون قلب، طمانیت، قرار اور کیف وحضوری کی جو دولت نصیب ہوتی ہے وہ ایک نعمت عظمیٰ ہے، اس کیف کا احساس مختلف اوقات میں مختلف مشائخ واہل دل بندگان خدا نے کیا ہے۔

مسجد کی قبلہ کی دیوار سے متصل 'دریائے سئ' اسی آب وتاب کے ساتھ بہہ رہا ہے۔ اور جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ' کا منظر پیش کر رہا ہے، ویسے بھی پانی سے زندگی ہے، ندی کی شفافیت اور روانی مزاج پر اثر انداز ہوتی ہے اور بندگان

خدا کی نمازوں میں خضوع پیدا کرنے میں معاون ہوتی ہے۔وضو کی معنوی طہارت و پاکیزگی قلب و دماغ کی یکسوئی میں جہاں معاون ہے وہیں دریائی و فضائی ماحول طمانینت دل کو دوبالا کرتا ہے اور عبادات کے معیار کو بڑھاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ کاروان مذاہب ساحلی مناطق میں خیمہ زن ہوتے ہیں۔

حضرت شاہ علم اللہؒ نے سکونت کے لیے اس پرفضا گھنی آبادی سے بہت دور علاقہ کو ظلمات میں نور تلاش کرنے کے لئے شاہ عبدالشکورؒ کے اشارہ پر منتخب کیا۔ جہاں سے ذکر واذکار کے زمزمے شروع ہوئے، دعوت حق کی صدا گونجنے لگی، تعلیم وتربیت، تزکیہ وسلوک کے کارہائے نمایاں ہونے لگے اورنسل کی آبیاری ایسی ہوئی کہ پرپوتے تحریک بالاکوٹ کے عظیم شہسوار حضرت امام سید احمد بن عرفان شہیدؒ نے قرون اولی کی یادتازہ کردی۔

آج مورخہ ٦ رمحرم الحرام ۱۴۴۱ھ مطابق 6ستمبر 2019ء کو ہم اس تاریخ ساز کعبہ نما مسجد کے سامنے کھڑے ہیں اور تحیۃ المسجد پڑھنے کی سعادت حاصل کررہے ہیں۔ یہاں کے سجدوں میں امیر المومنین سیدنا حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کی جہادی صف بندی اور حسینی سربلندی تلاش کررہے ہیں، جیسے جستجو بڑھ رہی ہے اور آنکھیں بہت کچھ دیکھ رہی ہیں:

کیا پوچھتے ہو کون ہے یہ کس کی ہے شہرت
کیا تم نے کبھی داغؔ کا دیواں نہیں دیکھا

یہ مسجد کیا فوجی چھاؤنی کا سینٹر ہے، بحری افواج کے جوان 'دریائے سئی' میں مشقیں کررہے ہیں، کئی کلومیٹر تیرتے چلے جارہے ہیں، میر کارواں سب کے جلو میں جلوہ نما ہیں، حرب وضرب کی تیاریاں جاری ہیں۔اعلاء کلمۂ حق کے لئے بھولے ہوئے فریضۂ جہاد کی ادائیگی کے لیے سید احمد شہیدؒ اسی موزوں مقام پر تیاری کررہے ہیں جس کا انتخاب ان کے جد امجد شاہ علم اللہ کی دوربین نگاہوں نے کیا تھا۔سبحان اللہ۔

یہ وہ مقام ہے جہاں سے حج وجہاد کے احیاء کی انقلابی تحریکیں اٹھیں۔وہ مناظر نظروں کے سامنے گھوم رہے ہیں، کارواں کے کارواں جارہے ہیں، حاجیوں کے قافلے لوٹے، لبیک کی صدائیں تھمی نہیں کہ مجاہدین کے نعرے گونجنے لگے، بڑی تعداد میں انسان تیار ہوئے اور یہاں سے انسان سازی کا سلسلہ جاری رہا، اسی خاندان کے چشم و چراغ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ گل سرسبد ثابت ہوئے اور قصبہ تکیہ کا ہی نہیں ہندوستان اور عالم اسلام کا نام روشن کیا۔آج ہم اسی خاندان کے جانشین و وارث ملت اسلامیہ کے ناخدا، خدائے پاک کے مخلص بندے، مربی ومزکی مخدومنا الگرامی قدر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کی خدمت میں حاضر ہیں اور خسروانہ الطاف سے فیض یاب ہورہے ہیں۔

عشاء کی نماز سے فارغ ہوئے، باریابی کا شرف حاصل ہوا، مہربان استاذ، مشفق باپ اور وارث نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح کرم فرمائیوں، شفقتوں کا ظہور ہو رہا ہے، دوران گفتگو دسترخوان بھی آ گیا، اس سادگی پر سادگی قربان۔ سادہ کھانا سادہ انداز اور بڑی سادگی سے فارغ ہوتے ہی دعا ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَ سَقَانَا وَ جَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ'' پڑھی جا رہی ہے۔

احتساب کی ضرورت:

مختصر مجلس جاری ہے، بندہ کے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرمایا ''اندلس اور ہندوستان کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا، اندلس نے بھی دو سال تک مقابلہ کیا اور وہاں کے مسلمان خود گئے پھر ان کی تعداد محدود تھی، ہندوستان کے مسلمان بہت بڑی تعداد میں ہیں ان کا ختم کرنا آسان نہیں۔ پھر وہ رحمان کے نام لینے والے ہیں اللہ ان کو کیسے ضائع کر دے گا، البتہ احتساب کی ضرورت ہے اور مسلمانوں کی جو ذمے داری ہے اس سے عہدہ برآ ہونے کی اشد ضرورت ہے۔''

فرمایا کہ ملکی حالات کو درست کرنے کے لئے کسی وظیفے کا صرف ورد کرنا کافی نہیں، بلکہ ظاہری وسائل کا اختیار کرنا ضروری ہے، ورنہ بخارئ کے سقوط کے وقت ختم بخاری شریف کی رسم ادا کی گئی لیکن ظاہری نتائج ظاہر نہیں ہوئے۔ فرمایا برادران وطن کے ساتھ انسانی ہمدردی کے جذبات کے اظہار کے ذریعے دعوتی ذمے داری ادا کرنا بہت آسان ہے اور اس مقصد کے حصول کے لیے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے پیام انسانیت کی تحریک برپا کی جس کے اثرات دوررس ہیں۔

اسی مجلس میں ''قرآنی پاروں کا پیغام'' نامی وقیع کتابچہ پیش کیا گیا تو فرمانے لگے قرآن کے حقیقی مقصد تک رسائی ضروری ہے، ورنہ لوگ موعظت کے پہلو تک محدود ہو کر رہ جاتے ہیں اور قرآن کی صفت ''ھدی للناس'' سے پہلو تہی کرتے ہیں۔ قرآن کریم نور ہے، ضیاء ہے، شفاء ہے، رہنما ہے ان تمام صفات کو اجاگر کرنا اور انسانیت کی مشعل راہ بنانا قرآن سے فیضیاب ہونا ہے اس کی طرف توجہ اور اس کا اہتمام لازمی ہے۔

فرمایا کہ ہم نے بھی چند سورتوں میں غور و فکر کا نتیجہ مرتب کیا ہے اور اس میدان میں کام کی ضرورت ہے، اسی دوران درس قرآن کے مختلف اسالیب ومناہج کے تذکرے ہوئے، مفسر قرآن حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کے دورہ تفسیر اور ان کے منفرد انداز پر اہل علم کے تبصرے بھی موضوع گفتگو رہے۔ یہ اوقات ہمارے لیے انتہائی قیمتی تھے۔ انمول کہوں تو مبالغہ نہیں۔

مجلس پر فیض جاری ہے کہ چند لوگ لکھنؤ سے ملاقات کے لئے آئے اور باادب گویا ہوئے ''حضرت گھر کی بنیاد رکھنے کے لئے آپ کا سفر دشوار ہے تو مسالے پر دم کر دیجئے۔'' سبحان اللہ، کیا عشق وعقیدت ہے، مسالے سے بھری کڑھائی سامنے ہے اور حضرت کچھ پڑھ کر دم کر رہے ہیں، وہ احباب خوش خوش رخصت ہو رہے ہیں۔

سیدھے سادے لوگوں کے ساتھ سادہ برتاؤ کیا گیا اور پھر اس مناسبت سے حضرت امام حکیم الامت اشرف علی تھانویؒ کے یہاں پیش آمدہ واقعات کا ذکر رہا۔ ملک کی گرتی معیشت، بڑھتی بے روزگاری اور ماب لنچنگ جیسے بگڑتے حالات پر اظہار تشویش فرماتے ہوئے حضرت ممدوح نے فرمایا ''ہمت نہ ہاریں، احتساب کریں۔'' آپ بحیثیت داعی امت مسلمہ کا کردار ادا کرنے کا پیغام دیتے رہنے کی تلقین فرماتے رہے، یہ سلسلہ دیر رات تک جاری رہا۔

دائرہ شاہ علم اللہ تکیہ کلاں کا ماحول اہل دل کیلئے تو سازگار ہے ہی، پریشاں دلوں کے لئے بھی سامان تسکین ہے۔ رات ڈھلی ایک تہائی رہی کہ ماحول نے اٹھادیا، مسجد میں اذان فجر سے پہلے ہی ننھے بچوں کی قرآن پڑھنے کی آواز کانوں میں رس گھولنے لگی، ساز دل چھیڑنے لگی۔ فجر کی اذان ہورہی ہے، یہ مسجد کعبہ نما ہے، جماعت ہورہی ہے قرأت، نرالے اور مسحور کن انداز میں ہورہی ہے۔ فجر کے بعد اوراد و اذکار کے اختتام پر مجلس سج گئی اور شفقتوں کی مینہ برسنے لگی۔ چائے کی پیالیاں حرکت میں رہیں۔ حضرت فرماتے رہے کہ لمبے عرصے بعد آمد ہوئی ہے؟ اپنی مصروفیات، جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول بہار کیلئے دن ورات مسلسل سفر اور دیگر مشغولیات کی جانکاری دی تو حضرت نے بہت ساری دعاؤں کے ساتھ رخصت فرمایا۔ اللہ آپ کا سایۂ عاطفت تادیر قائم رکھے۔ آمین

فرحتؔ ترے نغموں کی وہ شہرت ہے جہاں میں
واللہ ترا رنگ سخن یاد رہے گا

ہم اک بار پھر مسجد کی طرف چل دیئے ہیں۔ مسجد کے صحن سے پہلے چھوٹے سے احاطے میں پندرہ کچی قبریں ہیں۔ قدیم ترین شاہ علم اللہؒ کی قبر ہے۔ داخل ہوتے ہی پہلی قبر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی ہے، باقی چودہ قبریں ان کے قریب ترین بزرگوں کی ہیں جو روضہ سید شاہ علم اللہ تکیہ کلاں میں مدفون ہیں۔

چپہ چپہ پہ ہیں یاں گوہر غلطاں تہ خاک
دفن ہوگا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز

امۃ اللہ تسنیم (ہمشیرہ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی) (1395ھ) سید شاہ محمد عدل صاحب (1193ھ) بنت شاہ ضیاء النبی صاحب (1323ھ) خیر النساء بہترؔ والدہ محترمہ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی (1388ھ) اہلیہ شاہ علم اللہ صاحب (1108ھ) سید احمد سعید بن شاہ ضیاء النبی (1373ھ) مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی صاحب والد گرامی مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی (1341ھ) شاہ علم اللہ صاحب (1096ھ) ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی صاحب (1381ھ) والدہ ماجدہ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، شاہ آیت اللہ ابن شاہ علم اللہ صاحب (1116ھ) مولانا سید محمد الحسنی صاحب

(1399ھ) مولانا سید عزیز الرحمٰن صاحب (1377ھ) مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی (1420ھ 1999ء) مولانا محمد ثانی صاحب (1402ھ)

ہم نے دائرۃ الامام شاہ علم اللہ حسنی رائے بریلی کے احاطے میں یہ محسوس کیا کہ اس خاندان کے پیغام کو آگے بڑھانے کے لئے موجودہ بڑوں نے تعلیم وتربیت کا جو سلسلہ جاری رکھا ہے اس سے ان کی نسلیں تیار ہوئی ہیں۔ ان میں سرِ فہرست حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی زید مجدہٗ کا نام نامی قابل ذکر ہے جو فاضلِ ندوہ، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اور مدبر اسلام حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت الطافکم العالیہ کے تربیت یافتہ، قرآن کریم کے اردو اور ہندی مترجم، دارالعلوم ندوۃ العلماء کی دراسات العلیا کے محاضر، خاموش طبع خوبصورت اور خوب سیرت ہیں۔ اسی طرح دوسرے جواں سال عالم مولانا محمود حسنی ندوی زید مجدہٗ ہیں جو کئی بزرگوں کے تذکرہ وسیرت نگار ہیں اور مخدوم گرامی قدر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کی خدمت میں ہر وقت حاضر باش اور برادر گرامی قدر مولانا سحبان ثاقب ندوی جو مخدوم گرامی قدر کے سفر وحضر کے خادم ہیں۔ دوسری طرف لذت کام ودہن اور جام وسبو کے منتظم مولانا محمد شاہد ندوی فیض آبادی قابل صد تشکر۔ اللہ اس دائرۃ الامام شاہ علم اللہ حسنی رائے بریلوی کے فیض کو قیامت تک جاری رکھے۔ آمین

لوٹ ماضی کی طرف اے گردش ایام تو:

اس وقت ہم دائرہ شاہ علم اللہ میں کھڑے تو ہیں مگر ذہن ودماغ میں تاریخ کے صفحات گشت کر رہے ہیں۔ اس بابرکت سرزمین پر یہ میری کوئی پہلی حاضری نہیں تھی، سب سے پہلے اس وقت حاضر ہوئے تھے جب عالم اسلام کی مشہور شخصیت مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی وفات حسرت آیات کا سانحہ پیش آیا تھا۔ تاریخ تھی ۲۲؍رمضان المبارک کی اور دن جمعہ کا تھا، سنہ ہجری ۱۴۲۰ مطابق ۳۱؍دسمبر ۱۹۹۹ء۔ اس وقت میں حرم نبوی شریف مدینۃ المنورہ میں تھا کہ آپؒ کے وصال کا اعلان ہوا، پھر غائبانہ نماز جنازہ ہوئی جس میں غم زدہ دل سے شریک ہوا۔ اسی وقت میرے دل میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ ہندوستان واپسی پر سب سے پہلے رائے بریلی جاؤں گا، اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، حضرت مولانا سید واضح رشید حسنی ندویؒ اور وارثین کی خدمت میں کلمات تعزیت پیش کروں گا۔ حضرت مفکر اسلامؒ سے میرا زمانہ طالب علمی سے قلبی تعلق تھا، عمر کے ساتھ ساتھ عقیدت بڑھتی چلی گئی۔ جب میں نے ایک ادارہ 'جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول بہار' قائم کیا تو سب سے پہلے حضرت سے پہلے تزکیہ اور تصدیق نامہ کی درخواست کی۔ شکر خدا کہ حضرت نے مایوس نہیں کیا اور ۱۵؍۸؍۱۴۲۰ھ مطابق ۲۴؍۱۱؍۱۹۹۹ء کو آپ نے ایک تحریر عنایت فرمائی۔ جس میں حضرت نے راقم کے اس قدم کی ستائش کی۔

پہلا خط حضرت مفکر اسلامؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جامعۃ القاسم کے لئے توصیہ وتزکیہ

اہل خیر حضرات کی خدمت میں

الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علیٰ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

میں اس بات پر بے انتہا خوشی ومسرت محسوس کررہاہوں کہ ''جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ'' جومدھوبنی پرتاپ گنج ضلع سپول بہار(انڈیا) میں واقع ہے، کے لئے تزکیہ اورشہادت نامہ تحریر کررہاہوں۔ یہ مدرسہ دعوتی اوررجال دین کی تیاری کے مقاصد کوبروئے کارلانے کے لئے قائم کیا گیاہے اورصحیح العقیدہ افراد کی سلامت جامع اور مستحکم ومضبوط بنیادوں پرقائم ہے اورصحیح الفکراوراعلیٰ کردار کے حامل اساتذہ اورعلماء کی نگرانی میں اپنادینی سفرجاری رکھے ہوئے ہے، میں اہل خیر حضرات سے اس ادارہ کی ہرممکن مدداوراعانت کی اپیل کرتاہوں۔اس میں حصہ لینے والے ہرشخص کواللہ ہی اجراورتوفیق عطاکرنے والاہے۔

اپیل کنندہ

ابوالحسن علی الحسنی الندوی

۱۵/۸/۱۴۲۰ھ

۲۴/۱۱/۱۹۹۹ء

پہلا خط مدبراسلام حضرت مولاناسید محمدرابع حسنی ندوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میں اپنے بعض دوستوں کی معلومات کی بناء پرتصدیق کرتاہوں کہ جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ، ضلع سپول بہارایک مذہبی ادارہ ہے، جہاں دینی تعلیم وتربیت کاانتظام ہے۔ ۲۶۶ طلباء اس ادارہ میں اس وقت تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ مدرسہ کے ذمہ دار دین وملت کادرد رکھنے والے اورصحیح الخیال لوگ ہیں۔ مدرسہ کے انتظام ومصارف کے لئے ان کواہل خیر سے رجوع کرناپڑتاہے اورمدد حاصل کرناہوتی ہے۔ مدرسہ کے مہتمم مفتی مولانامحفوظ الرحمٰن عثمانی ہیں۔

امید ہے کہ اہل خیر حضرات کی توجہ اس مدرسہ کوبھی حاصل ہوگی۔

محمدرابع حسنی ندوی

مدیردارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۰/۸/۱۴۱۹ھ

۱۰/۱۲/۱۹۹۸ء

پہلا خط عالم ربانی حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

تزکیہ

اہل خیر حضرات کی خدمت میں

الحمدللہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علٰی سید الانبیاء والمرسلین محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

اما بعد!

میں اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ مدھوبنی پرتاپ گنج ضلع سپول بہار انڈیا میں واقع ''جامعۃ القاسم دار العلوم الاسلامیہ'' یہ ایک دینی اور علمی یادگاری اور مثالی ادارہ ہے۔ جس کا قیام ہندوستان کے قدیم دینی اداروں کے اکابر علماء کے ذریعہ عمل میں آیا ہے، سلف صالحین اور امت کے عالی مرتبت افراد کے نہج پر جس ادارے کی دینی، علمی اور تربیتی خدمات نمایاں اور عظیم ہیں۔

اس پس منظر میں تعلیم وتربیت کے میدان میں پسماندہ اس علاقے میں اس ادارے کے قیام کو فال نیک تصور کرتا ہوں، یہاں اس کی شدید ضرورت تھی کہ ایک ایسا ادارہ قائم ہو جس کے ذریعہ علم کی نشر واشاعت بھی ہو، لوگوں کے عقائد اور نظریات کی اصلاح بھی ہو اور خاص طور سے ان لوگوں کے عقائد کی درستگی میں مؤثر کردار ادا کرے جو رہ راست سے بھٹک گئے اور جہالت وکم علمی کی وجہ سے ارتداد کی راہ اختیار کر لی۔

اس موقع پر بطور خاص میں اس ادارہ کے اخلاص وصحیح عقائد ونظریات پر قائم ہونے اور درستگی کی شہادت دیتا ہوں اور اسلامی ممالک کے ذمہ داران اور اہل خیر حضرات سے گزارش کرتا ہوں کہ اس ادارے کے پروگراموں اور اہداف کی تکمیل کے لئے اپنا بھرپور تعاون دیں اور اس کے ذمہ داران کی حتی الامکان مدد کریں۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں فرماتا۔

درست بات تو اللہ ہی فرمانے والا اور صراط مستقیم کی ہدایت دینے والا ہے۔

۲۰/۸/۱۴۱۹ھ — سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

۱۰/۲/۱۹۹۸ء — رئیس البعث الاسلامی ومہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

دائرہ حضرت شاہ علم اللہ پر حاضری:

بہر حال ہندوستان واپسی پر شوال المکرم ۱۴۲۰ھ میں تکیہ کلاں رائے بریلی میں پہلی حاضری ہوئی اور حضرت مولانا سید

محمد رابع حسنی ندوی صاحب وحضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ صاحب کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی قبر پہ فاتحہ پڑھا اور دعا مانگی۔ یقیناً بڑے علماء کی قبور پر حاضری سے جہاں موت کی یاددہانی ہوتی ہے وہیں علم وعمل میں رسوخ کا جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے یہی صورتحال دائرہ شاہ علم اللہ میں حاضری کے وقت ہوتی ہے کہ علماء کا کردار کس قدر شاندار ہونا چاہیے ان کا علم عمل سے مزین ہو اور شہادت کے جذبے سے قلب ہمیشہ سرشار ہو۔

دوسری حاضری:

۲۰۰۸ء میں جب بہار کے ضلع سیوان واطراف کے علاقوں میں فتنہ قادیانیت نے سر اٹھایا اور ڈی ایم سیوان شریف عالم قادیانی کی سرپرستی میں یہ فتنہ زور پکڑنے لگا، معاشی طور پر کمزور اور غریب لوگوں کو پیسے کا لالچ دیکر ڈی ایم شریف عالم اور اس کے چیلے مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالنے لگے۔ اس سے پہلے کہ یہ فتنہ پورے خطہ کو اپنی زد میں لے لیتا راقم الحروف اس کی سرکوبی کے لیے سینہ سپر ہو گیا۔ اللہ نے حمیت پیدا کی اور وہ غیرت اس در پہ لے آئی تھی۔ علوم نبوت کے حافظین اور وارثین کی طرف سے حوصلہ افزائی کی گئی تو ہمت بڑھی اور ایک عظیم 'تحریک تحفظ ختم نبوت کانفرنس' ۱۹/۲۰/۲۱/ذی قعدہ ۱۴۲۹ھ مطابق ۱۹۔۲۰۔۲۱/نومبر ۲۰۰۸ء کو منعقد کی گئی۔ میری خواہش تھی کہ مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم اس کانفرنس کی صدارت فرمائیں۔ اس لئے بذات خود دعوت نامہ اور دیگر تفصیلات کے ساتھ 'دائرہ حضرت شاہ علم اللہ' پہنچ گیا۔ حضرت مصروفیت اور کمزوری کی وجہ سے اس کانفرنس میں حاضر نہیں ہو سکے، مگر آپ نے ایک وقیع پیغام اپنے نمائندے حضرت مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری زید مجدہ استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ذریعہ بھیجا اور میری حوصلہ افزائی فرمائی۔ تاریخ کی یہ وہ گھڑی تھی جب مولانا موصوف نے جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کا ترانہ لکھا:

ہم صبح درخشاں، ابر کرم، ہم باد بہاری، باد چمن
ہم زینت بزم عالم ہیں، آباد ہے ہم سے یہ گلشن

پیغام: بموقع: تحفظ ختم نبوت کانفرنس (منعقدہ: ۱۹/۲۰/۲۱/نومبر ۲۰۰۸ء)

الحمد للہ رب العلمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین خاتم النبیین سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وعلی من تبعھم باحسان ودعا بدعوتھم الی یوم الدین، أما بعد:

برادران اسلام! ادھر چند برسوں سے قادیانیت کے فتنہ نے ہندوستان، پاکستان اور دنیا کے دوسرے ممالک میں پھر سے سر اٹھایا ہے، ان کا مرکز لندن اور پیرس وغیرہ میں ہے جس کی وہ سرپرستی کر رہا ہے، یہ کام کس کے اشارہ پر ہو رہا ہے اس کو سمجھنا

زیادہ مشکل نہیں ہے، اس وقت دنیا کی مسلم دشمن طاقتیں کھل کر اسلام کو ختم کرنے یا نور حق کو بجھانے کی کوشش میں لگی ہوئی ہیں اور ان کے بعض لوگ تو برملا کہتے ہیں کہ ہمیں تو اسلام کو توڑنا یا ختم کرنا ہے، اس لئے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے جتنے طریقے ہو سکتے ہیں ان کے لئے بڑے مصارف اٹھائے جارہے ہیں، ایسے حالات میں قادیانیت کا فتنہ پوری قوت کے ساتھ سر اٹھا رہا ہے اور جگہ جگہ اس کے کارپرداز پیسے اور غلط بیانی کے ذریعہ اس میں مبتلا کرنے کا سلسلہ قائم کئے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کے دیہاتوں میں جہاں عموماً کم پڑھے لکھے اور دین سے ناواقف لوگ ہیں، مسجدوں میں قبضہ اور اماموں کو اونچی تنخواہ کا لالچ دیکر اپنے کو صحیح داعیٔ حق ظاہر کرکے اسلام کی دیوار میں نقب لگا رہے ہیں، ہم سب پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ ہم مسلمانوں کو اس خطرہ سے آگاہ کریں اور اپنے ان اسلاف کی پیروی کریں جنہوں نے گزشتہ صدی میں جب یہ فتنہ زور پکڑ رہا تھا، جس کی سرپرستی برطانوی سامراج کررہا تھا، مقابلہ کیا اور فتنہ کو تقریباً ختم کردیا تھا، آج ہم پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ یہ فتنہ پھر ابھر رہا ہے، اس کا ہم پھر سے مقابلہ کریں۔

اس کا مقابلہ کرنا زیادہ دشوار اس لئے نہیں ہے کہ اس میں جھوٹ اور لالچ سے کام لیا جاتا ہے، اس کے اس دھوکہ کو واضح کردیا جائے اور یہ بتایا جائے کہ خاتم النبیین اور رسول برحق سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ (ﷺ) کی نبوت کے مقابلہ میں یہ جھوٹی نبوت کھڑی کی گئی ہے اور اس میں جھوٹی باتوں کا سہارا لیا گیا ہے، اور اس طرح لوگوں کے ایمان کو خطرہ میں ڈالا جارہا ہے، یہ باتیں اتنی واضح ہیں کہ اس کو لوگوں کو بتادینا ہی اس فتنہ کے روک دینے کے لئے مفید ہے، لیکن اس کے لئے کوشش کرنے اور وقت صرف کرنے کی ضرورت ہے اور یہ ہم سب کا فریضہ ہے جو حضرت خاتم الرسل سیدنا محمد رسول اللہ (ﷺ) کے ماننے والے ہیں، یہ آپ کی عزت پر حملہ ہے، ایسی صورت میں کسی بھی صاحب ایمان کے لئے کیا گنجائش رہ جاتی ہے کہ ایسے موقع پر وہ چپ رہے اور مقابلہ نہ کرے۔

ہم مبارکباد پیش کرتے ہیں مولانا مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی صاحب کو کہ وہ اس کے لئے علماء کا تربیتی کیمپ اور ایک عظیم اجتماع منعقد کررہے ہیں تاکہ اس فتنہ کے شر کو سب کے سامنے کھول کر بیان کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ان کی کوشش کو قبول فرمائے اور زیادہ سے زیادہ مفید بنائے۔

میں اپنی صحت کی بعض کمزوریوں کی وجہ سے اس میں حاضر نہیں ہو پا رہا ہوں، لہٰذا اپنے الفاظ اور زبان سے شرکت کا شرف حاصل کررہا ہوں اور میری طرف سے کوئی نمائندہ میرے ان الفاظ کے ساتھ شریک اجتماع ہورہا ہے، اللہ تعالیٰ مفید بنائے۔

دائرہ حضرت شاہ علم اللہؒ (محمد رابع حسنی ندوی)

تکیہ کلاں، رائے بریلی (یوپی) ۳۰/۱۰/۱۴۲۹ھ مطابق ۳۱/۱۰/۲۰۰۸ء

’’محمد رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں‘‘ یہ تحریر بھی حضرت کی اسی موقع پر چھپی اور بڑی تعداد میں امت تک پہنچائی گئی۔ دوسری تحریر تھی حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی کی ’’قادیانیت منظر پس منظر‘‘ یہ بھی اسی موقع پر شائع کی گئی تھی۔

دائرہ حضرت شاہ علم اللہؒ تکیہ کلاں، رائے بریلی (یوپی)

۳۰/۱۰/۱۴۲۹ھ، مطابق ۳۱/۱۰/۲۰۰۸ء

تیسری حاضری:

در دائرہ حضرت شاہ علم اللہ پر تیسری بار حاضری اس وقت ہوئی جب اچانک یہ اندوہناک خبر ملی کہ حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندوی داغ مفارقت دے گئے۔ ۱۶/جنوری ۲۰۱۹ء کی صبح عالم ربانی حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ العالی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ایک رقعہ کے ذریعہ ان کے سانحہ ارتحال کی خبر نے پورے جسم کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ ایک ایک کر کے ان کی شفقتوں، محبتوں کو یاد کرنے لگا۔ آپ حقیقتاً رشید تھے، آپ کی فکر رشید، چال ڈھال رشید، سوچنے کے انداز وقالب میں رشد پیوستہ تھا، اچانک انتقال نے دل ودماغ پر بجلی گرادی۔ تعزیت مسنونہ پیش کرنے کیلئے ایک بار پھر تکیہ کلاں رائے بریلی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کی خدمت میں حاضر ہوااور تعزیت مسنونہ پیش کی۔ مختلف نشستوں میں حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندویؒ کی امتیازی صفات اور خصوصیات کو جاننے کا موقع ملا۔ روانگی سے قبل ان کی قبر پر گیااور فاتحہ پڑھ کے رخصت ہوا۔ سفر کے دوران مولانا مرحوم کی یادیں آتی رہیں کہ کس شفقت سے وہ پیش آتے تھے۔

ندوہ کے مؤقر وفد کی جامعہ آمد:

حضرت والا کی ایک خواہش جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول بہار میں حاضری کی بھی تھی، کئی بار اس خواہش کا اظہار فرما چکے تھے۔ فرماتے تھے کہ ہم نے آپ کی جامعہ کے بارے میں بہت کچھ سنا ہے، ہم بھی حاضر ہوں گے اور جامعۃ القاسم کیلئے وہ تاریخی دن بھی آن پہنچا، جب ندوۃ العلماء کے اس باوقار ومعزز وفد نے اپنے قدوم ومیمنت لزوم سے جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کو شرف بخشا۔ ۱۱/۹/۱۴۳۸ھ، مطابق ۱۱/۴/۲۰۱۷ء کو وہ رونق محفل جامعہ ہوئے تو ایسا محسوس ہوا گویا جامعۃ القاسم میں آفتاب وماہتاب سب اتر آئے ہوں۔ میر مجلس میر کارواں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندوی، حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہم العالی تشریف فرما تھے۔ یہ جامعہ کا تاریخی دن تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کے خلوص کو باقی رکھے۔ اس موقع پر جامعۃ القاسم کے لئے جو تأثرات لکھے گئے وہ غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں۔

تأثرات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ و الصلاۃ و السلام علی رسول اللہ محمد بن عبداللہ و علی آلہ و صحبہ و من والاہ۔

الحمد للہ آج جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ میں حاضری اور حضرت مولانا مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی زید مجدہٗ کی حکمت و محنت کی حامل تعلیمی کوششوں کو براہ راست دیکھنے کا موقع حاصل ہوا، اس اہم اور وقت کی ضرورت رکھنے والی جامعہ کے قیام کے آغاز کے وقت سے اسکے قیام کا علم اور حضرت مولانا مفتی عثمانی صاحب زید مجدہٗ کے عزائم کا علم مجھے ہوتا رہا تھا۔ حضرت مفتی صاحب سے ملاقات کے موقعوں پر ان سے معلومات ملتی تھیں اور اس طرح یہ توقع سامنے آتی رہی تھی کہ حضرت مفتی صاحب ایک بڑے اور اہم ادارہ کے قیام کی فکر و توجہ کر رہے ہیں جس سے امت کے نونہالوں کو وقت کے تقاضوں کے مطابق زمانہ کے حالات و زندگی کے تقاضوں کا خیال رکھتے ہوئے دین و دنیا کی جامع درس گاہ حاصل ہوگی اور مسلمانوں کی نئی نسل کو ایک اچھا تعلیمی و تربیتی منصوبہ حاصل ہوگا۔

جامعہ کا انتساب اس ملک کے علماء و اسلاف کے گروہ کی ایک عظیم شخصیت حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی عظیم درسگاہ دارالعلوم دیوبند کی طرف کرتے ہوئے حضرت مفتی صاحب نے یہ تصور دیا کہ جس طرح دارالعلوم دیوبند اپنے وقت کے سخت اور دشوار اور دین و دنیا کے ٹکراؤ اور استعماری غیر ملکی طاقت کے اسلام مخالف دباؤ کے حالات میں دین و اسلامی شریعت کو دبانے کی جو کوششیں ہو رہی ہیں ان سے حفاظت کے لئے دین اسلام کی، قرآن و حدیث کی، سرپرستی میں ایک مضبوط درسگاہ کے ذریعہ ہوسکتی ہے چنانچہ دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ڈالی پھر اس کے ذریعہ اس ملک میں دین کا تحفظ کیا۔

اب موجودہ حالات میں دین کے مذکورہ تحفظ کے ساتھ وقت کی ناگزیر ضرورت کا بھی خیال رکھتے ہوئے جامع اور مفید پہلوؤں پر مشتمل درسگاہ کا خیال کر کے حضرت مفتی صاحب اسکو زیر عمل لائے۔ امید کی جاتی ہے کہ اس جامعہ سے مسلمانوں کی نئی نسل کو رہبری بھی ملے گی اور مسلمانوں کو ان کی دینی و دنیاوی دونوں ضرورتوں کی بھلائی میں اچھی مدد ملے گی۔

میں یہاں اپنی آمد پر مسرت کا اظہار کرتا ہوں اور اس کو دیکھ کر اپنی قدردانی کا اظہار کرتا ہوں۔

محمد رابع حسنی ندوی
ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۱/۹/۱۴۳۸ھ
۱۱/۴/۲۰۱۷ء

اس عاجز کو بھی ادارے کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی اور اس کے نظام سے واقفیت۔ اللہ تعالیٰ مزید ترقی عطا فرمائے۔

سعید الرحمٰن اعظمی ندوی — مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

واضح رشید حسنی ندوی — معتمد تعلیمات دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۱۱؍مارچ ۲۰۱۷ء

مخدوم گرامی کے رفقاء میں مولانا شاہد حسین ندوی، مولانا محمود حسن حسنی ندوی، مولانا عبداللہ مخدومی ندوی، مولانا سحبان ثاقب ندوی، مولانا اسماعیل بھولا ندوی ممبئی شریک کارواں تھے۔

سدا رہے کلاں:

آج ایک بار پھر جب نصیب نے اس در تک پہنچایا تو ماضی کے ان حسین لمحات نے دل ودماغ کو معطر کردیا۔ حقیقت میں یہ تزکیہ وتربیت کے مراکز ہم کمزوروں کے لیے پاور ہاؤس کی حیثیت رکھتے ہیں جہاں حاضر ہوکر ہمیں اپنی بیٹری چارج کرنے کا موقع ملتا ہے اور نئے عزم نئے حوصلے کے ساتھ میدان کار میں اترنے کی ہمت ہوتی ہے۔

سئی ندی کی روانی، کعبہ نما مسجد سے اٹھتی صدائے قرآنی، دائرہ شاہ علم اللہ کے میر کارواں کے پیغام احتساب ودرس شجاعت نے بے حد متاثر کیا۔ اس قدیم مسجد کے مقابل حفظ خانہ ہے اور مسجد کے سامنے مدرسہ سید احمد شہید اور دار عرفات اکیڈمی جبکہ تھوڑے فاصلے پر مدرسہ ضیاء العلوم کی ضیا پاشیاں بکھیر رہی ہیں۔ اس طرح تربیت اور تزکیہ وسلوک، تعلیم وتلقین، تصنیف وتالیف اور ریاض کی کہکشاں ہے یہ دور افتادہ بستی تکیہ کلاں جس کا نام بھی کلاں، پیغام بھی کلاں، سدا رہے کلاں۔ ع

کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

جامعۃ القاسم کو تائید خداوندی حاصل ہے:

نحمدہ و نصلی!

بحمد اللہ طویل مدت تک دل میں پلنے والی جامعۃ القاسم دار العلوم الاسلامیہ مدھوبنی سپول (بہار) اپنے بانی جامعہ حمیت علوم اسلامیہ کے امین، ناموس رسالت کے علمبردار حضرت مولانا مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی دامت برکاتہم کی طرح ایک تاریخ ساز اور عہد آفریں ہے، جس نے نہ صرف باصلاحیت ابطال باطل اور احقاق حق کرنے والے علماء ہی پیدا کئے بلکہ فرق باطلہ اور خاص طور پر کذب ودجل پرست اور امت کو ملحد فرقہ قادیانی کی اہل باطل اور دشمنان اسلام کی طرف زبردست مالی اور افرادی تائیدات رکھنے والے اس مرتد طبقے کی سرکوبی میں وہ تاریخ ساز خدمت انجام دی، کہ مستقبل کا مؤرخ اس کا حق

پسندانہ تذکرہ نہ کر کے اپنے اوپر بدترین خیانت کا الزام ہرگز نہیں لے سکے گا۔ حضرت مفتی صاحب کی جرأت وجسارت ایمانی کی حامل شخصیت ہی اس باب میں تاریخ ساز خدمات اس قدر بیش قیمت ہیں کہ جن کو اگر پوری ملت اسلامیہ ہندیہ پر محسنانہ قرار نہ دیا جائے تو یہ نفس دیانت کے ساتھ ناقابل معافی اور ناانصافی ہوگی۔

محل وقوع کے لحاظ سے بھی جامعۃ القاسم کو تائید خداوندی حاصل ہے، کیونکہ گردوپیش میں ایسے قلیل العلم افراد وطبقات آباد ہیں کہ خیر وشر کی اور حق وباطل میں فرق کرنے کی صلاحیت سے محرومی ہے، بانی جامعۃ القاسم کی بحمداللہ بے لوث غلبہ حق کی کوشش پر برملا ان کے اخلاص وللّٰہیت پر شاہد عدل ہیں۔ موصوف کی ان مساعیٔ جمیلہ کی ایک قابل ذکر خصوصیت یہ بھی ہے کہ فضلاء جامعۃ القاسم اپنے محترم بانی وسرپرست کے ذوق سلیم کے حامل فکر نکل رہے ہیں اور امید ہے کہ مستقبل کے خطرات کو مدنظر رکھ کر اس میں حضرت مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی صاحب دامت برکاتہم اپنی افراد سازی کی مساعیٔ جمیلہ میں اضافہ مزید فرما کر ملت اسلامیہ ہندیہ پر احسان عظیم میں ناقابل فراموش اضافہ فرمائیں گے۔

حق تعالیٰ شانہ' حضرت مفتی صاحب مدظلہ کی قدم قدم پر نصرت وتائید میں اضافہ فرمائے اور حق کی نصرت فرما کر باطل کی سرکوبی فرمائے۔ آمین یارب العالمین

محمد سالم قاسمی

مہتمم دارالعلوم دیوبند (وقف)

نزیل: جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ

۲۳/۴/۳۵ھ/ ۲۴/فروری ۲۰۱۴ء

کام کرنے سے کام آتا ہے:

سیرت وشخصیت نگاری اور سوانح نویسی کی روایت بہت قدیم ہے، جیسا کہ قرآن وحدیث میں بیان کئے گئے انبیاء کرامؑ کی سیرت اور اقوام وملل کے بیان کردہ حالات وواقعات سے معلوم ہوتا ہے، شخصیات کی زندگی کے حالات، کارنامے اور خدمات کو نظم کی شکل میں بھی پیش کیا جاتا رہا ہے اور نثر میں بھی، تاہم نظم میں پیش کئے جانے کی تاریخ نثر سے قدیم ہے، جیسا کہ عرب شعراء کے کلام میں بیان کئے گئے امراء اور عرب قبائل کے سرداروں کے حالات وواقعات سے پتہ چلتا ہے، جبکہ اس زمانہ میں نثری سوانح نگاری کا عمومی مزاج نہیں تھا اور اب تو اپنی زندگی کے تجربات اور حالات زندگی خود اپنے قلم سے لکھے جانے کی روایت بھی چل پڑی ہے، اس کی بنیاد کہاں سے پڑی اور کب پڑی؟ سیر نگاری میں اس کا تذکرہ نہیں ملتا ہے، غالباً یہ اسلوب سیاحوں کے خودنوشت سفرناموں سے اخذ کیا گیا ہے، البتہ ہم جیسے نوواردوں نے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا

کاندھلویؒ کی ''آپ بیتی''، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی ''کاروان زندگی'' رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر کی سیاسی ڈائری، رئیس القلم مولانا سید مناظر احسن گیلانی کی ''احاطہ دارالعلوم میں بیتے ہوئے دن'' اور حضرت مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحیؒ کی ''زندگی کا علمی سفر'' کے مطالعہ سے اس اسلوب کو جانا۔

سوانح اشخاص کی زندگی کا ایسا آئینہ ہوتے ہیں، جو دوسروں کیلئے باعث موعظت و عبرت بھی ہوتے ہیں، خدمت کیلئے آئیڈیل (Role Model) اور آنے والی انسانیت کیلئے ایسا نمونہ عمل بھی ہوتے ہیں جن کی روشنی میں انسان ترقیات کی منازل طے بہ آسانی کرتا ہے، اور موجودہ انسانیت کیلئے حال کو خوشگوار بنا کر پیش کرنے کے اصول ان ہی سے اخذ کرتا ہے۔ قرآن کریم نے جن انبیاء کرامؑ کے قصے اور ماضی کی اقوام کے حالات کا تفصیل سے تذکرہ کیا ہے، اگر ان کے مقاصد پر غور کیا جائے تو یہی منشاء سامنے آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے تمام ادب میں واقعات نگاری کو اصلاح و تربیت کے باب میں اہمیت دی گئی ہے اور ان کے جمع و ترتیب کا اہتمام بھی کیا گیا ہے، راقم الحروف نے ایک ایسی شخصیت کی زندگی کے کچھ تجربات، تابندہ نقوش اور کامیابیوں پر روشنی ڈالنے کی جسارت کی ہے جن کی زندگی میں کامیابیوں کے وہ نقوش ہیں جو نئی نسل کیلئے لائق تقلید بھی، مشعل راہ بھی ہیں اور باعث تسکین بھی، موصوف کی زندگی جدوجہد سے عبارت ہے، انہوں نے اپنی مختصر سی زندگی میں اپنے کارناموں سے امت کے اکابرین اور ان کی قوم وملت کے تئیں خدمات کی یاد تازہ کر دی ہے۔

یوں تو انسان کے اندر بے شمار جواہر و کمالات رب العالمین نے رکھے ہیں اور وہ مختلف نوعیتوں سے سامنے آتے بھی رہتے ہیں اور اپنے اثرات و نقوش بھی دنیا میں تاریخ کے اوراق کے حوالہ کرتے رہتے ہیں۔ مگر ان میں دو چیزیں ایسی ہیں جو انسان کو اوج ثریا تک پہنچا دیتی ہیں، ایک صبر واستقلال، اور دوسرے منزل کی تلاش میں ہار نہ ماننے کا جذبہ۔ انہی دونوں اوصاف کے گرد مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی صاحب کی کامیابیاں اور خدمات کی چکّی گردش کرتی دکھائی دیتی ہے۔

جذبہ میں قوت فولادی اور صبر واستقامت میں عزم ایوبی ایک مرد کی خوبصورتی تصور کی جاتی ہے اور انہی کی بدولت انسان رہتی دنیا تک کیلئے امر ہو جاتا ہے۔

مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی صاحب کی یہ خوبی رہی کہ انھوں نے کسی بھی کام کیلئے پیچھے مڑ کر دیکھنے کی عادت چھوڑ دی اور جس کام میں ہاتھ ڈالا، خواہ کوئی معاون ساتھ رہا ہو، یا نہ رہا ہو اس کو انجام تک پہنچانے کیلئے دیوانگی کو اپنا شعار بنا لیا، اور یہ سچ ہے کہ جب کسی کام کو کرنے کیلئے دیوانگی آجاتی ہے اور جوش جنوں گھر کر جاتا ہے تو پھر پل بھر میں ویرانوں کا سماں صد رنگ ہو جاتا ہے، بقول امیر شریعت اور جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ: حضرت مولانا سید نظام الدین صاحبؒ ؎

جب موسم گل میں جوش جنوں بڑھتا ہے ترے دیوانوں کا
صد رشک چمن بن جاتا ہے پل بھر میں سماں ویرانوں کا
کچھ لالہ وگل کی رنگت میں، کچھ خاکِ نشیمن کی تہہ میں
جو کچھ بھی ہے باقی گلشن میں عنواں ہے میرے افسانوں کا
میزان عمل میں دونوں ہیں، پر کون وہاں کام آتا ہے
یہ بانگ درا فرزانوں کی یا نعرۂ ’’ ہٗ ‘‘ دیوانوں کا

مفتی احمد نادرالقاسمی
اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا
۲۵؍صفرالمظفر ۱۴۳۲ھ مطابق ۳۰؍جنوری ۲۰۱۱ء

تحریک پیام انسانیت کی مہم:

ہندوستان کثیر مذہبی ولسانی اور مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والوں کا ملک ہے، مگر کثرت میں وحدت، اتحاد و یگانگی، رواداری اور گنگا وجمنی تہذیب اس ملک کی بنیاد میں شامل ہے۔ یہ اور بات ہے کہ حالیہ برسوں میں ملک کی اس وحدت و سالمیت کو ختم کرنے اور فرقہ واریت کو پھیلانے کی مہم تیز ہوگئی ہے۔ افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ اس طبقے کو اقتدار پر تابض افراد کی سرپرستی حاصل رہی ہے۔ ان قوتوں کا مقابلہ کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ملک کی سیکولر و جمہوری اقدار، اتحاد و سالمیت کی مضبوطی کیلئے جدو جہد کی جائے اور برادران وطن کے درمیان پھیلائی جا رہی غلط فہمیوں کے ازالے کی بھرپور کوشش کی جائے اور یہ ملک اور مسلمانوں کے مفادات میں بھی ہے۔ چناں چہ اس حقیقت کا ادارک مفتی عثمانی نے کئی سال قبل ہی کر لیا تھا اور انہوں نے ’’پیام انسانیت‘‘ کے عنوان سے شمالی بہار کے سیمانچل میں خصوصی مہم چلائی اور علاقے کے سرکردہ برادران وطن کو مدرسہ کے پروگراموں میں مدعو کرکے اسلام کی سچائی، پاکبازی اور امن کے پیغام سے روشناس کرایا۔ مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی کی دعوت پر ریاست کے وزیر اعلیٰ جناب نتیش کمار بھی جامعہ پہنچے اور مفتی عثمانی کی خدمات کا اعتراف کیا۔ سیاسی شعور کے تعلق سے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی تحریر فرماتے ہیں:

’’اگر قوم کو پنج وقتہ نمازی نہیں بلکہ سو فیصد تہجد گزار بنا دیا جائے لیکن اس کے سیاسی شعور کو بیدار نہ کیا جائے اور ملک کے احوال سے ان کو واقف نہ کیا جائے تو ممکن ہے اس ملک میں آئندہ تہجد تو دور پانچ وقت کی نمازوں پر بھی پابندی عائد ہو جائے۔‘‘ (مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی: کاروان زندگی)

مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی کی خدمات کے ذکر کے ساتھ ماہنامہ معارف قاسم کا ذکر نہ کیا جائے تو یہ تحریر نامکمل رہے گی۔ اول یہ کہ معارف قاسم سے میرا بھی جذباتی تعلق ہے، میں نے معارف قاسم کی ادارت ایک ایسے وقت میں سنبھالی تھی جب میں میدان تحریر میں نوآموز تھا۔اس لائق ہرگز نہیں تھا کہ کسی شمارے کی ادارت سنبھالوں مگر نئی نسل کی تربیت، حوصلہ افزائی اور آگے بڑھنے کے مواقع دینا مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی کی ایسی خاصیت ہے کہ وہ اس معاملے میں وہ اپنے معاصرین سے ممتاز ہیں۔ جید عالم دین، شہنشاہ خطابت، ادیب وانشاء پرداز سیکڑوں نہیں لاکھوں کی تعداد میں مل جائیں گے مگر ایسے افراد بہت ہی کم ملتے ہیں جو اپنے چھوٹوں پر ذرہ نوازی کرتے ہیں، ان کیلئے راہ ہموار کرتے ہیں اور آگے بڑھنے کیلئے حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ معارف قاسم بھی ایک ایسا پلیٹ فارم ہے جہاں سے وابستہ ہوکر کئی نوآموز آج دنیائے صحافت میں اپنی شخصیت کو تسلیم کراچکے ہیں۔ اگر میں آج اس حقیقت کا اعتراف نہ کروں یہ بہت بڑی ناانصافی ہوگی کہ معارف قاسم کی ادارت میری صحافتی زندگی کیلئے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ معارف قاسم کی دوسری خاصیت خصوصی شماروں کی اشاعت ہے جن کی تعداد تقریباً ایک درجن کے قریب پہنچ چکی ہے۔ جن میں سے کئی خصوصی شماروں نے معرکۃ الآراء کا درجہ حاصل کرلیا ہے۔ ان میں سیرت نبوی ﷺ، قرآن کریم، مسلم پرسنل لا، مسلم مسائل اور اان کا حل، پیام انسانیت، تیری عظمتوں کو سلام، تحفظ ناموس رسالت، پندرہویں صدی کے امیر المومنین شیخ محمد یونس جونپوری اور سرمائے ملت کے نگہبان خطیب الاسلام محمد سالم قاسمی خاص طور پر شامل ہیں۔ ماشاءاللہ اب یہ تمام خصوصی نمبرات ''مجموعہ القاسم'' کی شکل میں چھ جلدوں میں منظر عام پر آچکے ہیں۔ امید ہے کہ نئی نسل ان سے استفادہ ضرور کرے گی اور علمی دنیا کیلئے یہ پیش قیمت تحفہ ثابت ہوں گے۔ بہت سی باتیں تھیں جو میں ضبط تحریر میں لانا چاہتا تھا۔ مگر صفحات کی قلت پیش نظر ہے۔ پھر کبھی موقع ملا تو قلم اٹھانے کو اپنی سعادت سمجھوں گا۔

مفتی عثمانی کی سادگی، للّٰہیت، ثبات قدمی، جہد مسلسل، عمل پیہم، شاہین کی پرواز، بلند آہنگی، اعلیٰ اخلاق، نرمی وبانکپن، فکر ونظر کی بلندی، روشن بینی، جہاں بانی، تحمل مزاجی، مروت، رواداری اور سخت کوشی کا گزشتہ پندرہ سالوں سے مشاہدہ اور تجربہ کرنے کے بعد علامہ اقبالؒ کے یہ اشعار خود بخود ذہن میں آجاتے ہیں:

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
شباب ہے جس کا بے داغ، ضرب ہے کاری
اگر ہو جنگ تو شیران غاب سے بڑھ کر
اگر ہو صلح تو رعنا غزالِ تاتاری!

خدا نے اس کو دیا ہے شکوہ سلطانی
کہ اس کے فقر میں ہے حیدری و کراری!
نگاہ کم سے نہ دیکھ اس کی بے کلاہی کو
یہ بے کلاہ ہے سرمایۂ کلہ داری

مولانا نوراللہ جاوید قاسمی

سابق ایڈیٹر ماہنامہ معارف قاسم جدید دہلی، مصنف وصحافی، سب ایڈیٹر یواین آئی اردو سروس کولکاتہ

29ربیع الآخر 1439ھ مطابق 17رجنوری 2018ء

کچھ پل دارالعلوم ندوۃ العلماء میں:

اب ہم سئ ندی سے گومتی ندی کی طرف کشاں کشاں رواں دواں ہیں۔ راستے میں جگہ جگہ گائے، بیل جھنڈ کے جھنڈ سامنے آرہے ہیں جس سے راہ گیروں کو سخت تکلیف کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ جانوروں کے ساتھ بہتر برتاؤ کی تعلیم اسلام دیتا ہے، جو لوگ گائے کو مقدس مانتے ہیں ان کی ذمہ داری ہے کہ یوں آوارہ نہ چھوڑیں جس سے انسانوں کو تکلیف پہنچے، بلکہ ان کا درست بندوبست کریں اور ایسے مقامات کو خاص کریں جہاں سے وہ شہر کا رخ نہ کرسکیں۔ مویشیوں کی سیاست نے گزشتہ چند سالوں میں بہتیروں کی جان لے لی ہے۔ کئی ریاستوں میں آوارہ مویشی وبال جان بنے ہوئے ہیں۔ خیر سے!

ان کا جو فرض ہے وہ اہل سیاست جانیں
میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

خدا خدا کرکے تقریباً دو گھنٹے کے بعد اب ہم گومتی ندی کے کنارے کھڑی ایک پرشکوہ اور عظیم عمارت 'دارالعلوم ندوۃ العلماء' میں داخل ہوئے۔ تحریک ندوۃ العلماء کے بارے میں بہت مشہور ہے کہ یہ برصغیر میں برطانوی دور میں برپا ہونے والی ایک اصلاحی تحریک ہے جس کا بنیادی مقصد اسلامی مدارس کے نظام ونصاب تعلیم کی اصلاح اور اسے زمانے کے مطابق تبدیل کرنا تھا۔ جنگ آزادی ہند 1857ء کے بعد مسلمانوں میں مایوسی عام تھی۔ مسلمانوں کو پسپائی سے نکال کر بلندی تک لے جانے کے لیے دو عظیم لیکن ایک دوسرے کی متضاد تحریکیں وجود میں آچکی تھیں۔ ایک دیوبند کی تحریک اور دوسری علی گڑھ تحریک لیکن ان دونوں تحریکوں میں اتنی دوری اور اتنا تضاد تھا کہ یہ خود مسلمانوں کے لیے بہت بڑا مسئلہ بن چکا تھا۔ مسلمان دو گروہوں (جدت پسند اور قدامت پسند) میں تقسیم ہوچکے تھے۔ علی گڑھ جدیدیت کو اختیار کرنے اور ہر قدیم فکر سے دست بردار ہونے کا داعی تھا۔ قدیم وجدید کی اس تقسیم کے علاوہ ایک اور خطرناک فرقہ بندی مسلمانوں میں پوری طرح پھیلی ہوئی

تھی۔ وہ فرقہ بندی تھی تقلید اور عدم تقلید کی۔ آمین، رفع یدین اور قرأت خلف الامام کے مسائل کی بنیاد پر خون خرابہ، طعن وتشنیع اور فرقہ پرستی عام تھی۔ سیکڑوں سال پرانے ان مسائل پر روزانہ ایسے دسیوں مناظرے ہوتے تھے، جن کا حکم کوئی غیر مسلم ہوتا تھا۔ تیسری طرف تعظیم اولیاء، فاتحہ خوانی، صلاۃ وسلام جیسے معمولی مسائل پر ایک دوسرے کو کافر کہنے کی ناپسندیدہ روش زوروں پر تھی۔

غرض یہ کہ مسلمانان ہند بے شمار خطرناک مسائل میں الجھے ہوئے تھے۔ ان مسائل کو سلجھانے کے لیے ایک ایسے شخص کی ضرورت تھی، جو علوم شرعیہ پر بھی مجتہدانہ نگاہ رکھتا ہو اور زمانے کی ضروریات کا بھی مکمل احساس رکھتا ہو۔ ایسے وقت میں مولانا سید محمد علی مونگیریؒ کی شکل میں مذہبی شخصیت رونما ہوئی۔

حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ نے 1310ھ بمطابق 1892ء میں مدرسہ فیض عام، کانپور کے جلسۂ دستار بندی کے موقعے پر ندوۃ العلماء کا تخیل پیش کیا۔ اس موقع پر حاضر سبھی علما نے اس تجویز کو پسند کیا۔ اس مجلس کا نام ندوۃ العلماء تجویز ہوا اور اس کے محرکِ اول سید محمد علی مونگیری ہی کو اس کا ناظمِ اول مقرر کر دیا۔ یہ طے پایا کہ آئندہ سال اس مجلس کا ایک جلسۂ عام ہوگا، جس میں تمام مسالک کے ممتاز علما کو دعوت دی جائے۔ چنانچہ 17-15 شوال المکرم 1311ھ بمطابق 24-22 اپریل 1894ء کو مدرسہ فیض عام میں ندوۃ العلماء کا پہلا اجلاس عام منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں خلاف قیاس کئی مختلف مکاتب فکر کی شخصیات جمع تھیں۔ بنیادی طور پر ندوۃ العلماء کے تین مقاصد قرار پائے:

اصلاح نصاب

رفع نزاع باہمی

غیر مسلموں میں اسلام کا تعارف

مولانا محمد علی مونگیری نے محسوس کیا جس فکر اور تخیل کے وہ علم بردار ہیں، وہ اُس وقت تک عام نہیں کی جا سکتی، جب تک اس فکر کو نئی جہت اور زاویہ نہ ملے۔ لہٰذا انھوں نے 12 محرم الحرام 1313ھ کو جلسۂ انتظامیہ میں ایک دار العلوم کے قیام کی تجویز پیش کی۔ انھوں نے پہلے سے تیار شدہ ایک وسیع خاکہ برائے دار العلوم بھی مسودۂ دار العلوم کے نام سے پیش کیا اور ملک کے ممتاز اہل علم کو ارسال بھی کیا۔ اسی اجلاس میں قیام دار العلوم کی یہ تجویز منظور بھی ہوگئی۔ (آزاد دائرۃ المعارف، ویکی پیڈیا سے)

جامعۃ القاسم کا ۲۸ سالہ جشن تعلیمی کے لئے ایک اور پیغام:

۲۸ر سالہ جشن تعلیمی منعقدہ ۲۷/۲۸/۲۹ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۴/۱۵/۱۶ر فروری ۲۰۱۸ء کے موقع پر مدبر اسلام مرشد الامہ حضرت اقدس مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت الطافکم العالیہ ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا

مسلم پرسنل لا بورڈ کا پیغام ڈاکٹر مولانا فرمان احمد ندوی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے ۱۵ر لاکھ سے زائد مجمع عام میں پڑھا۔

الحمد للہ رب العلمین، والصلاۃ والسلام علی عبدہ، ورسولہ خاتم النبیین محمد علی آلہ وصحبہ أجمعین وبعد!

قرآن کریم کے مسابقہ کا یہ پروگرام جسے حضرت مولانا مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے منعقد کیا ہے، جو جامعۃ القاسم دار العلوم الاسلامیہ سپول بہار کے مہتمم ہیں۔ یہ پروگرام یقیناً ایک قابل قدر کوشش اور اسلامی تعلیمات اور دینی وتربیتی فریضہ کی انجام دہی ہے، جو برسوں سے جاری ہے اور خاص طور سے ایسے علاقے میں جہاں اس کام کی شدید ضرورت تھی۔ یہ ایسا علاقہ ہے جہاں مسلمان اقلیت اور پسماندگی میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور یہ بات عیاں ہے کہ دنیا میں جہاں کہیں بھی لوگ اقلیت میں زندگی گزار رہے ہوتے ہیں وہ وسائل کے اعتبار سے اپنے کاموں کو انجام دینے میں اکثریت کے مقابلہ بہت کمزور ہوتے ہیں، جس کا لازمی تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اسے اپنے سارے کام خود ہی اپنے بل بوتے پر انجام دینے پڑتے ہیں، جس کا یہ بھی تقاضا ہے کہ وہ اپنے امور کو انجام دینے کے لئے خود کفیل ہو، تاکہ وہ ہر ممکن ذاتی وسائل کو استعمال کرتے ہوئے ایک مستقل امت اور ایک مستقل سماجی شناخت کے ساتھ زندہ رہ سکے۔

دنیا میں ہر جگہ مسلم اقلیتیں اپنے ان اہم مقاصد کو حل کرنے میں، انہی کمزوریوں سے دو چار ہیں اور دنیا کے تمام اہل خیر حضرات کے تعاون کی محتاج ہیں، تاکہ وہ ان کو حاصل کر کے ایک مستقل اور مستحکم امت کی حیثیت سے زندہ رہ سکیں۔

اور اس کے لئے اہم امور میں سے ہے کہ وہ اپنے تشخص کو باقی رکھ سکے اور اس کی حفاظت کر سکے اور امت مسلمہ کے لئے یہ سب سے زیادہ ضروری ہے، کیونکہ اس کی حیثیت عام انسانوں کی نہیں ہے، بلکہ اس کا دینی اور تہذیبی تشخص و شناخت ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہندوستان اور افریقہ جیسے دیگر ممالک میں مسلمان اپنے مدارس، تربیتی مراکز اور جامعات کے قیام کے ذریعہ اپنے ان مقاصد کو بطریق احسن ادا کر رہے ہیں اور انہی مقاصد کے تحت ہماری سوسائٹیاں اور تعلیمی ادارے، تربیتی مراکز وجود میں آئے ہیں۔ انہی میں سے یہ تعلیمی مرکز بھی ہے جس کو مفتی محفوظ الرحمن عثمانی نے قائم کیا ہے، اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ اس میدان میں ہمارا ملک یقیناً فائق ہے، جس کے فیض سے ہم اپنے دین کو ہندوستان میں مضبوط حالت میں دیکھ رہے ہیں اور اس میدان میں ماضی میں ہمارے علماء نے قابل قدر خدمات انجام دی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں ہم دین اسلامی کو ظاہری حالت میں دیکھ رہے ہیں اور جو کچھ بھی دین کی رمق ہم کو اپنے اندر دکھائی دے رہی ہے وہ انہی دینی جامعات اور مدارس کا صدقہ اور فیض ہے، اس طرح کے دینی پروگرام کا انعقاد عمل میں آ رہا ہے۔ تاکہ اس کی روشنی میں اپنے

مستقبل کا نقشہ تیار کرسکیں اور یہ قرآن کریم کے مسابقہ کا انعقاد ہوا ہے، جس میں کامیاب ہونے والے طلبہ کو گرانقدر انعامات سے نوازا جائے گا۔ اس کے منصوبہ میں ایک بڑی جامعہ کا قیام بھی ہے جو حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی طرف منسوب ہو، جس کے تحت اس طرح کی بیداری کے کام انجام دیئے جائیں۔ اور اس طرح کے طلبہ کی تیاری کا کام انجام پائے اور اس میں حاضر ہونے والے طلبہ اس سے واقف ہوسکیں اور تعلیم وتربیت کا تجربہ یہاں رہ کر حاصل کرسکیں، جہاں کہ وہ اقلیت میں رہ رہے ہیں۔

میرے لئے یہ بھی بڑی مسرت کی بات ہے کہ میں قرآن کریم کے ان پروگراموں میں حاضر ہوسکوں اور مجھے اس کی دعوت دی گئی، لیکن اس وقت چونکہ دوسرے اہم پروگرام درپیش ہیں، میرا خیال ہے کہ دوسرے اہم علماء کی اس پروگرام میں حاضری ہماری اس عدم موجودگی کے احساس کو کم کردے گی۔ بس میں اس اہم پروگرام کے انعقاد پر مبارک دیتا ہوں اور اپنی بات ختم کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ جناب رئیس جامعہ فضیلۃ الشیخ مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی ہماری عدم حاضری کی معذرت کو قبول فرمائیں گے، میں دعاء گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس پروگرام کو قبول فرمائے اور باعث خیر بنائے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محمد رابع حسنی ندوی

ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۷/ جمادی الاولی ۱۴۳۹ھ

۱۴/ فروری ۲۰۱۸ء

حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی سے ملاقات:

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں آج مقدر ایک بار پھر مجھے کھینچ لائی۔ لگتا ہے آسمان سے فرشتے اتر آئے ہیں، ہر طرف سے اجلے اجلے سفید جوڑے پہنے طلبہ واساتذہ چلے آرہے ہیں، درس گاہوں میں آنے وجانے کا سلسلہ جاری ہے۔ قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں بلند ہورہی ہیں، علم وتحقیق کی دوکانیں سجی ہیں۔ یہ ہیں وارثان علوم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم، جن کے رہتے ہوئے ہندوستان کے مستقبل کو کوئی خطرہ نہیں، مہمان خانے کے سامنے سربراہ مہمان خانہ جناب حافظ مصباح بھائی اپنے کارندوں کو ناشتے کے نظم کا حکم دیتے نظر آرہے ہیں۔ لذت کام ودہن سے فراغت کے بعد ہم محو آرام ہوگئے۔

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

کام کے وقت میں آرام کو حرام کہنے والی شخصیت، مسجد حبیب کے امام وخطیب اور ثانی اثنین مخدوم ومکرم گرامی قدر

حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن صاحب اعظمی ندوی زید مجدہ، جن کی محبتوں اور شفقتوں کا شمار نہیں۔ راقم الحروف اور جامعۃ القاسم دار العلوم الاسلامیہ سپول بہار کو جن شخصیتوں پر ناز ہے ان میں حضرت والا سر فہرست ہیں۔ اسی محبت وشفقت کی بنا پر جامع الامام محمد قاسم النانوتوی کے زینہ پر کھڑے ہو کر حضرت نے یہ شعر فرمایا تھا:

اولو العزمان دانشمند جب کرنے پہ آتے ہیں
سمندر پاٹتے ہیں کوہ سے دریا بہاتے ہیں

الحمد للہ رب العالمین الحمد للہ والشکر۔

مربی محترم کے دفتر اہتمام میں بڑے ادب کے ساتھ حاضر ہوئے۔ آپ بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں، ان میں سے ایک پابندی وقت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر مختلف اوقات کی قسم کھائی ہے جس سے وقت کی بے پناہ اہمیت اجاگر ہوتی ہے کیونکہ اللہ عزوجل کبھی بھی کسی کمتر چیز کی قسم نہیں کھاتے۔ اگر ہم اس زندگی میں اپنے وقت کی قدر کرتے ہوئے اسے بھلائی، خیر اور حسنات کے بیج بونے میں صرف کریں گے تو کل یوم قیامت ہمیں فلاح ونجات کا ثمر ملے گا۔

حضرت ممدوح وقت کے ایسے پابند ہیں کہ جہاں سے گزرتے ہیں لوگ انہیں دیکھ کر اپنی گھڑی ملا لیتے ہیں، اسی (۸۰) سے متجاوز عمر میں بھی آج کل کے جوانوں سے زیادہ کام کرتے ہیں، بلکہ جواں ان پر رشک کرتے ہیں، ملنے کا ایسا انداز کہ ملنے والا اثر مسار ہو جائے یا غلط فہمی میں مبتلا ہو جائے۔ ایک مرتبہ پھر باریابی حاصل ہوئی، ہم باادب سلام بجا لائے۔ پھر کیا شفقتوں، محبتوں اور عنایتوں کی بارش ہونے لگی۔

ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری ملنے پر مبارکباد:

آپ اشخاص، اداروں کے علاوہ ملک کیلئے بے حد فکر مند نظر آئے۔ اس دور میں مسلم امہ کے لیے بحیثیت خیر امت جو کرنے کے کام ہیں اس کی طرف توجہ دلائی اور مسلمانوں میں برادران وطن کے دلوں کو خدمت کے ذریعہ جیتنے کی ضرورت پر زور دیتے رہے۔

فرمایا اخبارات کے ذریعے معلوم ہوا کہ آپ (راقم الحروف) کو بھارت ورچوئل یونیورسٹی پیس آف ایجوکیشن بنگلور (کرناٹک) نے تعلیم وامن وانسانیت کی خدمات پر ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری سے نوازا ہے۔ ہم آپ کو تہہ دل سے مبارکباد دیتے ہیں اور خوشی محسوس کرتے ہیں، اس دعا کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو قبول فرمائے اور مزید امت مسلمہ کی خدمت کی توفیق بخشے۔ فرمایا کہ آپ کی خدمات کے اعتراف میں یہ ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی گئی ہے مگر یہ آپ کی خدمات کا احاطہ نہیں کرسکتی، اللہ بہتر بدلہ دے۔

تم مخاطب بھی ہو قریب بھی ہو
تم کو دیکھیں کہ تم سے بات کریں

کچھ دیر بعد ہم حضرت مولانا عبدالقادر پٹنی ندوی زیدمجدہ استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی تلاش میں نکلے تو ایک دفتر میں ان سے دو شخصیتوں کے ساتھ ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت مولانا مفتی عتیق احمد بستوی زیدمجدہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے قدیم استاد ہیں، حضرت مولانا محمد خالد ندوی غازی پوری زیدمجدہ استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ جو ایک طویل عرصہ تک دارالاقامہ کے ناظم اعلیٰ کے کٹھن منصب پر فائز رہے، کئی اداروں کے ذمہ دار اور پند و وعظ کے شہسوار ہیں۔ اسی اثنا میں تازہ تازہ حج سے لوٹے نائب مہتمم و ترجمان ندوۃ العلماء لکھنؤ حضرت مولانا عبدالعزیز ندوی بھٹکلی زیدمجدہ سے ملاقات کیا ہوئی طبیعت باغ و بہار ہوگئی، جن کی نوک زباں پر ہر موقع کے اشعار کھڑے اجازت مانگتے ہیں کہ وہ کس کا انتخاب کریں۔ بڑی موزوں متوازن شخصیت ہے ندوہ کے فدائی ہیں۔ وہ بڑے اصرار کے ساتھ قیام گاہ پر لے گئے اور حجازی دسترخوان کا حکم فرمایا۔ انواع واقسام کی کھجوریں جن میں عجوہ بھی ہے اور قلمی بھی وہ بلا کے ساقی بھی جو پلانا اور تھامنا دونوں جانتے ہیں۔ انہوں نے مادی ضیافت کے ساتھ معنوی ضیافت یوں فرمائی کہ بیسیوں ایسے پمفلٹ دیے جو مفکر اسلام حضرت اقدس مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی تقاریر و پیغامات یا مدبر اسلام حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب مدظلہ العالی کے خطبات پر مشتمل ہیں جن سے پورے سال کی تقریریں اور تحریریں تیار ہوسکتی ہیں۔

اسباق کی ہماہمی کے بعد مؤذن ظہر کی اذان دے رہا ہے۔ یہ پکار سنتے ہی چاروں طرف سے طلبہ چلے آرہے ہیں۔ مسجد کھچا کھچ بھر گئی۔ لگتا ایسا ہے سب کے سروں پہ چادر تنی ہے، راحت رساں منظر ہے ''قرۃ عینی فی الصلاۃ'' کا مظہر ہے۔ یہ نورانی صورتیں تابناک مستقبل کی ضامن ہیں۔ ہمیں مسجد سے متصل مہمان خانے میں طلب کیا گیا یہاں تین کرسیوں کے بیچ چھوٹی سی میز رکھی تھی، سلیقے سے دسترخوان چنا ہے اور عالم ربانی حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ العالی تشریف فرما ہیں۔ رائے بریلی کے عشائیہ میں جو شفقتیں نظر آئی تھیں، انہی کا جلوہ اپنے نمایاں انداز میں یہاں ظہرانہ میں جلوہ فگن ہیں البتہ یہاں کی سادگی کو دوآتشہ بنایا گیا ہے۔ حضرت بار بار فرما رہے ہیں اور لیجئے اور لیجئے۔ شفقتوں کے پتلے ہیں جو کمیاب ہی نہیں نایاب ہیں۔ یہاں برادر گرامی مولانا عبداللہ مخدومی ندوی، مولانا ڈاکٹر فرمان احمد ندوی صاحبان حضرت کے حکم کے مطابق راحت رسانی کے لیے برابر متوجہ رہے، اللہ ان کو جزائے خیر دے۔ آمین

7رستمبر 2019ء کو ہم شامِ اودھ کا نظارہ کرتے ہوئے 8 بجے شب کی فلائٹ میں بیٹھ گئے اور شب کے تقریباً ۱۱ر بجے

دریائے سئی سے نکل کر گومتی سے گزرتے ہوئے دہلی جمنا ندی کے کنارے آباد اوکھلا پہنچ گئے، سدا رہے نام اللہ کا۔

تہی دست ہیں مگر نسبت ہے ان سے   خدایا حشر ہووے ساتھ ان کے

آخری بات:

پتہ پتہ بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے   جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

دیوبند، سہارنپور، لکھنؤ اور دیگر مدارس اسلامیہ کے قریب سے جب بھی گزرتا ہوں تو ایک بات بار بار ذہن میں آتی ہے، ان شہروں میں بڑی تعداد مدارس اسلامیہ پھیلے ہوئے ہیں۔ جن میں ہزاروں کی تعداد میں ملک بھر کے طلبہ زیر تعلیم ہیں۔ بلاشبہ یہ عظیم خدمت علماء کے ذریعہ حسن وخوبی کے ساتھ انجام دی جارہی ہے، مگر میں جب کبھی طلبہ کے اس ہجوم سے گزرتا ہوں تو ان کی حرکات وسکنات کو دیکھ کر بڑا قلق ہوتا ہے کہ آخر انہی مدارس سے حسن واخلاق کے پیکر علماء اہل اللہ خادم قرآن و حدیث اور ان کے عظیم شاگرد نکلے اور کیسی کیسی خدمات انجام دے کر دنیا سے چلے گئے انہی مدارس میں آج تربیت نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اساتذہ کرام وذمہ داران مدارس کی توجہ طلبہ کی کردار سازی پر نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علوم وفنون کے مراکز میں بھی اخلاقیات جیسی عظیم نعمت سے ہم محروم ہیں۔

جبکہ اکابر علماء کے یہاں اساتذہ کے ادب واحترام کا یہ عالم تھا کہ محدث عصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ اپنے استاد شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ کے گھر کی طرف اپنا پاؤں بھی نہیں پھیلاتے تھے۔ برکت العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ اپنے شیخ حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوریؒ کی معرکۃ الآراتصنیف 'بذل المجہود' کے مسودے کو لے کر خطاط کے پاس جاتے لیکن اس دوران انہیں اگر کوئی کمی یا غلطی نظر آتی تو خود اس کی تصحیح نہیں فرماتے بلکہ لوٹ کر اپنے استاذ حضرت محدث سہارنپوری کے پاس آتے اور فرماتے کہ حضرت اس تحریر پر نظر ثانی فرمالیں۔ اس کے بعد حضرت سہارنپوریؒ اس کی تصحیح اور عبارت کو درست فرماتے۔ یہ مثالی کردار تھا ایک ممتاز شاگرد کا اپنے مثالی استاد کے سامنے کہ باوجود قدرت رکھنے کے استاد کی تحریر پر قلم رکھنا خلاف ادب سمجھتے تھے۔ اسی طرح حضرت علامہ شبلی نعمانیؒ نے اپنی قلبی خواہش کا صرف اظہار کیا کہ اپنے لائق وفائق شاگرد حضرت علامہ سید سلیمان ندویؒ سے السیر ہ السیر ہ کہتے ہوئے رخت سفر باندھا تو شاگرد عزیز نے بھی اپنے استاد کی شاہکار سیرت النبیؐ تصنیف کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اپنے استاد علامہ سید سلیمان ندویؒ کا ادباً نام نہیں لیتے تھے اور جب بھی ان کا ذکر کرتے تو ''سید صاحب'' کہہ کر اظہار خیال فرماتے۔ اسی قسم کے بے شمار واقعات علماء کرام کے تذکرے وسوانح میں موجود ہیں۔

اس کے باوجود آج کل طلبۂ عزیز ادب واخلاق سے عاری ہوتے جارہے ہیں۔ علماء کرام، اساتذۂ عظام کو اس طرف

توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے۔

چلتے چلتے یہ بھی کہہ دوں کہ اس وقت پوری ملت اسلامیہ مختلف خانوں میں بٹی ہوئی ہے۔ ہر کوئی اپنی اپنی ڈفلی اور اپنا اپنا راگ الاپ رہا ہے۔ کسی کو کسی کی پروا نہیں، ایسے نازک حالات سے گزرنے کے باوجود ہم اپنا محاسبہ نہیں کرتے، غور و فکر نہیں کرتے۔ حالانکہ معلم انسانیت محمد رسول اللہ ﷺ نے تمام تفریق کو مٹا کر ایک تسبیح میں پرو دیا، صالح معاشرہ کی تشکیل فرمائی۔ تاریخ شاہد ہے کہ دربار رسالت مآبؐ میں حضرت صہیب رومی، حضرت سلمان فارسی، حضرت مصعب بن عمیر، حضرت عبداللہ بن جحش اور حضرت بلال حبشی رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان کوئی امتیاز و تفاوت نہیں تھا۔ آقا ﷺ نے اونچ نیچ، رنگ و نسل، کالے گورے، سیاہ سفید، عربی و عجمی کے تمام فرق کو مٹا دیا جیسا کہ حق جل مجدہٗ کا ارشاد ہے: يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ (سورۂ حجرات: ۱۳)

''اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد و عورت سے پیدا کیا ہے اور اس لئے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو کنبے اور قبیلے بنا دیئے ہیں، اللہ کے نزدیک تم سب میں باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے۔ یقین مانو کہ اللہ دانا اور باخبر ہے''

ایک ایسی دعوت دی جس میں رنگ و نسل اور نسب و حسب پر تفاخر اور قبیلہ و خاندان کے امتیاز و تفوق کی کوئی گنجائش نہیں تھی، تمام لوگ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم کی تخلیق مٹی سے ہوئی تھی کسی عربی کو کسی عجمی پر یا کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی برتری نہیں ہے؛ مگر تقویٰ و پرہیزگاری کے ذریعہ: اَلنَّاسُ بَنُوْا آدمَ وَآدمُ خُلِقَ مِنْ تُرَابٍ لَاَفَضْلَ لِعَرَبِيٍ عَلیٰ عَجَمِيٍ اِلاّ بِالتَّقْوىٰ (ترمذی)

دوسری حدیث میں فرمایا: اَلنَّاسُ كُلُّهُمْ بَنُوْا آدمَ وَآدمُ مِنْ تُرَابٍ لاَ فَضْلَ لِعَرَبِيٍ عَلىٰ عَجَمِيٍّ وَلاَ لِعَجَمِيٍ عَلىٰ عَرَبِيٍ وَلاَ لِأَبْيَضَ عَلىٰ أَسْوَدَ وَلاَ لِأَسْوَدَ عَلىٰ أَبْيَضَ اِلاَّ بِالتَّقْوىٰ (مشکوٰۃ باب المفاخرہ والعصبہ)

حدیث پاک سے پوری ملت اسلامیہ آج بھی رہنمائی حاصل کرسکتی ہے۔ موجودہ وقت میں جتنی پریشانیاں بڑھ رہی ہیں، ملی ادارے، تنظیمیں، ملی جماعتیں اور مسالک میں اسی قدر اختلافات و انتشار سامنے آرہے ہیں۔ مسلم قوم ہر جگہ قعر مذلت میں گری ہوئی ہے۔ ہندوستان میں بڑی بڑی شخصیتیں اپنے ماضی کو بھول کر حضرات انبیاء و رسل، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہ

اجمعین، ائمہ اربعہ، محدث عظام اور اکابرامت کے نقوش کو بالائے طاق رکھ کر آر ایس ایس جیسی فسطائی طاقتوں کے سامنے سرنگوں ہوکر کے ظالم حکومت کی ایجنٹ گری کرنے پر مجبور ہیں۔ اللہ نہ کرے کہ یہاں برما کے روہنگیا مسلمانوں کی جیسی حالت ہوجائے۔ ہندوستان جوگنگا جمنی تہذیب کے لئے دنیا میں جانا جاتا تھا اس کے اب حالات تیزی سے بدل رہے ہیں، ہرآنے والا دن جانے والے دن سے بدتر ہوتا جارہا ہے۔ اس لئے بہی خواہان ملت اسلامیہ، مدارس، مساجد، خانقاہوں اور تنظیموں کے سربراہان اپنے نجی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر کلمۂ واحدہ کی بنیاد پر خیر امت کی فکر کریں تاکہ مسلمان بلاخوف وخطر شریعت مطہرہ، دعوت وتبلیغ، تزکیہ وسلوک اور تعلیم وتربیت کی ذمہ داریوں کو بخوبی نبھا سکیں۔ اللہ ہی ہمارا اور آپ کا حامی وناصر ہو۔ بس اب تو اللہ رب العزت سے یہی کہہ سکتے ہیں ربِ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَانتَصِرْ۔ اے میرے رب! میں بے بس ہوں تو میری مدد فرما۔

بات طویل ہوجائے گی اس لئے علامہ سید سلیمان ندویؒ کی ایک خوبصورت مناجات کے اشعار پر اپنی اس بے ترتیب تحریر کو ختم کرتا ہوں۔ اللہ پاک ہمارے اور آپ کے ساتھ پوری ملت اسلامیہ کے لئے نافع بنائے۔ آمین۔

صدقِ احساس کی دولتِ مرے مولیٰ دے دے   غمِ امروز بھلا دے، غمِ فردا دے دے
دُھن کچھ ایسی ہو، فراموش ہو اپنی ہستی   دلِ دیوانہ وشیدائی وشیدا دے دے
کھول دے میرے لئے علمِ حقیقی کے در   دلِ دانا، دلِ بینا، دلِ شنوا دے دے
قول میں رنگِ عمل بھر کے بنا دے رنگین   لبِ خاموش بنا کر، دلِ گویا دے دے
دردِ دل سینے میں رہ رہ کے ٹھہر جاتا ہے   جو نہ ٹھہرے مجھے وہ دردِ خُدایا دے دے

مدیر کے قلم سے

دعوت الی الخیر کے لئے میڈیا بہترین ہتھیار

ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب قاسمی

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جیسی اہم ذمہ داری امت مسلمہ پر ہے، اس ذمہ داری کو بخوبی نبھانے کی وجہ سے امت مسلمہ کو خیر امت کا مقام عطا کیا گیا ہے۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُم مِّنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ (110)

(مسلمانو!) تم وہ بہترین امت ہو جو لوگوں کے فائدہ کے لئے وجود میں لائی گئی ہے۔ تم اچھائیوں کا حکم کرتے ہو، برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو، اگر اہل کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کے لیے بہتر تھا، ان میں ایمان لانے والے بھی ہیں لیکن اکثر تو فاسق ہیں (سورۃ آل عمران: ۱۱۰)

زمانے کے حساب سے دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے طریقے بدلتے رہے ہیں۔ علماء کرام، مبلغین اور داعیان اسلام نے ان طریقوں، وسائل اور ذرائع کا بھرپور استعمال کرتے ہوئے اپنے اپنے میدان عمل کو مزید وسیع اور مستحکم کیا اور اس میں وہ بہت حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ دانشوروں کا خیال ہے کہ فکری و نظریاتی اور اصلاحی و انقلابی تحریکوں کی زندگی میں دعوت کو کلیدی حیثیت حاصل ہے۔ دعوت کی مؤثریت کے لیے ضروری ہے کہ اس کے ذرائع جدید اور جاذب ہوں، اس کے برعکس فرسودہ و دقیانوسی ذرائع بہت دلکش پیغام کو بھی غیر مؤثر بنا دیتے ہیں۔ دورِ حاضر سائنسی انکشافات اور ترقیات کا دور ہے۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں مغرب نے اخبار، ریڈیو، ٹیلی ویژن، انٹرنیٹ اور سوشل میڈیا جیسے جدید ذرائع ابلاغ ایجاد کیے جنہوں نے انسانی زندگی میں کئی انقلابات برپا کر دیے۔

جدید ذرائع ابلاغ کے توسط سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر، قرآن و حدیث کا پیغام، سیرت نبوی اور سیرت صحابہ کرام کو دنیا کے سامنے پیش کرنے میں ہندوستان کی بہ نسبت پاکستان کے علماء و اہل علم نے بہت منظم طریقے سے استعمال کیا ہے۔ مولانا ڈاکٹر اسرار احمد، مولانا طارق جمیل، مولانا محمد طاہر القادری اور مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب سمیت درجنوں علماء و اسلامک اسکالر نے جدید ذرائع ابلاغ کو دینی اقدار و تعلیمات کے فروغ میں اہم مانتے ہوئے ان ذرائع و وسائل کا سہارا لیا ہے۔ ہندوستان میں نئے فارغین و اسکالرز کی توجہ اس طرف ہے۔ وہ ذرائع ابلاغ کی اہمیت کو سمجھتے ہیں اس لئے مختلف طریقوں سے قرآن و حدیث کی تعلیم و تبلیغ میں مصروف ہیں۔ سوشل میڈیا، ای میل، فیس بک، ٹوئٹر، واٹس ایپ، انسٹا گرام کے توسط سے دشمنان اسلام اور معترضین کا جواب دے رہے ہیں۔ گویا سوشل

میڈیا اس کام کے لیے بہت موثر اور مفید ہے۔ کیوں کہ سوشل میڈیا پر مسلمانوں کے خلاف نفرت پیدا کرنے والے پیغامات، تصویریں اور ویڈیوز وغیرہ بڑے پیمانے پر گردش کرتی رہتی ہیں۔ ان حالات میں مخالفین کو برا بھلا کہنے سے بہتر ہے کہ ان ہی کی زبان میں جواب دیا جائے اور جدید ذرائع وسائل کے ذریعہ ان کی غلط فہمیوں کو دور کر کے اسلام کا صحیح پیغام ان تک پہنچائیں۔

بہار کی مشہور و معروف درسگاہ جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول کے بانی و مہتمم حضرت مولانا مفتی ڈاکٹر محفوظ الرحمن عثمانی دامت فیوضہم کا نام ہندوستان کے ان چند علماء و دانشوروں کی فہرست میں نمایاں ہے جو جدید ذرائع ابلاغ بالخصوص الیکٹرانک و پرنٹ کے ساتھ سوشل میڈیا کو دینی تعلیمات، دعوت و تبلیغ اور اسلام کے پیام انسانیت کو دنیا بھر میں فروغ دینے میں غیر معمولی اہم اور وقت کی ضرورت قرار دیتے ہیں۔ عصر حاضر کے دینی و ملی تقاضوں کے پیش نظر آج سے ۱۹ رسال قبل انہوں نے، معارف قاسم جدید دہلی' کے نام سے ایک اردو ماہنامہ کا آغاز فرمایا۔ تاہم یہ سوشل میڈیا کا زمانہ ہے اس لئے اب انہوں نے صدائے حق کو بلند کرنے کے لیے 'القاسم انٹرنیشنل ڈاٹ کام' کے نام سے ایک پورٹل شروع کیا ہے۔ اس قدم کے لیے بلاشبہ وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔ القاسم انٹرنیشنل میں ہندوستان کی اہم خبروں کے ساتھ، عالم اسلام کی خبریں، مذہبی و سیاسی مضامین، تبصرے اور تجزیوں کے ساتھ ملی اداروں کے اجلاس، میٹنگ کی رپورٹیں اور تصاویر ترجیحی بنیاد پر شائع کی جارہی ہیں۔ اس وقت ہندوستان کے حالات جس تیزی سے بدل رہے ہیں اس میں میڈیا کا کردار بہت اہم ہے۔ جھوٹ کو سچ اور حق کو باطل ٹھہرانے میں میڈ جو کردار ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ ہندوستان میں ایسا میڈیا ہاؤس آج تک قائم نہیں کیا جاسکا جو یہاں کے ۲۵ رکروڑ مسلمانوں کی صحیح ترجمانی کر سکے۔

راقم الحروف نے چند سال قبل اپنے ایک مقالہ کے ذریعہ اس طرف توجہ دلائی تھی کہ میڈیا آج کی سب سے بڑی طاقت ہے، اور جدید دور کا سب سے بڑا ہتھیار۔ وقت اور حالات کے پیش نظر اس پر تنقید کرنے کے بجائے اسے اپنانے اور اس میدان میں کام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ملک میں 23 ہزار مدارس ہیں اور 4 لاکھ سے زیادہ مساجد موجود ہیں، اس کے باوجود ایک بھی کوئی ایسا میڈیا ہاؤس نہیں جہاں پر مسلمانوں کی نمائندگی یا ترجمانی کی جاتی ہو۔

مسلم اہل ثروت حضرات اس شعبے میں اپنا اثر دکھائیں اور ملی تنظیمیں میڈیا سے دور ہونے کے بجائے ایسا لائحہ عمل مرتب کریں کہ غیر مسلم صحافیوں کو مسلم معاشرہ سے قریب کرنے اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پھیلائے گئے پروپیگنڈوں کے متعلق دلائل اور حقائق کی روشنی میں ان کی رہنمائی کر سکیں۔ بسا اوقات میڈیا کے لوگ کسی اہم مسئلہ پر مسلم ماہرین کو تلاش کرتے ہیں مگر انہیں مایوسی ہاتھ آتی ہے۔ اس طرح کی کمی کو دور کرنے کے لئے ملی جماعتوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے افراد تیار کریں جو اپنی بات مستحکم انداز میں ملک اور قوم کے سامنے رکھ سکیں، جو مسلم نوجوان میڈیا میں ایک عرصہ سے وابستہ ہیں ان کی صحیح رہنمائی بھی ضروری ہے اور اس کام کے لئے وقفہ وقفہ سے ورکشاپ یا گیٹ ٹو گیدر کا اہتمام ہو، اس کے بغیر ہم نئے چیلنجز کا سامنا نہیں کر سکتے، بلکہ یوں ہی پردے کے پیچھے سے ہوا میں تیر چلاتے رہیں گے، جس کا کوئی حاصل نہیں ہے۔

سیرت نبویؐ اور عصر حاضر میں

اس کی معنویت و افادیت

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

نوٹ: یہ تقریر ۲۱/جون ۱۹۸۰ء کو بعد نماز عصر بمبئی کی ایک قدیم وکارگزار انجمن ''انجمن اسلام'' کے ایک وسیع و عریض ہال میں علم دوست احباب کے ایک عظیم مجمع کے سامنے ''عصر حاضر میں سیرت نبویؐ کی اہمیت ومعنویت اور منصب نبوت'' کے عنوان پر کی گئی تھی۔

حضرات! عام مسلمانوں کے لئے مجموعی طور پر اور اہل بمبئی کیلئے خصوصی طور پر یہ بڑی مسرت، شکر اور فخر کا موقع ہے کہ سیرت نبوی ﷺ پر خطبات کا آغاز ہو رہا ہے میں اپنی محدود واقفیت اور مطالعہ کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ سیرت نبویؐ پر سب سے زیادہ ٹھوس، سنجیدہ فکر انگیز اور معیاری کام ہمارے ملک ہندوستان میں انجام پایا ہے، ہم ہندوستانی مسلمانوں کو اس بات پر شکر آمیز فخر کا حق ہے کہ وہ نبی رحمت ﷺ جس کے متعلق قرآن شریف اعلان کرتا ہے۔''قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا'' جو مکانی حیثیت سے پوری کرۂ ارض اور زمانی حیثیت سے بعثت کے بعد سے پوری انسانی تاریخ کا نبی ہے، اس کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کو عصر جدید کے اسلوب اور تقاضوں کے مطابق روشن کرنے کی سب سے بڑی سعادت ہندوستانی مسلمانوں کو حاصل ہوئی، قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری رحمہ اللہ کی ''رحمۃ للعالمین''، علامہ شبلی نعمانیؒ کی کتاب ''سیرۃ النبی''، مولانا عبدالرؤف دانا پوری کی کتاب ''اصح السیر'' سیرت کے عالمگیر کتب خانے میں امتیازی شان رکھتی ہیں، لیکن اہمیت اور افادیت کے لحاظ سے شاید سب سے فائق، استاد محترم مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کی ''خطباتِ مدارس'' ہے، دنیا کے مسلمان جو زبان بولتے ہیں، ان میں ان کتابوں کی کوئی نظیر نہیں، مختلف اسلامی زبانوں اور متعدد مغربی زبانوں میں ان کے ترجمے ہوئے ہیں۔

بہت سے حضرات یہ خیال کرتے ہوں گے کہ سیرت النبی ﷺ کی خدمت کا شرف جس ادارے کو حاصل ہوا، اس سے انتساب رکھنے والے فرد کے لئے اور خاص طور پر اگر اس کے قلم سے بھی کوئی کتاب سیرت پر نکلی ہو، بہت آسان ہے کہ وہ سیرت پر گفتگو کرے اور سیرت نبویؐ کو پیش کرے، لیکن ایک مصنف کے تجربے کی روشنی میں، میں یہ کہتا ہوں کہ یہ بات سہولت کی باعث نہیں، بلکہ دشواری کی باعث ہے، اس لئے کہ جس کو سیرت پر قلم اٹھانے کی سعادت حاصل ہوئی وہ کسی ایسے ادارے سے تعلق رکھتا ہے، جس سے سیرت پر بلند ترین اور منتخب ترین لٹریچر

شائع ہوا، اس کا معاملہ سیرت نبوی ﷺ کے بارے میں وہی ہے جس کو فارسی شاعر نے اپنے مشہور شعر میں بیان کیا ہے:

دامان نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گلچین بہار تو، زداماں گلہ دارد

وہ سوچتا ہے کہ وہ اس مقدس داستان کو کہاں سے شروع کرے اور کہاں ختم کرے، اور کس چیز کو لے اور کس چیز کو چھوڑ دے، جس طرح کہ گلچیں کے لئے دشواری ہے کہ وہ کس پھول کو لے اور کس پھول کو چھوڑ دے، اور پھر اس دامن کو جو بہت محدود اور تنگ ہے، اس چمن کے پھولوں سے کس طرح سجائے، بالکل اسی طرح کی آزمائش آج میرے لئے بھی ہے، میں یہ کوشش نہیں کروں گا کہ آپ کے سامنے سیرت نبوی ﷺ کو اول سے آخر تک سبق کی طرح سنادوں، آپ حضرات اہل علم ہیں اور آپ کی نظر سے سیرت کی کتابیں گزر چکی ہیں، اور گزرتی رہتی ہیں، میں اپنی سب سے بڑی سعادت یہ سمجھوں گا کہ آپ کے دلوں میں سیرت کے مطالعے کا نیا شوق پیدا ہوجائے، اور یہ احساس پیدا ہوجائے کہ ابھی آپ کو بہت کچھ پڑھنا ہے، ابھی آپ نے اس گلستاں کی سیر ہی نہیں کی ہے، اور یہ کہ آپ اس مکتب حسن، اس مکتب عشق، اس مکتب عقل وعلم، اس مکتب انسانیت آموزی کے طالب علم ہیں، میں اپنے کو بہت خوش نصیب سمجھوں گا اور آپ کو مبارک باد دوں گا کہ سیرت کے مکتب میں ہمارا اور آپ کا نام لکھ لیا جائے، اس سے بڑھ کر میں ایک مسلمان کے لئے کوئی فخر کی بات نہیں سمجھتا کہ اس کو اس مکتب عشق میں طالب علم بننے کے لئے قبول کرلیا جائے، ہم آج سے سیرت کا مطالعہ کریں گے اور یقین ہے کہ یہ سلسلہ بڑا مبارک ہوگا، اور اس کے بانی صد ہزار مبارک باد کے مستحق ہوں گے، اگر آپ کے اندر یہ جذبہ بیدار ہوجائے کہ اب ہم سیرت کا مطالعہ کریں گے اور ہم یہ سمجھیں گے کہ ابھی ہم نے کچھ نہیں پڑھا ہے۔

میں سب سے پہلے آپ کے سامنے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نبی کیا کام کرتا ہے کہ جس کی وجہ سے اس کو یہ مقام بلند حاصل ہے، جو ذمہ داری اس کے سپرد کی جاتی ہے، اس کی نوعیت کیا ہے؟ اور وہ نوع انسانی کے لئے اتنا کیوں ضروری ہے؟ رواں دواں قافلۂ انسانیت کے سفر کے لئے یہ بات کیوں خطرے کی ہے کہ اس کو اس سفر میں ایک پیغامبر کی رہنمائی حاصل نہیں، میں سب سے پہلے اس پر مختصر روشنی ڈالوں گا پھر یہ بتانے کی کوشش کروں گا کہ نبی کے کام کی نوعیت کیا ہے؟ نبوت کی حقیقت اور اس کا امتیاز کیا ہے اور اس اہم اور مقدس کام کے لئے کس طرح کی شخصیت درکار ہے؟ آنحضرت ﷺ کو انبیاء کرام کی صف میں اللہ تعالی نے کیا امتیاز عطا فرمایا اور کیا کامیابی آپ ﷺ کے حصے میں رکھی، میں یہ بتانے کے لئے کہ نبوت کا کام ضروری ہے کہ اس کے بغیر انسانیت کے سفینے کے لئے خطرہ ہے کہ وہ کس وقت ڈوب جائے، وہ کون سی مہم ہے، جو نبی ہی انجام دیتا ہے، اور وہ کون سا خلاء ہے جو وہ تنہا پُر کرتا ہے اس کے لئے میں ایک کہانی کا سہارا لوں گا، اور آپ جانتے ہیں کہ بعض اوقات کہانیوں سے بہت سے ایسے عُقدے اور ایسی گتھیاں سلجھ جاتی ہیں جو بڑی بڑی فلسفیانہ بحثوں سے نہیں سلجھتیں، خاص طور پر جب وقت کم ہو اور آدمی زیادہ گہرائی میں نہ جانا چاہے۔

آپ نے یہ کہانی سنی ہوگی کہ کچھ نوجوانوں کو سیر کا خیال آیا، وہ دریا کے قریب کسی بستی کے رہنے والے تھے، برسات کا موسم تھا، سہانا وقت تھا، ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، اور فرصت کے دن تھے، ان کو شوق ہوا کہ وہ دریا کی سیر کریں اور موسم کا لطف اٹھائیں، ایک کشتی انہوں نے کرائے پر لی، اس پر سوار ہوئے، دریا بھی روانی پر تھا، اوران کی طبیعت بھی موج پر تھی، وہ بے تکلفی سے آپس میں باتیں کرتے تھے، مگر اس وقت انہوں نے ملاح کو اپنا مخاطب بنایا، اس سے پوچھا (چچا یا دادا کہہ کر مخاطب کیا) آپ کی عمر کیا ہے؟ وہ بے چارہ بے پڑھا آدمی تھا، اس نے اپنی عمر بتائی ۶۰ سال کی عمر، ان میں سے ایک نوجوان نے کہا کہ چچا آپ نے کیا کیا پڑھا ہے؟ اس نے کہا کہ میری اوقات کیا؟ میں نے شروع ہی سے کشتی چلانے کا پیشہ اختیار کرلیا، اور مجھے پڑھنے کا موقع نہیں ملا، دوسرے تیز طرار صاحب زادے بولے کہ چچا! آپ نے جغرافیہ تو ضرور پڑھا ہوگا؟ بیچارے ملّاح نے کہا کہ میں نے اس کا نام ہی نہیں سنا، پہلے تو اس کو یہی سمجھنا مشکل ہوا کہ جغرافیہ کسی آدمی کا نام ہے، یا کسی علم کا؟ لوگوں نے کہا کہ اچھا آپ نے ہسٹری تو پڑھی ہوگی؟ پھر اس نے کانوں پر ہاتھ رکھا، پھران لوگوں نے جیومیٹری کو پوچھا اوران کے کالج اور یونیورسٹی میں جو مضامین داخل تھے، ان تمام مضامین کا (SUBJECTS) انہوں نے باری باری سے نام لیا، اور اس بیچارے نے سب پر سر جھکا دیا، وہ پشیمان اور شرمندہ ہوا، اس نے کہا کہ صاحب میں نے تو آج تک ایسے نام بھی نہیں سنے تھے، عمر تو پہلے پوچھ لی تھی، کہنے لگے کہ آپ نے اپنی آدھی عمر کھودی ہے، آپ نے کچھ کام کیا ہی نہیں، خیر دریا اس وقت مزے میں تھا، موجیں اٹھ رہی تھیں، اور کہیں بارش بھی ہوئی تھی، اب دریا کی موجیں اس کشتی کے ساتھ اٹھکھیلیاں کرنے لگیں، اور کشتی ڈانواڈول ہونے لگی، کبھی ادھر جھکتی تھی، کبھی ادھر جھکتی تھی، اب اس ملاح کی بن آئی، خدا کو اس کی عاجزی اور اس کی بے زبانی پر رحم آیا، اب ملاح کی باری آئی، اس نے کہا کہ صاحبزادو! ایک بات میں بھی پوچھتا ہوں کہ تم نے یہ سب کچھ پڑھا ہے، پیرنا بھی سیکھا ہے؟ اگر یہ کشتی الٹ گئی تو تم دریا کے پار کس طرح پہنچو گے؟ انہوں نے کہا کہ پیرنا تو ہم نے نہیں سیکھا ہے! ملاح نے کہا جاؤ تم نے اپنی پوری عمر ڈبوئی۔

> آنحضرت ﷺ کو انبیاء کرامؑ کی صف میں اللہ تعالی نے کیا امتیاز عطا فرمایا اور کیا کامیابی آپ ﷺ کے حصے میں رکھی، میں یہ بتانے کے لئے کہ نبوت کا کام ضروری ہے کہ اس کے بغیر انسانیت کے سفینے کے لئے خطرہ ہے کہ وہ کس وقت ڈوب جائے، وہ کون سی مہم ہے، جو نبی ہی انجام دیتا ہے، اور وہ کون سا خلاء ہے جو وہ تنہا پُر کرتا ہے اس کے لئے میں ایک کہانی کا سہارا لوں گا، اور آپ جانتے ہیں کہ بعض اوقات کہانیوں سے بہت سے ایسے عُقدے اور ایسی گتھیاں سلجھ جاتی ہیں جو بڑی بڑی فلسفیانہ بحثوں سے نہیں سلجھتیں، خاص طور پر جب وقت کم ہو اور آدمی زیادہ گہرائی میں نہ جانا چاہے۔

انہوں نے تو یہ کہا تھا کہ تم نے اپنی آدھی عمر کھوئی، اوراس

ملاح نے کہا کہ تم نے اپنی پوری عمر ڈبوئی، اگر کہیں کشتی الٹ گئی تو میں ہاتھ پیر مار کر کنارے پہنچ جاؤں گا یہ ندی دریا تو میرا گھر ہے، میں اس کی مچھلی ہوں، مگر تم نے جو بڑے بڑے ڈراؤنے نام لئے تھے (اتنی جلدی جاہل آدمی کو نام یاد نہیں ہو سکتے تھے) وہ آپ کے کیا کام آئیں گے؟ آپ اگر ڈوبیں گے تو ان میں سے کوئی چیز آپ کو نہیں بچا پائے گی، یہاں تو سیدھا سادا پیرنا کام آئے گا، جس کو پیرنا آتا ہے یا آپ یوں کہہ لیں کہ جس کو پیرنے کی سائنس آتی ہے وہ کچھ نہ جانتے ہوئے بھی اپنی جان بچالے گا اور دریا پار کرلے گا، یا کشتی چلانا جس کو آتا ہے، وہ کشتی کنارے لگادے گا، لیکن اگر سب کچھ آتا ہے اور پیرنا ہی نہیں آتا ہے، زندگی کے اس طوفانی دریا کو جس نے عبور کرنا نہیں سیکھا اور جس نے اس کی موجوں سے جو منہ پھیلائے ہوئے بڑھتی ہیں، بچنے کا فن نہیں معلوم کیا تو اس نے یہ جو کچھ پڑھا ہے کچھ کام نہیں آئے گا۔

حضرات! ہماری اس پوری زندگی کی مثال یہی ہے، ہمارے تمام محسن، انسانی علوم کے بانی، بڑی بڑی کتابوں کے مصنف، دنیا کے دانش ور، فلسفی، حکیم، ریاضی داں اور سائنس داں یہ سب ہمارے شکریے کے مستحق ہیں، یہاں انجمن اسلام اور اس کے اسکول کے بالکل سایے کے نیچے بیٹھ کر یہ گزارش کر رہا ہوں، ہم ان میں کسی کی تحقیر نہیں کرتے ہیں، خاص طور پر میرے جیسے طالب علم کی گردن ان کے احسانات کے بوجھ سے دبی جا رہی ہے۔ اور میں جو آپ کے سامنے یہ دو حرف کہہ رہا ہوں اس کو بھی ان کا احسان سمجھتا ہوں، لیکن واقعہ اپنی جگہ پر واقعہ ہے، یہ وہ حقیقت ہے، جس کا اعلان امریکہ کی کسی بڑی یونیورسٹی یا لائبریری میں بھی، لیبارٹری میں بھی، بڑے سے بڑے دانش کدے اور بڑے سے بڑے ایوان علم میں بھی کیا جا سکتا ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے ادنی غلاموں نے بارہا اس حقیقت کا اعلان کیا ہے اور بہ بانگ دہل کہا کہ اے دانشورو! علم کو وسعت اور ترقی دینے والو! اے انسانی عقل کے کمالات دکھانے والو! اے زمین کے خزانے کو اگلوا دینے والو! آسمان سے تارے توڑ کر لانے والو! اور اے چاند کی سطح پر پہنچ جانے والو! تم سب خطرے میں ہو، جب تک تم کو شناوری کا یہ علم نہیں آتا اور وہ حقائق اولین جن پر زندگی کی بنیاد ہے، اور یہ انسانی شیرازہ جس کی وجہ سے مجتمع ہے، اور وہ بڑے مقاصد جن کی وجہ سے اس زندگی اور اس دنیا میں معنویت پائی جاتی ہے، اگر ان پر نظر نہیں اور اگر تم نے زندگی گزارنے کا سلیقہ نہیں سیکھا جو تنہا پیغامبر سکھاتے ہیں، وہ بغیر کسی تواضع اور انکساری کے اور بغیر کسی ادنی خوف اور لحاظ کے صاف صاف کہتے ہیں "انما انا بشر مثلکم یوحی الی" (میں تمہاری طرح ایک انسان ہوں، فرق مجھ میں اور تم میں یہ ہے کہ میری طرف وحی آتی ہے) زندگی کا سلیقہ کسی نے اگر نہیں سیکھا ہے، اور سب کچھ سیکھ لیا ہے، وہ اگر فرد ہے تو خطرے میں ہے، اگر قوم ہے تو خطرے میں ہے، اگر تمدن ہے تو خطرے میں ہے، تہذیب ہے تو خطرے میں ہے، علمی مرکز ہے تو خطرے میں ہے، کوئی تجربہ گاہ ہے تو خطرے میں ہے، قیادت کے مقام پر ہے تو خطرے میں ہے، میں نے ایک سیدھی سادی کہانی کا (جو نبوت اور نبی ﷺ کے مقام سے کوئی مناسبت نہیں

رکھتی) سہارالیا ہے، آج بھی دنیا کا حال یہ ہے کہ ہمیں اپنی حقیقت کا علم نہیں ہمیں معلوم نہیں کہ زندگی کیا ہے، کتنی وسیع کتنی عمیق، کتنی نازک، کتنی لطیف ہے، زندگی گزارنا کتنی بڑی ذمہ داری ہے، اس زندگی کے دریا کو عبور کرنے کے لئے اور اپنی کشتی کو پار لگانے کے لئے کن بنیادی حقیقتوں پر ایمان لانے اور ان پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے، ان کی حفاظت کرنے اور ان کو زندہ رکھنے کیلئے ایک دوسرے کے ساتھ کیسے تعاون کی ضرورت ہے؟ آج ہمارے اس متمدن اور ترقی یافتہ دور کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ اس کو زندہ رہنے کا فن معلوم نہیں بلکہ معلوم کرنے کی کوئی خواہش بھی اس کے اندر نہیں، پیغمبر خاص انکشافات کے مدعی نہیں ہوتے، وہ ادب اور شاعری کے دعوے دار نہیں ہوتے، وہ بہت بڑی ذہانت، موشگافی، بال کی کھال نکالنے کے مدعی نہیں ہوتے، وہ کہتے ہیں کہ زندگی کے دریا کو پار کرنے کا فن ہم سے سیکھا جاسکتا ہے، اگر تمہیں زندگی عزیز ہے، اور اگر تم انسانوں کی طرح اس دنیا میں رہنا چاہتے ہو، اگر تمہیں اپنی زندگی کے مقصد کو پورا کرنا ہو، اگر تمہیں خالق کائنات کو صحیح طور پر سمجھنا، اس کا علم حاصل کرنا، اس کو راضی کرنا اور اس کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنا ہو تو ہم اس کے لئے حاضر ہیں، ہمیں خدا نے اس خدمت کے لئے مامور کیا ہے، نہ اس سے کم نہ اس سے زیادہ، نہ اس میں وہ کسی معذرت سے کام لیتے ہیں، نہ کسی فخر و تعلّی سے، بالکل حقیقت پسندانہ اور عملی انداز میں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم کسی چیز کے مدعی نہیں، ہم تم سے یہ کہتے ہیں کہ زندگی گزارنے اور انسانوں کی طرح زندہ رہنے کا فن ہم سے سیکھو، سب سے پہلے یہ معلوم کرو کہ اس دنیا کو کس نے بنایا اور کس لئے بنایا، تم کہاں سے آئے تھے کہاں جاؤ گے؟ ہم نے مانا کہ تم کو سب کچھ آتا ہے مگر اپنے پیدا کرنے والے اور مقصد زندگی سے غافل ہو تو ان کمالات و ترقیات، اور تسخیر کائنات سے کیا حاصل؟ بقول اقبال:

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا
ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

ہم مانتے ہیں کہ تم سورج کی شعاعوں کو گرفتار کر سکتے ہو، چاند پر پہنچ سکتے ہو، تم سمندر کی تہ سے موتی نکال کر لا سکتے ہو، مگر سوال یہ ہے کہ تم کو آدمیوں کی طرح اس سطح زمین پر چلنا بھی آتا ہے؟ کسی مغربی فلسفی نے ایک مشرقی دانشور سے بہت فخر و ناز سے کہا کہ آپ کو معلوم ہے ہماری مغربی تہذیب نے کیا کیا کمالات دکھائے ہیں، ہم نے بلند پروازی اور تیز رفتاری کے کیسے کیسے ریکارڈ قائم کئے ہیں؟ مشرقی فلسفی نے جواب دیا کہ ہاں تمہیں فضائے آسمانی میں چڑیوں کی طرح اڑنا آگیا اور تمہیں دریا میں مچھلیوں کی طرح تیرنا آ گیا، لیکن یہ بتاؤ کہ کیا تمہیں زمین پر آدمیوں کی طرح چلنا بھی آیا؟ تو پیغمبر بغیر کسی کسر و انکسار کے یہ کہتے ہیں کہ ہم یہ بتاتے ہیں کہ خدا کے بنائے اور پیدا کئے ہوئے انسان کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ کس طرح رہا جاتا ہے، دنیا کے اس سفر کو کامیاب طریقے پر طے کر کے کس طرح اپنے مالک کے پاس انعام لینے کیلئے جایا جاتا ہے، ہم یہ فن بتاتے ہیں، نہ کم نہ بیش، یہ ہے نبوت کا وہ کارِ خاص جو نبوت اور

انبیاء انجام دیتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی عظمت اور آپ کی انفرادیت سمجھنے کے لئے سب سے پہلے اسے سمجھنے کی ضرورت ہے کہ آپ کے کام کی نوعیت کیا ہے؟ آپ ﷺ اور آپ کے مقدس رفقاء جن کو انبیاء کے نام سے ہم جانتے ہیں، (اللہ کا درود و سلام ان سب پر) وہ کیا کام انجام دیتے آئے ہیں، اس کے لئے میں نے ایک حقیری سی کہانی آپ کے سامنے رکھی ہے کہ وہ ملاح تھا تو دو ٹکے کا آدمی، لیکن ان نوجوانوں کے مقابلے میں جنہوں نے اپنے دماغ میں لائبریوں کی لائبریریاں اتار لی تھیں، اور جنہوں نے فلسفے کے سمندر پی لئے تھے، جن کو دنیا کی تاریخ پوری یاد تھی، وہ اس کم سواد بلکہ بے سواد ملاح کے سامنے بے حقیقت انسان تھے، ان کی زندگی خطرے میں تھی، وہ کشتی پر سوار تھے، ان کی قسمت کشتی سے وابستہ تھی، اور کشتی کی قسمت اس فن ملاحی سے وابستہ تھی، اور وہ اس سے نا آشنا تھے، یہ ہے نبوت کا کارِ خاص جو نبوت ہی انجام دیتی ہے۔

اب میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نبی ﷺ کو دوسروں کے مقابلے میں کیا امتیاز حاصل ہوتا ہے، ان کو یہ کہنے کا حق کیوں حاصل ہے کہ اس زندگی کے بعد ایک زندگی ہے اور محسوسات اور مشاہدات کا جو عالم ہمارے اور آپ کے سامنے ہے، ان کے پیچھے اور کون سی طاقتیں کام کر رہی ہیں، ہم ان کو دیکھتے نہیں ہیں، اس قانون تکوینی (NATURAL LAWS) کے پیچھے کوئی اور طاقت اور ارادہ ہے جو اس کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے، اور اس کے متضاد عناصر کو ایک دوسرے سے ٹکرانے سے بچا رہا ہے، سورج کی حرارت کو اس سے زیادہ بڑھنے نہیں دیتا جو کہ اس زمین کو خاک سیاہ کردے، زمین کی پرت کو اس سے زیادہ موٹا ہونے نہیں دیتا کہ یہ زمین ڈوب جائے، سمندر اور خشکی کے درمیان جو تناسب ہے، اس تناسب میں ذرا سا فرق آنے نہیں دیتا، اگر آپ کریسی کی کتاب MAN DOES NOT STAND ALONE (انسان اکیلا کھڑا نہیں ہے) کا مطالعہ کریں، (اور آپ میں سے بہت سے لوگوں نے اس موضوع پر مجھ سے زیادہ پڑھا ہوگا) تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس دنیا کو کس تناسب کے ساتھ بنایا گیا ہے اور اس میں کتنے متضاد عناصر ہیں، آگ اور پانی کا مجموعہ کس طرح چل رہا ہے، سلبی اور ایجابی (POSITIVE AND NEGATIVE) مثبت اور منفی طاقتیں کس طرح ایک دوسرے کے ساتھ مصالحت اور تعاون کے ساتھ کام کر رہی ہیں، ان میں کسی وقت ٹکراؤ نہیں ہوتا ہے، ان میں کسی وقت بغاوت نہیں ہوتی، ان میں کہیں برہمی، ناہمواری نہیں پیدا ہوتی، نشیب و فراز نہیں پیدا ہوتے، کوئی چیز اپنی حد سے آگے نہیں بڑھنے پاتی، اس کے حکام سے سرتابی نہیں کرنے پاتی، اس حقیقت کے جاننے کا نبی کے پاس کیا ذریعہ ہے، اور یہ کہنے کا اس کو کیوں حق حاصل ہے کہ ہم یہ دیکھتے ہیں، اور یہ جانتے ہیں، اور تم نہیں دیکھتے اور نہیں جانتے؟ اس کے لئے میں پھر ایک واقعے کا سہارا لوں گا مگر اس مرتبہ یہ واقعہ ہندوستانی کہانیوں اور ہماری نصابی کتابوں کا واقعہ نہیں ہوگا بلکہ سیرت نبوی ﷺ کا واقعہ ہوگا۔

واقعہ یہ ہے کہ جب یہ آیت "وانذر عشیرتك

الاقربین" (اے محمد ﷺ) آپ قریبی لوگوں اور اپنے سے قریبی تعلق رکھنے والوں کو ڈرائیے) نازل ہوئی، مکہ معظمہ کی اس سادہ اور محدود زندگی میں جس میں ابلاغ واطلاع کے ذرائع مفقود یا بہت محدود تھے، وقت کم اور مکہ کی آبادی پھیلی ہوئی او رکوئی ایسا ذریعہ نہیں جس سے پوری آبادی کو جو کہ مکہ کی وادی میں مکہ کے آگے پیچھے بکھری ہوئی تھی، سب کو کیسے جمع کیا جائے؟ صدیوں سے جس کے آباء واجداد نبوت کے مفہوم اور غیبی حقائق سے ناآشنا تھے، ان کو کیسے ان غیبی حقائق سے مانوس کیا جائے، یہ وہ ایک عظیم امتحان تھا، جو بڑے سے بڑے دماغوں کو بھی شل کرسکتا تھا، اس کا حل کرنا آسان نہیں تھا، لیکن یہ بھی الہام کی بات تھی، اور اللہ کی تائید تھی کہ اللہ تعالی نے آپ ﷺ کو صحیح راستہ بتایا، آپ ﷺ صفا کی پہاڑی پر چلے گئے آپ میں بہت سے بھائی حج کی سعادت سے مشرف ہوچکے ہوں گے، انہوں نے صفا کو دیکھا ہوگا، آج سے ۱۴۰۰ سال پہلے اس کی حالت دوسری تھی، آج سے پچاس سال پہلے بھی وہ کچھ اور تھا، کوہ صفا پر آپ ﷺ چلے گئے، وہاں آپ ﷺ نے ایک آواز بلند کی "یاصباحاہ" یہ ایک جملہ تھا جو اپنے اندر معانی کا ایک دفتر رکھتا تھا، اس جملے میں عرب کے لوگوں کے لئے ایک نوٹس تھا، اور وہ خطرے کی گھنٹی تھی، یہ ایک ایسا جملہ تھا، جس سے عرب کی ایک پوری تاریخ وابستہ تھی، وہ تاریخ یہ تھی کہ جب عرب کے کسی قبیلے کا حملہ ہوتا تھا، جوان کا دن رات کا مشغلہ تھا، ایک شاعر کہتا ہے کہ "میرا گھوڑا جب جوان ہوجائے تو اللہ کرے کہ کہیں نہ کہیں لڑائی چھڑ جائے تاکہ میں اپنے گھوڑے کے جوہر دکھا سکوں" ان کا تو یہ کھیل تھا، اس موقع پر کوئی شخص کسی بلند جگہ پر چلا جاتا تھا، اور کہتا تھا کہ "یاصباحاہ" (خطرہ ہے! خطرہ ہے) لوگ جمع ہوجاتے تھے، چنانچہ یہی ہوا کہ جن لوگوں نے آپ ﷺ کی آواز پہچانی انہوں نے کہا کہ "الصادق الامین" (یہ اس دنیا کے صادق ترین انسان کی آواز ہے) بھیڑیا آیا، بھیڑیا آیا! کی کہانی ہم لوگوں نے کتابوں میں پڑھی ہے، اور آخر میں اعتبار جاتا رہا اور سچ مچ بھیڑیا آیا اور کھا گیا، عرب کے لوگوں میں سب خرابیاں تھیں، لیکن یہ چالا کی ان کے اندر نہیں تھی، وہ سیاسی پروپیگنڈے سے ناآشنا تھے، تو کوئی شخص بھی چلا جاتا اور کہتا "یاصباحاہ" عربوں کی اصل فطرت دروغ بیانی سے بہت دور ہے، اسی بنا پر مفسرین نے کہا ہے کہ نفاق عربوں کا مرض نہیں، عربوں کی نفسیات سے اس کو مناسبت نہیں، یہ مرض وہاں پیدا ہوا جہاں غیر عرب عناصر (یہودی وغیرہ) معاشرے میں تھے، اس آواز کے سننے کے بعد کسی کو کوئی شک نہیں رہتا تھا، بہر حال آپ نے آواز لگائی "یاصباحاہ" اور سارا مکہ دوڑ کر کوہ صفا کے دامن میں جمع ہوگیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا، کون ہے؟ پہچان تو لیا انہوں نے فوراً اور یہ بھی یقین ہوگیا کہ یہ واقعہ بالکل صحیح ہے کوئی لشکر ہے جو ہم پر حملہ کرنے والا ہے، اب وہ منتظر تھے کہ وہ لشکر کہاں سے آنے والا ہے، کدھر سے حملہ کرنے والا ہے؟ آپ ﷺ نے عجلت سے کام نہیں لیا، فرمایا لوگو! تم نے مجھے آج تک کیسا پایا، لوگوں نے کہا کہ "الصادق الامین" (سچ بولنے والا اور امانت دار) یہ پہلا اسٹیج تھا جو نبوت ہی کی تاریخ میں نہیں بلکہ ہر اصلاح کی تاریخ میں ضروری مرحلہ ہے کہ سب سے پہلے جو شخص اصلاح

کا جھنڈا لیکر کھڑا ہو، وہ کسی قوم کی اصلاح اور نجات کا صحیح راستہ دکھانے کے لئے کھڑا ہو تو پہلے اس کے متعلق یہ اطمینان کر لینا چاہئے کہ وہ کیسا ہے، بے غرض ہے، مخلص ہے، اسی لئے فرمایا کہ تم نے آج تک مجھ کو کیسا پایا؟ لوگوں نے کہا کہ سچا اور امین، فرمایا کہ میں اگر تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر جو رات کے اندھیرے میں یہاں آ کر چھپ گیا ہے، تم پر اچانک حملہ کرنے والا ہے تو تم باور کرو گے؟ عرب کے لوگ زیادہ تر ناخواندہ تھے، اور فلسفے وغیرہ علوم سے نا آشنا، لیکن اللہ نے ان کو ایک دولت دی تھی، جس میں وہ دنیا کی قوموں میں (جو تمدن کی بیماریوں میں مبتلا ہو چکی تھیں اور جنہوں نے فلسفہ، شاعری اور ادب میں بڑی ترقی کی تھی) عربوں کو امتیاز حاصل تھا، وہ یہ تھا کہ وہ فطرت سلیم رکھتے تھے، اور فطرت سلیم یا عقل سلیم اللہ کی بڑی نعمت ہے، ذہانت سے بڑھ کر عقل سلیم (COMMON SENSE) چاہئے، انہوں نے فوراً صورت حال کا جائزہ لیا، انہوں نے دیکھا کہ ہم پہاڑ کے نیچے ہیں، اور ایک شخص پہاڑ کے اوپر کھڑا ہوا ہے، پہاڑ کے نیچے کے حصے کو بھی دیکھ رہا ہے، سامنے کے حصے کو بھی دیکھ رہا ہے، تو اگر وہ یہ کہتا ہے کہ پہاڑ کے عقب (پیچھے) میں ایک لشکر چھپا ہوا ہے تو اس بنا پر اس کے جھٹلانے کی کوئی وجہ اور کوئی جواز نہیں ہے کہ ہم یہ کہیں کہ ہم تو نہیں دیکھتے، ہمیں دکھلایئے! اس لئے کہ ہم پہاڑ کے نیچے ہیں اور وہ پہاڑ کے اوپر، ان کی عقل سلیم نے فوراً ان کی رہنمائی کی کہ اس شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ یہ دعویٰ کرے کہ پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر ہے، ہمیں یہ نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں۔

جب یہ مرحلہ طے ہو گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تم جو زندگی گزار رہے ہو، تمہارے جو عقائد ہیں، تمہارے جو اخلاق ہیں، تمہارا جو ایک دوسرے کے ساتھ سلوک ہے، تمہاری زندگی کے جو مقاصد بن گئے ہیں، تمہارا جو طرز زندگی ہے وہ حقیقی خطرہ ہے، اور ہزار دشمنوں اور ہزار لشکروں سے بھی زیادہ خطرناک ہے، تم کس دشمن سے ڈر رہے ہو؟ اس دشمن سے جو آئے گا اور سو دو سو اونٹوں کو ہنکا کر لیجائے گا، اور دس بیس آدمیوں کو مار دے گا، اور تھوڑا سا مالی نقصان اور جانی نقصان پہنچا دے گا، میں تمہیں اس دشمن سے ڈرا رہا ہوں جو تمہارے دلوں کے اندر بیٹھا ہوا ہے، تمہارے دماغوں کے اندر اس نے اپنی چھاؤنیاں قائم کر لی ہیں، وہ تمہارے گھروں کے اندر موجود ہے، اس حقیقی اور جان لیوا دشمن سے ڈرو، یہ تمہارے غلط عقائد، تمہاری خطرناک جہالت، تمہارا قہر خداوندی کو بھڑکانے والا اور دنیا کو دوزخ کا نمونہ بنانے والا طرزِ زندگی ہے، یہ تمہاری نفس پرستی، ہوا و ہوس اور محض ناؤ و نوش اور ''بعیش کوش'' کے فلسفے والی زندگی ہے، یہ وہ زندگی ہے جسے خدا کی رہنمائی اور آسمانی تعلیمات منظم نہیں کرتیں، بلکہ خود ساختی قوانین اور ذاتی معاملات چلا رہے ہیں، یہ نبوت کی حقیقت ہے، آپ ﷺ نے چند لفظوں میں اور ایک عملی مظاہرہ کر کے ثابت کر دیا کہ نبی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اعلان کرے کہ اس عالم شہود اور اس عالم محسوسات سے پرے بھی دنیا ہے، اس کے پیچھے حقائق کی ایک دنیا ہے، موجد کائنات ہے، خالق کائنات ہے، اس کی ذات ہے، اس کی صفات ہیں، اس کا طریقہ کار ہے، اس کے افعال ہیں،

اس کا انسانوں کے ساتھ معاملہ ہے اس کی مرضیات و نامرضیات کا ایک سلسلہ اور نظام ہے، اس تفہیم کے لئے اس سے بہتر اور کوئی عام فہم اور دل نشین طریقہ نہیں ہوسکتا تھا، نہ صرف عرب کی اس محدود زندگی اور معاشرے میں بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی نبوت کی حقیقت کو سمجھانے کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔

حضرات! وقت کم ہے اس لئے میں عرض کروں گا کہ یہ مسئلہ کہ انسانوں کی زندگی تبدیل ہو، انسانوں کے عقائد تبدیل ہوں انسانوں کے مسلمات (جن چیزوں کو انہوں نے سمجھ لیا کہ زندگی کے لئے ناگزیر ہیں) خواہ وہ معیار زندگی ہوں، خواہ وہ مقاصد زندگی ہوں، خواہ وہ دولت ہو، خواہ وہ طاقت ہو یا اقتدار کا حصول ہو، خواہ وہ نفس کے تقاضوں کی تکمیل ہو، خواہ وہ اپنی برتری کا اظہار ہو، ان چیزوں کو یکسر بدل دینا انسان کی قلب ماہیت کر دینا، انسان کو اندر سے اتنا تبدیل کر دینا کہ وہ بھی بدل جائے، اور دنیا کو بھی بدل کر رکھ دے، کھیل نہیں ہے، یہ ارادۂ الٰہی، خدائی فیصلے، خدا کی تائید اور نبوت کے منصب و مقام اور اس کے ساتھ جو خدا کی مدد ہوتی ہے اور نبی کی شخصیت کے بغیر نہیں ہوسکتا، ہندوستان کی عظیم ترین اور طاقتور ترین شخصیتوں نے چاہا کہ چھوت چھات دور ہوجائے، نابرابری دور ہوجائے، اور مساوات واشتراکیت کا دور دورہ ہو، یہ بھی نہ ہوسکا اور جہاں ہوا وہاں جبراً وقہراً ہوا ہے، اگر اس معاشرے کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو ابھی بغاوت کرنے کے لئے تیار ہے کل آپ سن سکتے ہیں کہ وہ نظام الٹ کر رہ گیا اور پورے ملک میں انقلاب آ گیا اور آتا رہتا ہے، چھوت چھات آج تک دور نہیں ہوئی، ملک کی رسم میں نہیں جانتا کہ آپ کے یہاں اس کے لئے کیا اصطلاح ہے اور میری دعا ہے کہ آپ کے یہاں یہ بیماری نہ ہو لیکن ہمارے ہندوستان میں کئی ریاستیں ہیں جہاں یہ بیماری اپنے پورے شباب پر ہے کہ لڑکیاں بیٹھی ہیں اور ان کو اس لئے بر نہیں مل رہے ہیں، جوڑ ارشتہ نہیں مل رہا ہے کہ صاحبزادے اور صاحبزادے سے زیادہ ان کے ''والدین ماجدین'' مطالبہ کرتے ہیں کہ اس کے لئے یورپ جانے کا انتظام کیا جائے، امریکہ جا کر تعلیم حاصل کرنے کا انتظام کیا جائے، اس کے لئے بینک میں اتنا حساب جمع کر دیا جائے، اس کے لئے کار، کم سے کم اس کے لئے اسکوٹر کا انتظام کر دیا جائے، آج قانون بھی اس کے خلاف ہے، عقل بھی اس کے خلاف ہے، ہم اس کے نہایت مہیب اور نہایت منحوس نتائج دیکھ رہے ہیں، بڑے بڑے شریف لوگ خودکشیاں کر رہے ہیں، اور گھروں کی زندگی جہنم بن گئی ہے، ماں باپ کو میٹھی نیند نصیب نہیں لیکن یہ رسم ہے کہ پورے طور پر موجود ہے۔

اسی طریقے سے امریکہ جیسے ملک نے شراب کو ختم کرنا چاہا، اس نے کوشش کی کہ شراب نوشی کی عادت ختم ہو، یہ مسٹر ہور (HOOVR) کے زمانے کا واقعہ ہے، اب تفصیلات دیکھ لیجئے کہ امریکہ نے گھٹنے ٹیک دیے اور اپنے پورے وسائل اس کے لئے استعمال کئے، لیکن شراب نوشی حد جنون تک پہنچ گئی، یعنی جو لوگ صرف شراب نوش تھے، ان لوگوں نے شراب نوشی پر کمر کس لی اور حکومت کو شکست تسلیم کرنی پڑی، حکومت نے مات کھالی،

لیکن شراب پینا لوگوں نے نہ چھوڑا، وقت کم ہے، اس لئے اختصار سے کام لیتا ہوں، عہد جاہلیت کی چند رسمیں آپ کے سامنے مثال کے طور پر رکھتا ہوں، اس وقت دختر کشی کی رسم تھی، اور ایسی رسم تھی کہ اس کی جڑیں عربوں کے مزاج میں عربوں کی تاریخ، عربوں کے معاشرے میں اتنی گہری تھیں کہ تصور نہیں کیا جا سکتا تھا کہ عرب دختر کشی سے باز آسکتے ہیں، لیکن چند برسوں میں ایسا انقلاب ہوا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۷ھ میں عمرۃ القضاء کے لئے مکہ تشریف لے گئے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بچی امامہ گھر سے دوڑی دوڑی آئی اور بھائی بھائی کہہ کر آپ سے لپٹ گئی، اس وقت صحابہ کرام میں یہ مقابلہ شروع ہوگیا کہ یہ بچی پرورش کے لئے ہم کو دی جائے، یعنی جو مائیں بچیوں سے اپنی گودیں خالی کرتی تھیں اور جو باپ شقی اور سنگدل بچیوں کو اٹھا کر لے جاتے تھے، ایسے واقعات ہیں کہ آپ سنیں تو آپ تڑپ جائیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ بچی مجھے ملنی چاہئے میری بہن ہے، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے عطا ہو کہ میں بھائی بھی ہوں اور اس کی خالہ میرے گھر میں ہے، حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میرا حق ہے کہ مسلمان ہونے کے رشتے سے ان دونوں سے کم نہیں، آپؐ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا کہ بچی کی خالہ ان کے گھر میں ہے، اس کو وہاں زیادہ آرام ملے گا، اسی طرح شراب جو اعراب کی گھٹی میں پڑی تھی، جب اس کی حرمت کا اعلان ہوا تو ہونٹوں سے لگائے ہوئے جام ہٹادیے گئے، شراب کے ظرف اس طرح لنڈھا دیے گئے کہ وہ مدینے کی نالیوں میں بہتی تھی۔

سیرت محمدی ﷺ کا اصل پیغام یہی ہے، آپ ﷺ کو ایک کام کے لئے مامور کیا گیا، آپ ﷺ کے ساتھ اللہ کی تائید تھی، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ انقلاب عظیم دنیا میں رونما ہوا کہ اس کی مثال نہ اس سے پہلے کی تاریخ میں ملتی ہے، اور نہ اس وقت کی تاریخ میں ملتی ہے، آج لوگوں کو مطمئن کرنے کے ذرائع وافر مقدار میں موجود ہیں، لیکن ہم انسانوں کو مطمئن نہیں کر سکتے، معاشرے میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں لا سکتے۔

جہاں تک عام انسانی جذبات کا تعلق ہے، خلوص کا تعلق ہے، قربانی کا تعلق ہے، ان کی مثالیں دور تک نہیں ملیں گی، مگر ان کو کوئی ایسی بڑی کامیابی حاصل نہیں ہوئی، وہی نابرابری ہے، وہی طبقاتی تفریق ہے، وہی انسانی آبرو و عزت کی بے قیمتی ہے وہی انسان انسان کا بھکاری ہے، وہی انسان انسان کا شکار ہے، وہی دولت کی حد سے بڑھی ہوئی محبت ہے، وہی چھوت چھات ہے، وہی شراب نوشی کا جنون ہے، اور ہزاروں آدمیوں کی جانیں زہریلی شراب میں جاتی ہیں۔

میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ سنجیدگی کے ساتھ سیرت کا مطالعہ کریں، اور ہمارے ہندوستان میں اردو کا جو لٹریچر تیار ہوگیا ہے، اس کا بغور مطالعہ کریں، اگر اس مجلس سے اس کی ادنیٰ سے ادنیٰ تحریک پیدا ہو جاتی ہے تو یہ مجلس اور یہ اہتمام جو اس مبارک موقع کے لئے کیا گیا پورے طور پر وصول ہوا۔

و ما التوفیق الا من عنداللہ

خطبات مفکر اسلام: جلد اول، ص ۲۰۹-۲۲۸

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

جلسے اور جلوس

......● حضرت مولانا مفتی محمد تقی

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نومن بہ ونتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیأت اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہٗ۔ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہ و نشھد ان سیّدنا و سندنا و نبینا و مولانا محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہٖ واصحابہ و بارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیرا۔ امابعد

فاعوذباللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

لقد کان لکم فی رسول اللہ اُسوۃٌ حسنۃٌ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الاٰخر، وذکر اللہ کثیراً۔

(سورۃ الاحزاب۔۲۱)

اٰمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم و نحن علی ذالک من الشاھدین و الشاکرین والحمدللہ ربّ العالمین۔

آپ ﷺ کا ذکر مبارک

بزرگانِ محترم و برادرانِ عزیز! نبی کریم ﷺ کا ذکر مبارک انسان کی عظیم ترین سعادت ہے اور اس روئے زمین پر کسی بھی ہستی کا تذکرہ اتنا باعث اجر وثواب اتنا باعث خیر و برکت نہیں ہوسکتا جتنا سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفی ﷺ کا تذکرہ ہوسکتا ہے۔ لیکن تذکرہ کے ساتھ ساتھ ان سیرتِ طیبہ کی محفلوں میں ہم نے بہت سی ایسی غلط باتیں شروع کردی ہیں جن کی وجہ سے ذکر مبارک کا صحیح فائدہ اور صحیح ثمرہ ہمیں حاصل نہیں ہورہا ہے۔

سیرتِ طیبہ اور صحابہ کرامؓ

ان غلطیوں میں سے ایک غلطی یہ ہے کہ ہم نے سرکارِ دو عالم ﷺ کا ذکر مبارک صرف ایک مہینے یعنی ربیع الاوّل کے ساتھ خاص کردیا ہے اور ربیع الاوّل کے بھی صرف ایک دن اور ایک دن میں بھی صرف چند گھنٹے نبی کریم ﷺ کا ذکر کرکے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کا حق ادا کردیا ہے، یہ حضورِ اقدس ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے ساتھ اتنا بڑا ظلم ہے کہ اس سے بڑا ظلم سیرتِ طیبہ کے ساتھ کوئی اور نہیں ہوسکتا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی پوری زندگی میں یہ بات آپ کو نظر نہیں آئے گی اور نہ آپ کو اس کی ایک مثال ملے گی کہ انہوں نے ۱۲/ربیع الاوّل کو خاص جشن منایا ہو۔ عید میلاد النبی ﷺ کا اہتمام کیا ہو یا اس خاص مہینے کے اندر سیرتِ طیبہ کی

محفلیں منعقد کی ہوں۔ اس کے بجائے صحابہ کرام کا طریقہ یہ تھا کہ ان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ سرکارِ دوعالم ﷺ کے تذکرہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ جہاں دو صحابہ ملے انہوں نے آپ ﷺ کی حدیث اور آپ ﷺ کے ارشادات آپ کی دی ہوئی تعلیمات کا، آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے مختلف واقعات کا تذکرہ شروع کر دیا۔ اس لئے ان کی ہر محفل سیرتِ طیبہ کی محفل تھی۔ ان کی ہر نشست سیرتِ طیبہ کی نشست تھی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کو نبی کریم ﷺ کے ساتھ محبت اور تعلق کے اظہار کیلئے رسمی مظاہروں کی ضرورت نہ تھی کہ عید میلاد النبیؐ منائی جارہی ہے اور جلوس نکالے جارہے ہیں، جلسے جلوس ہو رہے ہیں، چراغاں کیا جارہا ہے۔ اس قسم کے کاموں کی صحابہ کرامؓ، تابعین اور تبع تابعین کے زمانے میں ایک مثال بھی پیش نہیں کی جاسکتی۔

اسلام رسمی مظاہروں کا دین نہیں

بات درحقیقت یہ تھی کہ رسمی مظاہرہ کرنا صحابہ کرامؓ کی عادت نہ تھی وہ اس کی روح کو اپنائے ہوئے تھے۔ حضورِ اقدس ﷺ اس دنیا میں کیوں تشریف لائے تھے؟ آپ ﷺ کا پیغام کیا تھا؟ آپ ﷺ کی کیا تعلیم تھی؟ آپ ﷺ دنیا میں سے کیا چاہتے تھے؟ اس کام کیلئے انہوں نے اپنی ساری زندگی کو وقف کر دیا۔ لیکن اس قسم کے رسمی مظاہرے نہیں کئے اور یہ طریقہ ہم نے غیر مسلموں سے لیا ہے۔ ہم نے دیکھا کہ غیر مسلم اقوام اپنے بڑے بڑے لیڈروں کے دن منایا کرتی ہیں اور ان دنوں میں خاص جشن اور خاص محفل منعقد کرتی ہیں اور ان کی دیکھا دیکھی ہم نے سوچا کہ ہم بھی نبی کریم ﷺ کے تذکرہ کیلئے عید میلاد النبیؐ منائیں گے اور یہ نہیں دیکھا کہ جن لوگوں کے نام پر کوئی دن منایا جاتا ہے درحقیقت وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی زندگی کے تمام لمحات کو قابل اقتداء اور قابل تقلید نہیں سمجھا جاسکتا، بلکہ یا تو وہ سیاسی لیڈر ہوتا ہے یا کسی اور دنیاوی معاملے میں لوگوں کا قائد ہوتا ہے، تو صرف اس کی یاد تازہ کرنے کیلئے اس کا دن منایا گیا، لیکن اس قائد کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ قابل تقلید ہے اور اس نے دنیا میں جو کچھ کیا، وہ صحیح کیا ہے، وہ معصوم اور غلطیوں سے پاک تھا لہٰذا اس کی ہر چیز کو اپنایا جائے۔ ان میں سے کسی کے بارے میں یہ بھی نہیں کہا جاسکتا۔

آپ ﷺ کی زندگی ہمارے لئے نمونہ ہے

لیکن یہاں تو سرکارِ دوعالم ﷺ کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کو بھیجا ہی اس مقصد کیلئے تھا کہ آپ انسانیت کے سامنے ایک مکمل اور بہترین نمونہ پیش کریں، ایسا نمونہ بن جائیں جس کو دیکھ کر لوگ نقل کریں۔ اس کی تقلید کریں، اس پر عمل پیرا ہوں اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں۔ اس غرض کیلئے نبی کریم ﷺ کو اس دنیا میں بھیجا گیا تھا۔ آپ ﷺ کی زندگی کا ہر ایک لمحہ ہمارے لئے ایک مثال ہے۔ ایک نمونہ ہے اور ایک قابل تقلید عمل ہے اور ہمیں آپ ﷺ کی زندگی کے ایک ایک لمحے کی نقل اُتارنی ہے۔ اور ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارا یہ فریضہ ہے لہٰذا ہم نبی کریم ﷺ کو دنیا کے دوسرے لیڈروں پر قیاس نہیں کر سکتے کہ ان کا ایک دن منایا اور بات ختم ہوگئی بلکہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی

حیاتِ طیبہ کو ہماری زندگی کے ایک ایک شعبے کیلئے اللہ تعالیٰ نے نمونہ بنایا ہے اور سب چیزوں میں ہمیں ان کی اقتدا کرنی ہے ہماری زندگی کا ہر دن ان کی یاد منانے کا دن ہے۔

ہماری نیت درست نہیں

دوسری بات یہ ہے کہ سیرت کی محفلیں اور جلسے جگہ جگہ منعقد ہوتے ہیں اور ان میں نبی کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کو بیان کیا جاتا ہے لیکن بات دراصل یہ ہے کہ کام کتنا ہی اچھے سے اچھا کیوں نہ ہو۔ مگر جب تک کام کرنے والے کی نیت صحیح نہیں ہوگی جب تک اس کے دل میں داعیہ اور جذبہ صحیح نہیں ہوگا۔ اس وقت تک وہ کام بے کار، بے فائدہ، اس کے دل میں بعض اوقات مضر، نقصان دہ اور باعث گناہ بن جاتا ہے۔ دیکھئے! نماز کتنا اچھا عمل ہے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور قرآن وحدیث نماز کے فضائل سے بھرے ہوئے ہیں، لیکن اگر کوئی شخص نماز اس لیے پڑھ رہا ہے تا کہ لوگ مجھے نیک، متقی اور پارسا سمجھیں، ظاہر ہے کہ وہ ساری نماز اکارت ہے، بے فائدہ ہے، بلکہ ایسی نماز پڑھنے سے ثواب کے بجائے اُلٹا گناہ ہوگا۔ حدیث شریف میں حضورِ اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

من صلی یرائی فقد اشرک باللہ۔ (مسند احمد۔ ج۔ ۴،ص۔ ۱۲۶)

''جو شخص لوگوں کو دکھانے کیلئے نماز پڑھے تو گویا کہ اس نے اللہ کے ساتھ دوسرے کو شریک ٹھہرایا ہے۔''

اس لئے کہ نماز اللہ کو راضی کرنے کیلئے نہیں پڑھ رہا ہے۔ بلکہ مخلوق کو راضی کرنے کیلئے اور مخلوق میں اپنا تقویٰ اور نیکی کا رعب جمانے کیلئے پڑھ رہا ہے، اس لئے وہ ایسا ہے جیسے اس نے اللہ کے ساتھ مخلوق کو شریک ٹھہرایا۔ اتنا اچھا کام تھا، لیکن صرف نیت کی خرابی کی وجہ سے بے کار ہو گیا اور اُلٹا باعث گناہ بن گیا۔

یہی معاملہ سیرتِ طیبہ کے سننے اور سنانے کا ہے۔ اگر کوئی شخص سیرتِ طیبہ کو صحیح مقصد، صحیح نیت اور صحیح جذبے سے سنتا اور سناتا ہے تو یہ کام بلاشبہ عظیم الشان ثواب کا کام ہے اور باعث خیر و برکت ہے اور زندگی میں انقلاب لانے کا موجب ہے، لیکن اگر کوئی شخص سیرتِ طیبہ کو صحیح

> سرکارِ دو عالم ﷺ کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کو بھیجا ہی اس مقصد کیلئے تھا کہ آپ انسانیت کے سامنے ایک مکمل اور بہترین نمونہ پیش کریں، ایسا نمونہ بن جائیں جس کو دیکھ کر لوگ نقل کریں۔ اس کی تقلید کریں، اس پر عمل پیرا ہوں اپنی زندگی کو اس کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کریں۔ اس غرض کیلئے نبی کریم ﷺ کو اس دنیا میں بھیجا گیا تھا۔ آپ ﷺ کی زندگی کا ہر ایک لمحہ ہمارے لئے ایک مثال ہے۔ ایک نمونہ ہے اور ایک قابل تقلید عمل ہے اور ہمیں آپ ﷺ کی زندگی کے ایک ایک لمحے کی نقل اُتارنی ہے۔ اور ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارا یہ فریضہ ہے لہٰذا ہم نبی کریم ﷺ کو دنیا کے دوسرے لیڈروں پر قیاس نہیں کر سکتے کہ ان کا ایک دن منایا اور بات ختم ہوگئی۔

نیت سے نہیں سنتا اور صحیح نیت سے نہیں سناتا ہے بلکہ اس کے ذریعے کچھ اور اغراض و مقاصد دل میں چھپے ہوئے ہیں اور جن کے تحت سیرتِ طیبہ کے جلسے اور محفلیں منعقد کی جارہی ہیں۔ تو بھائیو! یہ بڑے گھاٹے کا سودا ہے، اس لئے کہ ظاہر میں تو نظر آرہا ہے کہ آپ بہت نیک کام کررہے ہیں لیکن حقیقت میں وہ اُلٹا گناہ کا سبب بن رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب اور عتاب کا سبب بن رہا ہے۔

نیت کچھ اور ہے

اس نقطہ نظر سے اگر ہم اپنا جائزہ لے کر دیکھیں اور سچے دل سے نیک نیتی کے ساتھ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ ان تمام محفلوں میں جو کراچی سے پشاور تک منعقد ہورہی ہیں، کیا ان کے منتظمین اس بناء پر محفل منعقد کررہے ہیں کہ ہمارا مقصد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہے؟ اور اللہ کے رسول ﷺ کی پیروی مقصود ہے؟ کیا اس لئے محفل منعقد کررہے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی جو تعلیمات ان محفلوں میں سنیں گے ان کو اپنی زندگی میں ڈھالنے کی کوشش کریں گے؟ بعض اللہ کے نیک بندے ایسے بھی ہوں گے جن کی یہ نیت ہوگی۔ لیکن ایک عام طرزِ عمل دیکھئے تو یہ نظر آئے گا کہ محفل منعقد کرنے کے مقاصد ہی کچھ اور ہیں۔ نیتیں ہی کچھ اور ہیں، یہ نیت نہیں ہے کہ اس جلسے میں شرکت کے بعد ہم نبی کریم ﷺ کی سنتوں پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کریں گے، بلکہ نیت یہ ہے کہ محلے کی کوئی انجمن ہے، جو اپنا اثر ورسوخ بڑھانے کیلئے جلسہ منعقد کررہی ہے اور یہ خیال ہے کہ جلسہ سیرت النبیؐ کرنے سے ہماری انجمن کی شہرت ہوجائے گی، کوئی جماعت اس لئے جلسہ سیرت النبیؐ منعقد کررہی ہے کہ اس جلسہ کے ذریعے ہماری تعریف ہوگی کہ بڑا شاندار جلسہ کیا، بڑے اعلیٰ درجے کے مقررین بلائے اور بڑے مجمع نے اس میں شرکت کی اور مجمع نے ان کی بڑی تحسین کی۔ کہیں جلسے اس لئے منعقد ہورہے ہیں کہ اپنی بات کہنے کا کوئی اور موقع تو ملتا نہیں ہے کوئی سیاسی بات ہے یا کوئی فرقہ وارانہ بات ہے جس کو کسی اور پلیٹ فارم پر ظاہر نہیں کیا جاسکتا، اس لئے سیرت النبیؐ کا ایک جلسہ منعقد کرلیں اور اس میں اپنے دل کی بھڑاس نکال لیں، چنانچہ اس جلسے میں پہلے حضورِ اقدس ﷺ کی تعریف اور توصیف کے دو چار جملے بیان ہوگئے اور اس کے بعد پوری تقریر میں اپنے مقاصد بیان ہورہے ہیں اور فریق مخالف پر بمباری ہورہی ہے۔ اس غرض کیلئے جلسے منعقد ہورہے ہیں۔

دوست کی ناراضگی کے ڈر سے شرکت

پھر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ اگر واقعتاً سچے سے سرکار دوعالم ﷺ کی تعلیمات پر عمل کرنے کی نیت سے ہم نے یہ محفلیں منعقد کی ہوتیں تو پھر ہمارا طرزِ عمل کچھ اور ہوتا ایک گھر میں ایک محفل میلاد منعقد ہورہی ہے، اب اگر اس محفل میں اس کا کوئی دوست یا رشتہ دار شریک نہیں ہوا تو اس کو مطعون کیا جارہا ہے اور اس پر ملامت کی جارہی ہے اور اس سے شکایتیں ہورہی ہیں اس محفل میں شرکت کرنے والوں کی نیت یہ نہیں کہ سرکارِ دوعالم ﷺ کی سیرت سننی ہے اور اس پر عمل کرنا ہے بلکہ نیت یہ ہے کہ کہیں محفل منعقد کرنے والے ہم سے ناراض نہ ہوجائیں اور ان کے دل میں شکایت پیدا نہ ہوجائے اللہ کو راضی کرنے کی

فکر نہیں ہے، محفل منعقد کرنے والوں کو راضی کرنے کی فکر ہے۔

مقرر کا جوش دیکھنا مقصود ہے

کوئی شخص اس لئے جلسے میں شرکت کر رہا ہے کہ اس میں فلاں مقرر صاحب تقریر کریں گے۔ ذرا جا کر دیکھیں کہ وہ کیسی تقریر کرتے ہیں، سنا ہے کہ بڑے جوشیلے اور شاندار مقرر ہیں۔ بڑی دھواں دھار تقریر کرتے ہیں۔ گویا کہ تقریر کا مزہ لینے کے لئے جارہے ہیں تقریر کے جوش وخروش کا اندازہ کرنے کیلئے جارہے ہیں اور یہ دیکھنے کیلئے جارہے ہیں کہ فلاں مقرر کیسے گا گا کر شعر پڑھتا ہے کتنے واقعات سناتا ہے۔

وقت گزاری کی نیت ہے

کچھ لوگ اس لئے سیرت النبیؐ کے جلسے میں شرکت کر رہے ہیں کہ چلو، آج کوئی اور کام نہیں ہے اور وقت گزاری کرنی ہے، چلو کسی جلسے میں جا کر بیٹھ جاؤ تو وقت گزر جائے گا اور بے شمار افراد اس لئے شریک ہو رہے ہیں کہ گھر میں تو دل نہیں لگ رہا ہے اور محلے میں ایک جلسہ ہو رہا ہے چلو اس میں تھوڑی دیر جا کر بیٹھ جائیں اور جتنی دیر دل لگے گا وہاں بیٹھے رہیں گے اور جب دل گھبرائے گا اُٹھ کر چلے جائیں گے۔ لہٰذا مقصد یہ نہیں ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ کی سیرت طیبہ کو حاصل کیا جائے بلکہ مقصد یہ ہے کہ کچھ وقت گزاری کا سامان ہو جائے اگرچہ بعض اوقات اس طرح وقت گزاری کیلئے جانا بھی فائدہ مند ہو جاتا ہے اللہ رسول کی کوئی بات کان میں پڑ جاتی ہے اور اس سے انسان کی زندگی بدل جاتی ہے ایسے واقعات بھی ہوئے ہیں۔ لیکن میں نیت کی بات کر رہا ہوں کہ جاتے وقت نیت درست نہیں ہوتی۔ یہ نیت نہیں ہوتی کہ میں جا کر رسول اللہ ﷺ کی سیرت سن کر اس پر عمل پیرا ہوں گا۔

ہر شخص سیرتِ طیبہ سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا

قرآنِ کریم یہ کہتا ہے کہ:

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃٌ حسنۃٌ

تمہارے لئے اللہ کے رسولؐ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے اور آپ کی حیات طیبہ مشعل راہ ہے، یہ ایک پیغام ہدایت ہے اور یہ ایک اسوۂ حسنہ ہے، ایک مکمل نمونہ ہے، لیکن ہر شخص کیلئے نمونہ نہیں ہے، بلکہ اس شخص کیلئے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کو راضی کرنا چاہتا ہو اور اس شخص کیلئے جو یومِ آخرت کو سنوارنا چاہتا ہو اور یومِ آخرت پر اس کا پورا ایمان اور یقین اور بھروسہ ہو اور اللہ تبارک و تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرتا ہو۔ لہٰذا جس شخص میں یہ اوصاف پائے جائیں گے اس کیلئے سیرتِ طیبہ ایک پیغامِ ہدایت ہے۔

لیکن جس شخص کے اندر یہ اوصاف موجود نہیں اور جو اللہ کو راضی کرنا نہیں چاہتا اور جو یومِ آخرت پر بھروسہ نہیں رکھتا اور یومِ آخرت کو سنوارنے کیلئے یہ کام نہیں کرتا اور وہ اللہ کو کثرت سے یاد نہیں کرتا اس کے لئے اس بات کی کوئی گارنٹی نہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ اس کیلئے ہدایت کا پیغام بن جائے گی۔ سیرتِ طیبہ تو ابوجہل کے سامنے بھی تھی اور ابولہب کے سامنے بھی تھی، اُمیہ بن خلف کے سامنے بھی تھی۔ لیکن وہ سیرت طیبہ سے فائدہ نہیں اُٹھا سکے۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست
درباغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

یعنی وہ زمین ہی بنجر تھی اور اس بنجر زمین میں ہدایت کا بیج ڈالا نہیں جا سکتا تھا۔ وہ بار آور نہیں ہوسکتا تھا۔ لہٰذا اگر کسی شخص کے دل میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی فکر نہیں اور آخرت کو سنوارنے کی فکر نہیں اور اللہ کی یاد اس کے دل میں نہیں ہے تو پھر کسی صورت میں نبی کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ سے وہ شخص اپنی زندگی میں فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔

لہٰذا یہ سارے مناظر جو ہم دیکھ رہے ہیں اس میں بسا اوقات ہماری نیتیں درست نہیں ہوتیں اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہزاروں، تقریریں سن لیں اور ہزاروں محفلوں میں شرکت کر لی۔ لیکن زندگی جیسے پہلے تھی ویسی آج بھی ہے، جس طرح پہلے ہمارے دلوں میں گناہوں کا شوق اور گناہوں کی طرف رغبت تھی وہ آج بھی موجود ہے اس کے اندر کوئی فرق نہیں آیا۔

آپ ﷺ کی سنتوں کا مذاق اُڑایا جا رہا ہے

تیسری بات یہ ہے کہ انہی سیرتِ طیبہ کے نام پر منعقد ہونے والی محفلوں میں عین محفل کے دوران ہم ایسے کام کرتے ہیں جو سرکارِ دو عالم محمد مصطفیٰ ﷺ کے ارشادات کے قطعی خلاف ہیں، آپ ﷺ کی سنتوں کا ذکر کیا جا رہا ہے، لیکن عملاً ہم ان تعلیمات کا، ان سنتوں کا، ان ہدایات کا مذاق اُڑا رہے ہیں جو نبی کریم ﷺ لے کر آئے تھے۔

سیرت کے جلسے اور بے پردگی

چنانچہ ہمارے معاشرے میں اب ایسی محفلیں کثرت سے ہونے لگی ہیں، جن میں مخلوط اجتماع ہے اور عورتیں اور مرد ساتھ بیٹھے ہوئے ہیں اور سیرتِ طیبہ کا بیان ہو رہا ہے، نبی کریم ﷺ نے تو عورتوں کو فرمایا کہ اگر تمہیں نماز پڑھنی ہو تو مسجد کے بجائے گھر میں پڑھو اور گھر میں صحن کی بجائے کمرے میں پڑھو اور کمرے میں بہتر یہ ہے کہ کوٹھری میں پڑھو۔ عورت کے بارے میں آپ ﷺ یہ حکم دے رہے ہیں۔ لیکن انہی سرکارِ دو عالم ﷺ کا ذکر مبارک ہو رہا ہے جس میں عورتیں اور مرد مخلوط اجتماعات میں شریک ہیں اور کسی اللہ کے بندے کو یہ خیال نہیں آتا کہ سیرتِ طیبہ کے ساتھ کیا مذاق ہو رہا ہے، پوری آزمائش اور زیبائش کے ساتھ سج دھج کر بے پردہ ہو کر خواتین شریک ہو رہی ہیں اور مرد بھی ساتھ موجود ہیں۔

سیرت کے جلسے میں موسیقی

نبی کریم سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ مجھے جس کام کیلئے بھیجا گیا ہے اس میں سے ایک اہم کام یہ ہے کہ میں ان باجوں بانسریوں کو اور ساز و سرور کو اور آلات موسیقی کو اس دنیا سے مٹا دوں۔ لیکن آج انہی سرکار دو عالم ﷺ کے نام پر محفلیں منعقد ہو رہی ہیں۔ جلسہ ہو رہا ہے اور اس میں ساز و سرور کے ساتھ نعت پڑھی جا رہی ہے اور اس میں قوالی شریف ہو رہی ہے قوالی کے ساتھ لفظ ''شریف'' بھی لگ گیا ہے اور اس میں پوری آب و تاب کے ساتھ ہارمونیم بج رہا ہے، ساز و سرور ہو رہا ہے۔ عام گانوں میں اور نبی کریم ﷺ کی نعت میں کوئی فرق نہیں رکھا جا رہا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی سیرت کے ساتھ اس سے بڑا مذاق اور کیا ہو سکتا ہے۔

اس کے علاوہ ریڈیو اور ٹیلیویژن پر عورتیں اور مرد مل کر نعتیں پڑھ رہے ہیں، ٹیلیویژن دیکھنے والوں نے بتایا کہ پوری

آرائش اور زیبائش کے ساتھ ٹیلیویژن پر آرہی ہیں۔ یہ کیا مذاق ہے جو آپ کی سیرتِ طیبہ اور آپ کی تعلیمات کے ساتھ ہو رہا ہے۔ عورت جس کے بارے میں قرآنِ کریم نے فرمایا کہ:

ولا تبرجن تبرج الجاهلية الاولى۔ (سورۃ الاحزاب۔ ۳۳)

یعنی زمانۂ جاہلیت کی طرح تم بناؤ سنگھار کر کے مردوں کے سامنے مت آؤ، آج وہی عورت پورے میک اَپ اور بناؤ سنگھار کے ساتھ مردوں کے سامنے آرہی ہے اور نبی کریم ﷺ کی شان میں نعت پڑھ رہی ہے۔ نبی کریم ﷺ کی نعت اور سیرت کے ساتھ اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے؟ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ان چیزوں کی وجہ سے اللہ کی رحمت آپ کی طرف متوجہ ہوگی تو پھر آپ سے زیادہ دھوکے میں کوئی اور نہیں ہے۔ نبی کریم سرورِ دوعالم ﷺ کی سنتوں کو مٹا کر، آپ ﷺ کی تعلیمات کی خلاف ورزی کر کے، آپ کی سیرتِ طیبہ کی مخالفت کر کے اور اس کا مذاق اُڑا کر بھی اگر آپ اس کے متمنی ہیں کہ اللہ کی رحمتیں آپ پر نچھاور ہوں تو اس سے بڑا مغالطہ اور اس سے بڑا دھوکہ اس روئے زمین پر کوئی اور نہیں ہو سکتا۔ معاذ اللہ۔۔۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا عذاب اور اس کے عتاب کو دعوت دینے والی باتیں ہیں، وہ کام جو حضور ﷺ کی نافرمانی کے کام ہیں وہ ہم عین سیرتِ طیبہ کو بیان کرتے وقت کرتے ہیں۔

سیرت کے جلسے میں نمازیں قضاء

پہلے بات صرف جلسوں کی حد تک محدود تھی کہ سیرتِ طیبہ کا جلسہ ہو رہا ہے، اس میں شریعت کی چاہے جتنی خلاف ورزی ہو رہی ہو، کسی کو پروا نہیں، لیکن اب تو بات اور آگے بڑھ گئی ہے چنانچہ دیکھنے اور سننے میں آیا ہے کہ آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے جلسے کے انتظامات ہو رہے ہیں اور ان انتظامات میں نمازیں قضا ہو رہی ہیں کسی شخص کو نماز کا ہوش نہیں، پھر رات کے دو دو بجے تک تقریریں ہو رہی ہیں اور صبح فجر کی نماز جا رہی ہے۔ جبکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد تو یہ تھا کہ جس شخص کی ایک عصر کی نماز فوت ہو جائے تو وہ شخص ایسا ہے جیسے اس کے تمام مال اور تمام اہل و عیال کو کوئی شخص لوٹ کر لے گیا۔ اتنا عظیم نقصان ہے۔ لیکن سیرت طیبہ کے جلسے کے انتظامات میں نمازیں قضا ہو رہی ہیں اور کوئی فکر نہیں اس لئے کہ ہم تو ایک مقدس کام میں لگے ہوئے ہیں اور نبی کریم ﷺ نے نماز کی جو تاکید بیان فرمائی تھی وہ نگاہوں سے اوجھل ہے۔

سیرت کے جلسے اور ایذاء مسلم

اور سنئے! سیرتِ طیبہ کا جلسہ ہو رہا ہے۔ جس میں کل پچیس تیس سامعین بیٹھے ہیں۔ لیکن لاؤڈ اسپیکر اتنا بڑا لگانا ضروری ہے کہ اس کی آواز پورے محلے میں گونجے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ جب تک جلسہ ختم نہ ہو جائے اس وقت تک محلے کا کوئی بیمار، کوئی ضعیف، کوئی بوڑھا اور معذور آدمی سو نہ سکے۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ کا عمل تو یہ تھا کہ آپ تہجد کی نماز کیلئے بیدار ہو رہے ہیں لیکن کس طرح بیدار ہو رہے ہیں؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ''فقام رویداً'' آپ دھیرے سے اُٹھے کہیں ایسا نہ ہو کہ عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی آنکھ کھل جائے۔ ''فتح الباب رویداً'' آہستہ سے دروازہ کھولا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ

عائشہ (رضی اللہ عنہا) کی آنکھ کھل جائے اور نماز جیسے فریضے کے اندر حضور ﷺ کا یہ عمل تھا کہ حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں نماز میں کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا تو نماز کو مختصر کر دیتا ہوں، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس بچے کی آواز سن کر اس کی ماں کسی شفقت میں مبتلا ہو جائے۔ لیکن یہاں بلاضرورت، بغیر کسی وجہ کے، صرف ۲۵، ۳۰ سامعین کو سنانے کیلئے اتنا بڑا لاؤڈ اسپیکر نصب ہے کہ کوئی ضعیف، بیمار آدمی اپنے گھر میں سو نہیں سکتا اور انتظام کرنے والے اس سے بے خبر ہیں کہ کتنے بڑے کبیرہ گناہ کا ارتکاب ہو رہا ہے۔ اس لئے (نسائی، کتاب عشرۃ النساء، باب الغیرۃ۔ حدیث نمبر ۳۹۶۳) کہ ایذاء مسلم کبیرہ گناہ ہے اس کا کسی کو احسان نہیں۔

دوسروں کی نقالی میں جلوس

ہمارا یہ سارا طرزِ عمل اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ درحقیقت نیت درست نہیں ہے، نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کو اپنانے اور اس پر عمل کرنے کی نیت نہیں ہے بلکہ مقاصد کچھ اور ہیں اور جیسا کہ میں نے عرض کیا پہلے صرف جلسوں کی حد تک بات تھی اب تو جلسوں سے آگے بڑھ کر جلوس نکلنا شروع ہو گئے اور اس کیلئے استدلال کیا جاتا ہے کہ فلاں فرقہ فلاں مہینے میں اپنے امام کی یاد میں جلوس نکالتا ہے تو پھر ہم اپنے نبی کے نام پر ربیع الاوّل میں جلوس کیوں نہ نکالیں۔ گویا کہ ان کی نقل اُتاری جارہی ہے کہ جب محرم کا جلوس نکلتا ہے تو ربیع الاوّل کا بھی نکلنا چاہئے۔ بزعم خود یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے احکام کے مطابق عمل کر رہے ہیں اور آپ کی عظمت اور محبت کا حق ادا کر رہے ہیں۔

لیکن اس پر ذرا غور کریں کہ اگر نبی کریم ﷺ خود اس جلوس کو دیکھ لیں جو آپ کے نام پر نکالا جارہا ہے تو کیا آپ ﷺ اس کو گوارا اور پسند فرمائیں گے؟ نبی کریم ﷺ نے تو ہمیشہ اس اُمت کو ان رسمی مظاہروں سے اجتناب کی تلقین فرمائی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ظاہری اور رسمی چیزوں کی طرف جانے کی بجائے میری تعلیمات کی روح کو دیکھو اور میری تعلیمات کو اپنی زندگی میں اپنانے کی کوشش کرو۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی پوری حیاتِ طیبہ میں کوئی شخص ایک نظیر یا ایک مثال اس بات پر پیش کرسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی سیرت کے نام پر ربیع الاوّل میں یا کسی مہینے میں کوئی جلوس نکالا گیا ہو؟ بلکہ پورے چودہ سو سال کی تاریخ میں کوئی ایک مثال کم از کم مجھے تو نہیں ملی کہ کسی نے آپ کے نام پر جلوس نکالا ہو۔ ہاں! شیعہ حضرات محرم میں اپنے امام کے نام پر جلوس نکالا کرتے تھے ہم نے سوچا کہ ان کی نقالی میں ہم بھی جلوس نکالیں گے۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

من تشبہ بقوم فھو منھم۔ (ابوداؤد، کتاب اللباس۔ باب فی لبس الشھرۃ۔ حدیث نمبر ۴۰۳۱)

جو شخص کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کرتا ہے وہ ان میں سے ہو جاتا ہے اور صرف جلوس نکالنے پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر یہ ہو رہا ہے کہ کعبہ شریف کی شبیہیں بنائی جارہی ہیں، روضۂ اقدس کی شبیہیں بنائی جارہی ہیں۔ گنبد خضراء کی شبیہیں بنائی جارہی ہیں۔ پورا الاوکھیت ان چیزوں سے بھرا ہوا ہے اور دنیا بھر کی عورتیں بچے بوڑھے اس کو متبرک سمجھ کر

برکت حاصل کرنے کیلئے اس کو ہاتھ لگانے کی کوشش کر رہے ہیں وہاں جا کر دعائیں مانگی جارہی ہیں، منتیں مانی جارہی ہیں۔ حضرت محمد ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے نام پر کیا ہو رہا ہے؟ نبی کریم ﷺ شرک کو، بدعات کو، اور جاہلیت کو مٹانے کیلئے دنیا میں تشریف لائے اور آج آپ نے نبی کریم ﷺ ہی کے نام پر یہ ساری بدعات شروع کر دیں۔ روضۂ اقدس ﷺ کو اس گنبد سے کوئی مناسبت نہیں جو آپ نے اپنے ہاتھوں بنا کر کھڑا کر دیا ہے، لیکن اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کو مقدس سمجھ کر تبرک کے لئے کوئی اس کو چوم رہا ہے، کوئی اس کو ہاتھ لگا رہا ہے۔

حضرت عمرؓ اور حجر اسود

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو حجر اسود کو چومتے وقت فرماتے ہیں کہ اے حجر اسود! میں جانتا ہوں تو ایک پتھر کے سوا کچھ نہیں ہے، خدا کی قسم! اگر محمد مصطفےٰ ﷺ کو میں نے تجھے چومتا ہوا نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے کبھی نہ چومتا، لیکن میں نے نبی کریم ﷺ کو چومتے ہوئے دیکھا ہے اور ان کی یہ سنت ہے اس واسطے میں تجھے چومتا ہوں۔

صحیح بخاری۔ کتاب الحج۔ باب ماذکر فی الحجر الاسود۔ حدیث نمبر ۱۵۹۷

وہاں تو حجر اسود کو یہ کہا جارہا ہے اور اپنے ہاتھ سے ایک گنبد بنا کر کھڑا کر دیا، اپنے ہاتھ سے ایک کعبہ بنا کر کھڑا کر دیا اور اس کو متبرک سمجھا جارہا ہے اور اس کو چوما جارہا ہے، یہ تو نبی کریم ﷺ جس چیز کو مٹانے کیلئے تشریف لائے تھے اسی کو زندہ کیا جارہا ہے، چراغاں ہو رہا ہے، ریکارڈنگ ہو رہی ہے، گانے بجانے ہو رہے ہیں، تفریح بازی ہو رہی ہے۔ نبی کریم ﷺ کے نام پر میلہ منعقد کیا ہوا ہے۔ یہ دین کو کھیل کود بنانے کا ایک بہانہ ہے، جو شیطان نے ہمیں سکھا دیا ہے، خدا کیلئے ہم اپنی جانوں پر رحم کریں اور سرکارِ دو عالم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کی عظمت اور محبت کا حق ادا کریں اور ان کی عظمت اور محبت کا حق یہ ہے کہ اپنی زندگی کو ان کے راستے پر ڈھالنے کی کوشش کریں۔

خدا کیلئے اس طرزِ عمل کو بدلیں:

سیرتِ طیبہ کے جلسے میں کوئی آدمی اس نیت سے نہیں آتا کہ ہم اس محفل میں اس بات کا عہد کریں گے کہ اگر ہم نبی کریم ﷺ کی تعلیمات کے خلاف پہلے پچاس کام کیا کرتے تھے تو اب کم از کم اس میں سے دس چھوڑ دیں گے، کسی نے اس طرح عہد کیا؟ کسی شخص نے اس طرح عید میلادالنبیؐ منائی؟ کوئی ایک شخص بھی اس کام کیلئے تیار نہیں، لیکن جلوس نکالنے کیلئے، میلے سجانے کیلئے، محرابیں کھڑی کرنے کیلئے، چراغاں کرنے کیلئے ہر وقت تیار ہیں، ان کاموں پر جتنا چاہو، روپیہ خرچ کروالو اور جتنا چاہو وقت لگوالو، اس لئے کہ ان کاموں میں نفس کو حظ ملتا ہے، لذت آتی ہے اور نبی کریم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا جو اصل راستہ ہے اس میں نفس و شیطان کو لذت نہیں ملتی۔ خدا کیلئے ہم اپنے اس طرزِ عمل کو ختم کریں اور نبی کریم ﷺ کی عظمت، محبت کا حق پہچانیں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو سنتوں پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العٰلمین

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم اخلاق و کردار

مولانا شیر محمد امینی

جب سے انسان اس دنیا میں آباد ہوا ہے اس وقت سے آج تک ہر دور میں کسی نہ کسی خطے میں کوئی انسان ایسا ضرور پیدا ہوتا رہا ہے جس نے انسانوں کو سیرت و کردار کی تعمیر کی دعوت دی اور اخلاق واعمال کی درستگی کا درس دیا۔ ان اخلاقی رہنماؤں نے ہمیں بنیادی انسانی صفات پر قائم رہنے، حیوانوں سے ممتاز زندگی گزارنے اور بلند ترین اخلاقی صفات اپنے اندر پیدا کرنے کی تعلیم دی۔ ان ہی رہنماؤں میں سے ایک مقدس و پاک ذات محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جزیرہ نمائے عرب میں اس وقت پیدا ہوئے جب پورا عرب شدید اخلاقی بحران کا شکار تھا اور دنیائے انسانیت میں عجیب ہیجان سا برپا تھا۔ اخلاقی اصول بے محابا توڑے جارہے تھے اور انسانیت کی برسرِ عام تذلیل کی جارہی تھی۔ انسان سیرت و کردار کی تعمیر سے غافل اور عزت و ناموس کی تخریب کاری میں مشغول تھا۔ وہ ساری انسانی صفات سے بے پروا اور بلند اخلاق اصولوں سے نابلد تھے کھلے عام بدکاری کرنا، دوسروں کے حقوق غصب کرنا، دوسروں کی عزت و جان پر حملہ آور ہونا۔ یہ عام سی بات تھی۔ ایسے میں اخلاق و کردار کی بات کرنا کچھ ایسا ہی تھا جیسے صحرا میں صدا لگانا، مگر اس نبی امّی نے اپنی ساری عمر اخلاقی اصولوں کی تبلیغ اور الٰہی قوانین کی اشاعت میں گزار دی اور ایک دن کے لئے بھی وہ اپنے ماحول کی تیرگی سے مایوس نہ ہوئے۔ آخر کار وہ دنیائے انسانیت سے اخلاقی باختگی کی انسانیت سوز فضا کو ختم کرنے میں پورے طور پر کامیاب ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت شاقہ نے ایک مردہ و افسردہ قوم میں زندگی کی روح پھونک دی۔ باہم برسرِ پرخاش قبیلوں کے مجموعہ متفرقات کو وحدت بخش کر ایک ایسی قوم بنا دیا، جس کا محرک عمل حیات ابدی کی امید تھی۔ روشنی کی جو منتشر شعاعیں اس وقت علیحدہ علیحدہ دل انسانی پر پڑی تھی انہیں لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نقطہ پر مرکوز کر دیا۔ معاشرہ کو نہ صرف ایک مثالی معاشرہ میں تبدیل کیا، بلکہ اس معاشرہ کے افراد کو انسانیت کا علمبردار بنا کر پیش کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں روحانی واخلاقی پاکیزگی، فرد کی آزادی، فرد اور معاشرہ کے مابین ایک توازن قائم کیا جس کی مثال انسانی تاریخ میں دیکھنے کو نہیں ملتی۔

عام طور پر دنیا کے دوسرے معلّمین اخلاق کے ساتھ یہ

المیہ رہا ہے کہ وہ جن اخلاقی اصولوں کی تبلیغ کرتے ہیں اور جن ملکوتی صفات کو جذب کرنے پر زور دیتے ہیں خود ان کی اپنی زندگی میں ان تعلیمات کا اثر بہت کم ہوتا ہے، مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں آپ کو کہیں بھی یہ نقص نظر نہیں آئے گا جو شخص سیرت و کردار پاک کی جتنی زیادہ گہرائی میں جائے گا وہ اسی قدر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند اخلاق اور پاکیزہ کردار کا مدح سرا نظر آئے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا سب سے بڑا اصول یہ تھا کہ نیکی کا کوئی کام اور ثواب کا کوئی عمل ہو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے اس پر عمل کرتے تھے۔ آپ جب کسی بات کا حکم دیتے تو پہلے آپ اس کو کرنے والے ہوتے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی صحابی اور وفادار خادم تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انھوں نے بہت قریب سے دیکھا تھا اور آپ کی سیرتِ مبارکہ کا بڑی گہرائی سے مشاہدہ کیا تھا۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے پورے دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مجھے اُف تک نہیں کہا اور میرے کسی کام پر یہ نہیں فرمایا کہ تم نے یہ کیوں کیا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا۔ بلاشبہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ محاسن اخلاق کے حامل تھے۔

<u>رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے قریشیو! تمہیں کیا توقع ہے کہ اس وقت میں تمہارے ساتھ کیا کروں گا؟ انھوں نے جواب دیا ہم اچھی ہی امید رکھتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کریم النفس اور شریف بھائی ہیں اور کریم و شریف بھائی کے بیٹے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں تم سے وہی کہتا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا "لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء" آج تم پر کوئی الزام نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو</u>

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ قریب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و کردار اور اخلاق و اعمال کے مشاہدے کا موقع ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو میسر آیا تھا کیوں کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفیقۂ حیات تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ظاہری اور خانگی معمولات و عادات سے واقف تھیں۔ ایک مرتبہ چند صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے امّ المومنین! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور معمولات بیان فرمائیے۔ تو عائشہ صدیقہؓ نے جواب دیا کہ کیا تم لوگوں نے قرآن نہیں پڑھا؟ کان خلق رسول القرآن "رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق قرآن تھا" (ابوداؤد شریف) یعنی قرآنی تعلیمات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و کردار میں رچی اور بسی ہوئی تھی۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ذرا بھی منحرف نہ تھے۔ خود قرآن کریم میں آپ کے بلند اخلاق و کردار کی شہادت دی گئی ہے کہ "بیشک آپ صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق کے اعلیٰ

پیمانہ پر ہیں" (سورہ القلم آیت: ۴)

رشتہ داروں میں حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ جو بچپن سے جوانی تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم طبیعت کے نرم اور اخلاق کے نیک تھے، طبیعت میں مہربانی تھی سخت مزاج نہ تھے۔ کسی کی دل شکنی نہ کرتے تھے، بلکہ دلوں پر مرہم رکھتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رؤف ورحیم تھے۔ (شمائل ترمذی) جب مکہ فتح ہوا تو حرم کے صحن میں قریش کے تمام سردار مفتوحانہ انداز میں کھڑے تھے۔ ان میں وہ بھی تھے جو اسلام کے مٹانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے، وہ بھی جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برائی کیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو خود اس پیکر قدسی کے ساتھ گستاخیوں کا حوصلہ رکھتے تھے۔ وہ بھی تھے جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر پھینکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں کانٹے بچھائے تھے وہ بھی تھے جنھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر تلواریں چلائی تھیں، وہ بھی تھے جو غریب اور بے کس مسلمانوں کو ستاتے تھے ان کو جلتی ریتوں پر لٹاتے تھے۔ دہکتے شعلوں سے ان کے جسم کو داغتے تھے۔ آج یہ سب مجرم سرنگوں سامنے تھے پیچھے دس ہزار خون آشام تلواریں محمد رسول اللہ کے ایک اشارے کی منتظر تھیں، مگر قربان جائیے محمد عربی پر کہ اس نے ان تمام جرائم سے قطع نظر، جانی دشمنوں پر ہر طرح سے غلبہ کے باوجود ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا اور اپنے بلند اخلاق کا کیسا دائمی اور عالمگیری نمونہ دنیا والوں کے لئے قائم کر دیا؟ اس سلسلے میں مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے قریشیو! تمہیں کیا توقع ہے کہ اس وقت میں تمہارے ساتھ کیا کروں گا؟ انھوں نے جواب دیا ہم اچھی ہی امید رکھتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کریم النفس اور شریف بھائی ہیں اور کریم و شریف بھائی کے بیٹے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میں تم سے وہی کہتا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا "لا تثریب علیکم الیوم اذهبوا فانتم الطلقاء" آج تم پر کوئی الزام نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو (نبی رحمت: ۴۵۷)

ابوسفیان جو غزوۂ بدر، غزوۂ احد، غزوۂ خندق وغیرہ میں لڑائیوں کا سرغنہ تھا۔ جس نے نہ جانے کتنے مسلمانوں کو تہہ تیغ کرایا، کتنی دفعہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا فیصلہ کیا، جو ہر ہر قدم پر اسلام کا سخت ترین دشمن ثابت ہوا، لیکن فتح مکہ کے موقع پر جب حضرت عباس رضی اللہ تعالی عنہ کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آتا تھا تو اس کا ہر جرم اس کے قتل کا مشورہ دیتا ہے۔ مگر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ اور عفو عام ابوسفیان سے کہتے ہیں کہ ڈر کا مقام نہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتقام کے جذبہ سے بالاتر ہیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اس کو معاف فرما دیا بلکہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ "من دخل دار أبي سفيان كان آمناً" جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے گا اس کو بھی امن ہے۔

بلند اخلاق کی ایسی جیتی جاگتی، دائمی اور عالم گیر مثال کیا کوئی پیش کر سکتا ہے یا دنیا نے اپنے معرض وجود کے دن سے

اب تک ایسی نظیر دیکھی ہے؟ ہرگز نہیں! یہ فضل خاص ہے جو اللہ رب العزت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کیا تھا رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی بنیادی ذمہ داری قرآن کی تلاوت اور اس کی تعلیم تھی اور خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اس کا عملی نمونہ تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ قرآن کو راہِ راست کی ضمانت قرار دیتا ہے "بیشک یہ قرآن سیدھے راستے پر گامزن کرتا ہے" (سورہ بنی اسرائیل) اور دوسری طرف آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کو نمونۂ زندگی بنا لینے کی تلقین کرتا ہے کہ تمہارے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے اس شخص کے لئے جو اللہ اور قیامت پر یقین رکھتا ہے اور کثرت سے ذکر خدا کرتا ہے۔ (سورہ احزاب)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس قرآن کی تعلیم فرماتے اپنی عملی زندگی میں اس کو قابل تقلید بنا کر پیش کرتے قرآن کے بعد اگر کوئی چیز ہے تو وہ صاحب قرآن کی سیرت مبارکہ ہے پیغمبر اسلام کی سیرت و اخلاق کی عظمت کے آگے بڑے بڑے حکماء اور معلّمین سرنگوں نظر آتے ہیں اور ان کے قول و عمل کی صداقت سے سند حاصل کیے بغیر دنیا کا کوئی انسان اخلاق کے اعتبار سے بڑا نہیں بن سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک مثالی نمونہ بنا کر دنیا میں بھیجا ہے اور لوگوں کو یہ ہدایت دی ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ، ہر دور، ہر حال میں اس نمونہ کے مطابق خود بھی بنیں اور دوسروں کو بنانے کی فکر کریں۔ گو یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق و سیرت ایک حیثیت سے عملی قرآن ہے۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی دنیائے بشریت کے لئے اسوۂ حسنہ اور الٰہی فیوض و ہدایات و احکام کا ایسا مفید و گہرا چشمہ ہے جو کبھی خشک ہونے والا نہیں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی نور خداوندی کا ایسا مرکز ہے جہاں تاریکی کا گزر نہیں اور مکر و فریب کی تاریکیوں سے بھری ہوئی اس دنیا میں زندگی بسر کرنے والے لوگ اگر سیرت نبویؐ کو اپنے لئے نمونہ عمل بنا لیں تو ان کی زندگی بھی غیر معمولی نور سے منور و مالا مال ہو جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں پاکیزہ زندگی کے تمام پہلوؤں کی مثالیں اور نمونے موجود ہیں امن و آشتی کی جھلکیاں ہیں تو صلح و مصالحت کی بھی، دفاعی حکمت عملی کی بھی اور معتدل حالات میں پرسکون کیفیات کی بھی، اپنوں کے واسطہ کی بھی اور بے گانوں سے تعلقات کی بھی معاشرت و معاملات کی بھی اور ریاضت و عبادات کی بھی۔ عفو و کرم کی بھی اور جود و سخا کی بھی تبلیغ و تقریر کی بھی اور زجر و تحدید کی بھی ان جھلکیوں میں جاں نثاروں کے حلقے بھی ہیں اور سازشوں کے نرغے بھی، امیدیں بھی ہیں اور اندیشے بھی گو یا انسانی زندگی کے گوشوں پر محیط ایک ایسی کامل اور جامع حیات طیبہ ہے جو رہتی دنیا تک پوری انسانیت کے لئے رہبر و رہنما ہے۔

اگر کوئی آپ کی مکمل زندگی کا مطالعہ کر کے عمل پیرا ہو جائے تو بلاشبہ زندگی میں چار چاند لگ سکتے ہیں اور عمل کرنے والا دنیا و آخرت میں قابل رشک بن سکتا ہے کاش ہم رسول اللہ کی سیرت مبارکہ پر عمل پیرا ہو جائیں۔

نعت کوئی صنفِ سخن نہیں ایک آئینہ ہے

شاہنواز فاروقی

نعت کوئی صنفِ سخن نہیں ہے نعت ایک آئینہ ہے جس میں نعت لکھنے والے کا عکس جھلکتا ہے۔ کسی انسان کے لیے حقیقتِ محمدیؐ کا بیان ممکن نہیں چنانچہ نعت لکھنے والا یا سیرتِ طیبہ پر گفتگو کرنے والا اپنی نعت اور گفتگو کے ذریعے جو کچھ بتاتا ہے وہ اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے اُس کے تعلق کی نوعیت کیا ہے۔ لہٰذا نعت حقیقتِ محمدیؐ کا بیان نہیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے تعلق کی حقیقت کا بیان ہے۔ سیرت نگاری کا معاملہ بھی اس کے سوا کچھ نہیں اس لیے کہ سیرت نگاری نثر میں نعت لکھنے کی ایک صورت ہے۔

اس تناظر میں محمد حسن عسکری نے مولانا الطاف حسین حالی کی نعت پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کی نعت میں سماجی حقیقت نگاری پر زور بڑھ گیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ آپؐ نور ہیں دوسرا یہ کہ آپؐ بشر ہیں۔ عسکری صاحب نے اس حوالے سے جو بات کہی ہے وہ شاید یہ ہے کہ ہمارے روایتی ادب میں نعت ان دونوں پہلوؤں کو بیان کرتی تھی البتہ اس میں نوری پہلو کے بیان کو غلبہ حاصل تھا۔ لیکن عسکری صاحب کے بقول حالی کے یہاں نعت میں بشری پہلو کا بیان باقی رہ گیا بلکہ بشری پہلو کا بھی صرف سماجی زاویہ حالی کی توجہ کا مرکز ٹھہرا۔ اس ضمن میں محمد حسن عسکری نے محسن کاکوروی اور حالی کی نعت کا موازنہ کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ ان کی نعتوں کا فرق تعلق شعور اور عصر کا فرق ہے۔

عصر انسان کے شعور پر بھی اثر ڈالتا ہے اس کے اندازے کے لیے خود مولانا حالی کے استاد سرسید کی فکر اور ان کے بیان کے پیرایوں کا مطالعہ کافی ہے۔ مثال کے طور پر سرسید سے پہلے یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا کہ کوئی مسلمان سرورِ کائنات سردار الانبیا محمد مصطفیٰ اور احمد مجتبیٰؐ کو ''محمد صاحب'' لکھ یا پکار سکتا ہے۔ اس ترکیب میں جو سوئے ادب ہے وہ ظاہر ہے۔ بالخصوص اس لیے کہ انگریزوں کی آمد کے بعد لفظ ''صاحب'' کے معنی زوال پذیر ہو کر بہت ہی پست ہو چکے تھے۔ ورنہ کبیر داس کے زمانے میں لفظ ''صاحب'' خدا کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔ کبیر کا ایک دوہا ہے:

صاحب سوں سب ہوتا ہے بندے تے کچھ ناہی
رائے تے پربت کرے پربت رائی ماہی

یعنی جو کچھ ہوتا ہے خدا ہی کرتا ہے۔ وہ چاہے تو پہاڑ کو رائی بنا دے اور چاہے تو رائی کو پہاڑ کر دے۔ لیکن سرسید کے زمانے میں یہ لفظ جن معنوں میں استعمال ہو رہا تھا وہ ظاہر ہے۔ تاہم اس کے باوجود سرسید نے اس لفظ کو استعمال کیا۔ یہ صورتحال

سرسید کے شعور پر پڑنے والے زمانے کے اثرات ہی کا نتیجہ تھی۔ حالی کی شخصیت سرسید سے مختلف تھی اور انہیں سرسید کی مذہبی فکر سے زیادہ تعلق بھی نہیں تھا لیکن بہرحال وہ سرسید سے متاثر تھے۔ البتہ حالی نے جو نعت لکھی اس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے گہری محبت اور عقیدت موجود ہے۔ ایسی محبت اور ایسی عقیدت جس کی تاثیر قلب میں ایک کیفیت پیدا کر دیتی ہے۔ یہ محبت اور عقیدت روایت کی دین تھی اور زمانہ بھی اس پر چھاپہ نہیں مار سکا۔ البتہ زمانے نے اس کے بیان اور اس کے پیرائے کو بدل کر رکھ دیا۔ اس سے بھی اہم یہ کہ نعت میں تصور کی سطح پر ایک بنیادی تغیر رونما ہو گیا۔

اس بات کو سمجھنے کے لیے بعض ترقی پسند شاعروں کی نعتوں کا مطالعہ ہماری بڑی مدد کر سکتا ہے۔ ایک وقت تھا کہ ترقی پسند حمد اور نعت لکھتے ہی نہیں تھے لیکن حالات کے تغیر نے انہیں نعت لکھنے پر مائل کیا تو ان کی نعت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کا ایک ایسا تصور ابھرا جو تاریخ کی ایک بڑی شخصیت سے عبارت ہے۔ اس کی وجہ ظاہر ہے۔ جو شعور وحی اور معجزے کی روایت کے زیر اثر نہ ہو وہ حضوؐر کو اسی طرح دیکھ سکتا ہے۔ یہ تقریباً ٹھیک وہی تصور ہے جو مغرب میں حضورؐ کے حوالے سے وضع ہوا۔ مغرب کے ایک چھوٹے سے طبقے نے بالآخر حضور اکرمؐ کو تسلیم بھی کیا تو تاریخ کی ایک بڑی شخصیت کے طور پر۔ لیکن یہ ایسا شعور ہے جو بڑے انسانوں پر کتاب مرتب کرتا ہے تو سو عظیم ہستیوں میں نیوٹن کو پہلے اور حضرت عیسیٰؑ کو دوسرے نمبر پر رکھتا ہے کیونکہ اس کے خیال میں نیوٹن نے دنیا کو حضرت عیسیٰؑ سے زیادہ متاثر کیا ہے۔

دیکھا جائے تو اس وقت ہمارے معاشرے میں نعت نگاری اور نعت خوانی کا رجحان مسلسل بڑھ رہا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ ہولناکی بھی رونما ہو رہی ہے کہ نعتیں دھنوں پر ''گائی'' جارہی ہیں۔ اس سے بھی ہولناک بات یہ ہے کہ متعدد نعتوں کی دھنیں بھارتی فلموں کے گانوں کی دھنوں سے ماخوذ ہیں۔ بلاشبہ اس میں ''لاعلمی'' بھی کوئی کردار ادا کر رہی ہو گی لیکن اس صورت حال میں عصر کے مزاج، دباؤ اور ہمارے شعور کی کمزوری کو بھی دخل ہے۔ وہ شعور جو خود بھی اپنی مذہبیت کے دھوکے میں مبتلا ہونا اور رہنا چاہتا ہے اور دوسروں کو بھی اپنی سرگرمی سے دھوکے میں رکھنا چاہتا ہے۔

ایک وقت تھا کہ محمد حسن عسکری کو اس بات پر تشویش تھی کہ ہمارے ایک بڑے اور رجحان ساز شاعر کی نعت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا نوری یا ماورائی پہلو کیوں غائب ہو گیا ہے، اور ایک وقت یہ ہے کہ ہمارے یہاں بھارتی فلموں کی طرزوں پر نعتیں لکھی اور پڑھی جارہی ہیں، اور کسی کو اس پر تشویش تو کیا ہو گی اکثر لوگوں کو تو اس کی ''اطلاع'' بھی نہیں ہے۔ بلاشبہ نعت ایک آئینہ ہے جس سے فرد اور معاشرے کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے۔ اکبر الہ آبادی نے سو سال پہلے شکایت کی تھی کہ ''انہیں'' عبادت کا شوق بھی ہے اور گانے کی عادت بھی۔ چنانچہ دعائیں بھی ان کے منہ سے ٹھمریاں بن کر نکلتی ہیں۔ اکبر کے دور میں یہ بات ''غلو'' کے ساتھ بیان ہوئی تھی۔ مگر آج اس نے ایک ٹھوس حقیقت کا درجہ حاصل کر لیا ہے۔

عصر حاضر میں سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رہنمائی

مولانا اشتیاق احمد قاسمی، دارالعلوم حیدرآباد

آج کا دَور ترقی یافتہ کہلاتا ہے، ہر گوشۂ زندگی میں نت نئی ایجادات ہو رہی ہیں، جدید اکتشافات کے سامنے عقل وخرد محوِ حیرت ہے، آج دُنیا کی دُوری ختم ہوچکی ہے، ذرائع ابلاغ اور وسائل نقل وحمل نے ترقی کر کے سالوں اور مہینوں کے کام دِنوں گھنٹوں اور منٹوں میں ممکن کر دیئے ہیں، پہلے کے بالمقابل آج مال ودولت کی بھی کمی نہیں رہی، حقیقت میں آج زمین سونا اُگل رہی ہے، سمندروں نے اپنی تہوں سے ہیرے، موتی اور جواہر پارے "سواحلِ انسانی" پر لاکر رکھ دیئے ہیں۔ سارے اسباب ووسائل کے باوجود آج لوگوں کو سکون وطمانینت حاصل نہیں، ایک دائمی بے اطمینانی ہے، جو سب پر مسلط ہے، ہر طرف ظلم وستم کی گرم بازاری ہے، آئے دن فسادات اور قتل و غارت گری ہو رہی ہے، نت نئے فتنے جنم لے رہے ہیں، فتنوں کا نہ تھمنے والا سیلاب امڈتا چلا آرہا ہے، جس طرف دیکھئے اختلاف ہی اختلاف ہے، بین الاقوامی اختلاف، فرقہ واری اختلاف، سیاسی پارٹیوں کا اختلاف، خاندان کا اختلاف، گھر اور افراد کا اختلاف اور نہ جانے کون کون سے اختلافات ہر سو رونما ہو رہے ہیں۔ ہر آدمی ایک دوسرے سے مختلف ومنحرف نظر آرہا ہے۔ خودغرضی عام ہو رہی ہے، اخلاق و پاک دامنی کا فقدان ہے، شرافت وامانت ناپید ہو رہی ہے، امن وآشتی اور سکون وعافیت مفقود ہوتی چلی جارہی ہے۔ کون سی ایسی برائی ہے جس کا تصور کیا جائے اور وہ معاشرے میں موجود نہیں، زِنا اور شراب نوشی عام ہے۔ سود اور سودی کاروبار ہر گھر میں پہنچ چکا ہے، جوا اور سٹہ بازی کی نئی نئی شکلیں اختیار کی جارہی ہیں، دختر کشی بلکہ نسل کشی ایک فیشن بن گئی ہے۔ آج کے اِس دَور کو کون سا دَور کہیں گے؟ فتنوں کا دَور! گناہوں کا دَور! بے حیائی اور بے لگامی کا دَور! خودسری اور خودغرضی کا دَور! شیطانی دَور! یاجوجی ماجوجی دَور! سمجھ میں نہیں آتا کہ عصرِ حاضر کو کیا نام دیا جائے؟ دَورِ حاضر دَورِ جاہلیت کی طرف تیزی سے رَواں دَواں ہے؛ بلکہ بعض لحاظ سے اِس سے بھی آگے جاچکا ہے۔ اِن جملہ خرابیوں کو دُور کرنے اور اِن پر قابو یافتہ ہونے کی سارے عالم میں کوششیں کی جارہی ہیں؛ لیکن کوئی کوشش کامیاب ہوتی نظر نہیں آتی۔ نئی نئی تجاویز روبہ عمل آکر فیل

ہورہی ہیں؛ تعمیر کے بجائے تخریب کا باعث بن رہی ہیں، یہ کوئی تعجب کی بات نہیں، ہونا بھی یہی چاہیے؛ اِس لیے کہ اِن جملہ خرافات، بے اطمینانی اور بے چینی پر قابو پانے کے لیے محض انسانی تدبیریں اختیار کی جارہی ہیں۔ اور انسانی تدبیریں پورے طور پر کامیاب ہی کب ہوتی ہیں؟

آج ضرورت ہے اُن تدبیروں کی اور نسخۂ کیمیا کی جو نبیٔ اُمی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھٹکی ہوئی انسانیت کے لیے استعمال کیا تھا۔ یہ خالقِ کائنات کا عطا کردہ نسخہ تھا، جس نے گھٹا ٹوپ تاریکیوں میں پھنسی ہوئی انسانیت کو روشن شاہ راہ پر لا کھڑا کردیا۔ جس نے بدترین خلائق کو بہترین خلائق بنادیا اور جس نے مردوں کو مسیحا کردیا۔

> رسولِ مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے آج بھی یہ سبق ملتا ہے غیر مسلموں سے معاہدات کرنا درست اور جائز ہے، دعوت وتبلیغ کے لیے سب سے پہلے ماحول سازگار کرنا ضروری ہے۔ اِسی کے ساتھ احکامِ الٰہی کے نفاذ کی کوشش میں لگے رہنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، اِسی طرح مخالف ماحول موافق ہوسکتا ہے، آج کا دَور اشاعتِ اسلام کے لیے نہایت موزوں دَور ہے، عام لوگوں میں معقولیت پسندی پہلے کی بہ نسبت زیادہ ہے، اگر آج اِسلام کا صحیح تعارف کرایا جائے، اِس کے لیے سارے جائز وسائل استعمال کیے جائیں تو پھر۔

عصرِ حاضر کے مذہبی اختلاف میں سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی

عالمی پیمانے پر اتحاد واتفاق قائم کرنے کی ضرورت آج سب سے زیادہ محسوس کی جارہی ہے۔ آج کوئی ایسا اقتدار نہیں جس کو سب لوگ تسلیم کریں، جس کی سب اطاعت کریں، کسی متفقہ اقتدار کا نہ ہونا، آج کی سب سے بڑی کمی ہے، ایک قوم دوسری قوم کو دیکھنا نہیں چاہتی، مختلف قسم کے معاہدے ہوتے ہیں اور ٹوٹ جاتے ہیں، اِن کے حل کے لیے اگر یہ سوچا جائے کہ کسی ایک انسان کی حاکمیت پر سارے لوگ متفق ہوجائیں، ہر ایک اِس کی اتباع کریں، تو ایسا فطری طور پر ناممکن ہے: اس لیے کہ آج ہر قوم دوسری قوم کی مخالف ہے، تو جس انسان کا بھی انتخاب ہوگا وہ کسی ایک قوم کا فرد ہوگا، اس ایک پر اگر اتفاق سے اپنی قوم متفق ہوگئی تو دوسری اقوام کو متفق کرنا آسان نہیں، پھر یہ کہ انسان نفسانی اغراض اور ذاتی خواہشات سے پاک نہیں ہوتا اگر کسی پر اتفاق کر لینے کی پوری دُنیا کوشش بھی کرے تو وہ آدمی وقت کا "فرعون" اور دَورِ حاضر کا "بُش" ثابت ہوگا، وہ سارے فوائد اپنے لیے، اپنے خاندان، اپنے فرقے اور اپنی قوم کے لیے سمیٹ لے گا، دوسرے لوگ محروم اور منہ تکتے رہ جائیں گے۔ اِس طرح انصاف کی جگہ ظلم اور مساوات کی جگہ بے اعتدالیوں کی حکومت ہوگی۔ کسی آدمی کا علم

اتنا وسیع نہیں ہوسکتا کہ ہر انسان کی ضروریات معلوم کرسکے۔ اصلاح وفلاح کی صورتوں سے واقف ہو، ہر ایک کی فطرت کو جانتا ہو؛ اِس لیے وسیع ترین علم نہ ہونے کی وجہ سے وہ جگہ جگہ ٹھوکریں کھائے گا، اور پوری انسانی آبادی کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کردے گا؛ اِس لیے کسی انسان پر پوری نوعِ انسانیت کا متفق ہونا ناممکن اور لا حاصل ہے۔

اِس اختلاف کے ختم کرنے کی ایک دوسری شکل بھی ممکن نہیں کہ ساری انسانیت مل کر کسی ایک اِدارہ کی حاکمیت کو تسلیم کرلے، اُس کے ہر حکم کو من وعن مان لے، کوئی اِدارہ سارے انسانوں کو اپنی اطاعت پر مجبور نہیں کرسکتا، اور نہ ہی ایسا متفقہ قانون بنا سکتا ہے، جس میں ہر ایک کی فطری ضرورتوں کا پورا لحاظ اور قانون ایسا عزیز بلکہ ہر دِل عزیز ہو کہ سارے لوگ اس کو جان ودل سے ماننے لگیں۔ بالآخر یہ اختلاف وانتشار ختم نہیں ہوگا؛ بلکہ لازمی طور پر اس اِدارے میں جس قوم کی نمائندگی زیادہ ہوگی، اِدارہ اس کے لیے بازیچۂ اطفال بن کر رہ جائے گا۔ وہ اُس کی آڑ میں اپنے اُلّو سیدھا کرنے میں مشغول ومصروف رہیں گے۔ دُنیا میں جتنے اِدارے عالمی پیمانے پر قائم ہوئے اُن سب کا حال یہی ہوا، آج اِس کی واضح مثال عالمی تنظیم "اقوامِ متحدہ" ہے۔

لہٰذا آج اختلاف حل کرنے کے لیے وہی کرنا ناگزیر ہے جو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا، آپ نے اختلاف وانتشار سے تباہ دُنیا کو متحد کرکے عملی مثال پیش کردی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا کو بتادیا کہ اے انسانو! کسی انسان یا کسی اِدارے کی حاکمیت کو تسلیم کرنے کے بجائے ایک ایسی ذات کی حاکمیت کو تسلیم کرلو جس نے سارے انسانوں اور اِداروں کو جنم دیا ہے۔ جو خالقِ ارض وسماوات اور "خالق الحب والنوی" ہے۔ اُسی نے سارے انسانوں کو پیدا کیا وہی اُن کا پالنہار ہے، وہی سب کی زندگی اور موت کا مالک ہے۔ وہ ہر ایک کی فطری ضرورتوں سے واقف ہے، ہر ایک کو رزق وہی پہنچاتا ہے، اُسی کی دُنیا اُسی کا عقبیٰ ہے، وہی نظامِ عالم کا نگراں اور مدبّر ومنتظم ہے۔ "الا له الخلق والامر تبارك الله رب العالمين" (الاعراف: ۵۴) وہی کائنات کا حقیقی فرماں روا ہے، اُسی کی حاکمیت کو تسلیم کرنے میں بھلائی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی "دعوتِ توحید" کو جوق در جوق افرادِ انسانی نے قبول کیا، مذہبی اختلافات کے ختم کرنے کا یہ سب سے بڑا مشترکہ پلیٹ فارم ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس وقت کے موجودہ اہلِ کتاب، یہود ونصاریٰ کو توحید پر متحد ہوجانے کی دعوت دی اور بحکم خدا ارشاد فرمایا:

"يَٰٓأَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَن لَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللّٰهِ" (آل عمران: ۶۴)

ترجمہ: "یعنی اے اہلِ کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان (مسلم اور) برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور ہم میں سے کوئی اللہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو رب قرار نہ دے۔"

اس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانیت کے

درمیان مذہبی اختلاف کو ختم کرنے کی کوشش فرمائی، آج سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے انسانیت کو یہ رہنمائی مل رہی ہے کہ اے بنی آدم! دہریت اور خدا کے انکار کو چھوڑ کر وحدہ لاشریک لہ پر ایمان لے آؤ، سارے انسان مل کر بس اُسی کی رسّی کو تھام لو، اُسی میں امن وسکون اور طمانیتِ قلبی ہے، اِس کے علاوہ کسی غیر کو تسلیم کر کے قلوب کو راحت نصیب نہیں ہوسکتی۔

"وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا" (آل عمران:۱۰۳)

ترجمہ:"اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو باہم متفق ہوکر پکڑے رہو اور آپس میں اختلاف نہ کرو"

توحید کی رسّی ہی ایک ایسی رسّی ہے جس نے عرب کی آپس کی دُشمنی اور رسّہ کشی کو ختم کر کے سب کے دِلوں کو جوڑ دیا، اور سارے لوگ بھائی بھائی ہوگئے، ورنہ سب کے سب جہنم رسید ہونے والے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ اِخْوَانًا، وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَکُمْ مِنْھَا

(آل عمران: ۱۰۳)

ترجمہ:"اور تم پر جو اللہ کا انعام ہے اُس کو یاد کرو جب کہ تم لوگ آپس میں ایک دُوسرے کے دُشمن تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے تمہارے دِلوں میں الفت پیدا کردی؛ چنانچہ تم لوگ اللہ کی نعمت سے بھائی بھائی ہوگئے، حالانکہ تم لوگ جہنم کے گڑھے کے کنارے پر تھے کہ اللہ نے تمہاری جان بچالی"۔

"رحمۃ للعالمین" نے بتایا کہ اُس اللہ نے ایک قانونی کتاب نازل فرمائی ہے، جس قانون میں ہر ایک کی مصلحت کی رعایت ہے، اُس کتاب پر عمل کرنے میں مرنے سے پہلے اور مرنے کے بعد دونوں زندگیوں میں سکون وراحت ہے؛ چنانچہ اطرافِ عالم سے جوق در جوق انسانوں کی بھیڑ نے اُس قانون کو تسلیم کیا، جب وہ قانون روبہ عمل لایا گیا تو دُنیا کو اضطراب سے راحت ملی، بے کل مریضوں کو جس نسخہ سے صد فی صد فائدہ ہوسکتا تھا وہ نسخہ مل گیا، اُس قانون میں گذشتہ نازل کردہ قوانین کی رعایت رکھی گئی تھی، جس طرح ڈاکٹر کے بنائے ہوئے بعد کے نسخے میں گذشتہ نسخوں کی دواؤں کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ بعد کے نسخوں سے گذشتہ نسخہ منسوخ ہوجاتا ہے، اسی طرح یہ آخری نسخہ قانون ہے اور جس طرح ہر کتاب کے ساتھ ایک سمجھانے اور تشریح کرنے والا بھیجا جاتا رہا ہے، میں بھی اِس آخری کتاب کی تشریح کے لیے بھیجا گیا ہوں، اِس کتاب اور میری تفسیر میں دُنیا کے لیے راحت ہے، اِسی کے ذریعہ دُنیا میں امن وامان قائم ہوسکتا ہے؛ چنانچہ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت قبول کی، جس سے دُنیا نے سکون کی سانس لی۔ مذہبی اختلافات بڑی حد تک ختم ہوئے، دُنیا نے اُس قانون کو نافذ کر کے آزمایا، آج بھی اُسی دعوت کو عام کرنے کی ضرورت ہے، آج کی دُنیا پیاسی ہے، دعوتِ توحید کی، دعوتِ رسالت اور دعوتِ ایمان کی! کیا ہے کوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ دعوت کو اپنانے والا؟ تاکہ بھٹکی ہوئی انسانیت راہِ راست پر آجائے اور پھر سے انسانوں میں ایک

باپ کے بیٹے اور ایک خدا کے پجاری ہونے کی سمجھ پیدا ہو؟

قومی ونسلی اختلافات میں سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی

پہلے کی طرح آج بھی لوگ قومی تفاخر اور نسلی اختلاف میں پڑے ہوئے ہیں۔ کالے گوروں کا اختلاف، علاقے، علاقے کا اختلاف، ملکی اور غیر ملکی امتیاز، اِن تمام اختلافات وامتیازات کی وجہ سے جو پریشانی پہلے تھی اس سے کہیں زیادہ آج ہے، پہلے تو دُنیا کی قومیں الگ تھیں، لیکن آج دُوری نزدیکی میں بدل گئی، پوری دُنیا ایک خاندان اور گھر کی طرح ہوگئی ہے؛ اِس لیے آج بھی اُن امتیازات کو ہٹا کر ہی سکون کا سانس لی جا سکتی ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اِس طرح تفاخر وامتیاز سے پیدا ہونے والے نقصانات سے خوب واقف تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو جڑ سے ختم کرنے کا اعلان فرما دیا اور انسانوں کو سبق دیا کہ دیکھو تم سب ایک خالق کی مخلوق ہو، ایک اللہ کے پجاری ہو؛ اِس لیے اختلافات وامتیازات کو ختم کرو اور یاد کرو کہ تم سب ایک ہی باپ کی اولاد ہو اور تمہارے باپ مٹی سے پیدا کیے گئے، مٹی میں تواضع، انکساری اور فروتنی ہوتی ہے تم سب بھائی بھائی بن کر رہو، کالے گوروں میں سے کسی کو کسی پر فضیلت نہیں، عربی اور غیر عربی ہونا ہی کوئی امتیاز وتفوق کی بات نہیں، ہاں تفوق اور برتری تقویٰ کی بنیاد پر قائم ہو سکتی ہے۔ (حجۃ الوداع کا خطبہ) تم میں سب سے زیادہ اللہ کو محبوب وہ شخص ہے جو سب سے بڑا پرہیزگار، متقی اور محتاط ہے۔ (سورۂ حجرات: ۱۳)

غور کیجیے کہ جس ماحول میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تعلیم دی وہ چھوٹی سی تعداد میں ہونے کے باوجود درجنوں قبیلوں میں منقسم تھا، پھر ہر قبیلے کے مختلف ٹکڑے تھے اور ہر ایک کے مختلف خاندان اور کنبے تھے۔ ہر ایک اپنا ایک امتیاز رکھتا تھا، سب آپس میں دست وگریباں تھے اُن کے اندر سے امتیاز و تفاخر اور تفوق برتنے کے سارے جرائم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ختم کر دیا، وہ سب کے سب بھائی بھائی ہو گئے، جہاں گئے وہاں اُسی تعلیم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو عام کیا، اِس طرح ایک عالم گیر برادری اور ہمہ گیر اخوت وجود میں آ گئی، ہر فرد ایک دوسرے سے اِس طرح جڑا محسوس کرتا تھا، جس طرح جسم کے اعضاء ایک دوسرے سے ملے ہوتے ہیں، آج بھی اُسی تعلیم کو عام کرنے سے یہ نتائج برآمد ہو سکتے ہیں، انسانیت کا اختلاف اور تصادم یقینی طور پر ختم ہو سکتا ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی اور مدنی زندگی سے عصر حاضر میں رہنمائی

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عالم گیر ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری دُنیا کے لیے چراغِ راہ بن کر تشریف لائے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سیرت وسنت کو سامنے رکھ کر دُنیا راہ یاب ہو سکتی ہے، ہر طرح کے مسائل کا حل آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اتباع میں مضمر ہے، جملہ خرافات ومصائب سے نجات کا "نسخۂ کیمیا" آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی مل سکتا ہے، اگر کوئی شخص غیر مسلم اکثریت والے ملک میں رہ رہا ہے تو اُس کو دعوت وتبلیغ کے لیے کیا طریقہ اپنانا چاہیے؟ عائلی قوانین اور پرسنل لاء پر وہ کس طرح عمل کرے؟ اپنے نزاعی معاملے کس

طرح حل کرے؟ غیر مسلموں کے ساتھ کیسا سلوک کرے؟ وغیرہ، اِن سارے سوالوں کا جواب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی میں ملے گا، اِسی میں یہ درس بھی موجود ہے کہ اگر آج کوئی شخص ایسی جگہ رہ رہا ہے جہاں سارے جتن کے بعد بھی اِسلام کے احکام پر عمل نہیں کرسکتا تو وہ وطن کے مقابلے میں دین کو ترجیح دیتے ہوئے اپنے وطن اور گھر بار سب کو خیر باد کہہ دے اور اپنی سکت اور کوشش کے مطابق دُنیا کی ایسی جگہ کو وطن بنائے جہاں اِسلام پر عمل کرنے کی پوری اجازت ہو، احکامِ اِسلام کے نفاذ میں کوئی شے مانع نہ ہو، آج ہجرت پر عمل کرنا پیچیدہ ضرور ہے، لیکن ناممکن نہیں۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب کفار نے صرف ایمان باللہ اور ایمان بالرسول کی وجہ سے اپنے محبوب وطن مکہ مکرمہ میں ستانا شروع کیا اور ناقابلِ برداشت اذیتیں پہنچائیں، جان کے درپے ہوگئے؛ تو ایسی صورت میں دین کی حفاظت کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دی، اِس کے بعد مدینہ کی؛ اخیر میں اپنے رفیقِ غار صدیق وغمگسار کے ساتھ بہ نفسِ نفیس ہجرت کی، دین اور ایمان کی حفاظت کے لیے مال و دولت، عزیز واقارب اور گھر بار ہر ایک کو قربان کردیا، آج بھی دُنیا کے کسی کونے میں مسلمانوں کی یہ حالت ہوجائے تو اُس کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ عمل کے لیے موجود ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ جانے کے بعد وہاں بسنے والے قبائل اَوس اور خزرج اور یہود ونصاریٰ سے معاہدات کیے، آپسی تعاون وتناصر اور رواداری کی دستاویزات مرتب کیں، پھر اپنی تحریک دعوت وتبلیغ کو تیز تر کیا، آہستہ آہستہ لوگ اِسلام میں داخل ہوتے گئے، پھر کیا تھا کہ چند برسوں میں سارا عرب کلمہ "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کا قائل ہوگیا۔ ہر جگہ امن وامان پھیل گیا، وہ جنگجو قومیں جن کا کام ہی قتل وغارت گری تھا، جنگ سے کبھی تنگ نہ آئی تھیں، آپسی چپقلش کا نہ ٹوٹنے والا سلسلہ رکھتی تھیں، سب شیر وشکر کی طرح مل گئیں، سب ایک دوسرے کے دوست ہوگئے۔ ع

جو نہ تھے خود راہ پر اَوروں کے ہادی بن گئے

رسولِ مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے آج بھی یہ سبق ملتا ہے کہ غیر مسلموں سے معاہدات کرنا درست اور جائز ہے، دعوت وتبلیغ کے لیے سب سے پہلے ماحول سازگار کرنا ضروری ہے۔ اِسی کے ساتھ احکامِ الٰہی کے نفاذ کی کوشش میں لگے رہنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، اِسی طرح مخالف ماحول موافق ہوسکتا ہے، آج کا دَور اشاعتِ اسلام کے لیے نہایت موزوں دَور ہے، عام لوگوں میں معقولیت پسندی پہلے کی بہ نسبت زیادہ ہے، اگر آج اِسلام کا صحیح تعارف کرایا جائے، اِس کے لیے سارے جائز وسائل استعمال کیے جائیں تو پھر۔ ع

یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

آج دُنیا بے راہ روی، ظلم وستم، بے کیفی اور بے اطمینانی سے عاجز آچکی ہے۔ اِس کو تلاش ہے کسی صحیح منزل کی، امن وآشتی کی، اطمینان اور سکون کی، اِسلام میں یہ سب کچھ موجود ہے۔ صرف ضرورت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم کے مشن کواپنانے کی۔ رسولِ مکی ومدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی اتباع کی۔

مکمل احکامِ اسلام کا نفاذ عہدِ حاضر کی ناگزیر ضرورت

روز بروز فسادات ہورہے ہیں، قتل ایک آسان کام، غارت گری اور لوٹ گھسوٹ دولت کمانے کا ذریعہ ہوگیا ہے، زنا اور شراب نوشی عام ہے، ایک دُوسرے پر تہمت لگانا کوئی اہم بات نہیں، رشوت اور سودخوری دُنیا کی ضرورت میں داخل ہوگئی ہے، آئے دن اغوا کے واقعات پیش آرہے ہیں۔ اِس طرح کی اور بھی سرکشیاں پھیلی ہوئی ہیں؛ ان سب کا علاج اسلامی احکام کا نفاذ ہے۔ ضرورت ہے کہ آج قتل کرنے والے پر قصاص اور دیت کے احکام جاری ہوں تب ہی قتل کی اَن گنت واردات پر قابو یافتہ ہوا جاسکتا ہے، حد زنا کے نفاذ سے ہی زنا جیسی گندی اور فحش کرتوت کا خاتمہ ہوسکتا ہے، حد سرقہ کے نفاذ سے ہی چوری کے واقعات پر قابو یافتہ ہوا جاسکتا ہے۔ آج اگر حد قذف نافذ ہو تب ہی تہمت لگانے والوں کی زبان پر تالا لگ سکتا ہے، غرض یہ کہ دُنیا میں امن وامان اور سکون واطمینان کا ماحول پیدا کرنے کے لیے روئے زمین پر حدود وقصاص اور تعزیراتِ اسلامی کا نافذ ہونا ضروری ہے، آج عملاً دُنیا اسی کا انتظار کررہی ہے، اگر قاتل کو یہ معلوم ہو کہ ہمیں قتل کرنے کے جرم میں قتل کردیا جائے گا تو یقیناً قتل سے پہلے وہ سوچنے پر مجبور ہوگا، ہاتھ کانپنے لگیں گے، دِل لرزنے لگے گا اور قاتل اپنی جان بچانے کے لیے ایسے قتل کی ہمت نہیں کرے گا، اِس طرح اُس آدمی کی بھی زندگی بچ جائے گی جس کے قتل کا ارادہ قاتل نے کیا تھا اور روئے زمین پر انسان اور انسانیت کی قدر بڑھ جائے گی، زندگی کی قیمت میں اضافہ ہوگا، اِسی لیے قرآن نے کہا ہے:

"وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَاةٌ يَاأُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ" (سورہ بقرہ: ۱۷۹)

ترجمہ: کہ اے اہل خرد! قصاص (کے احکام کے نفاذ) میں تمہارے لئے زندگی ہے؛ تا کہ تم لوگ احتیاط اور پرہیز کرنے لگو۔

اگر چور کو معلوم ہو کہ چوری پر ہاتھ کاٹ دیا جائے گا تو چوری کرتے وقت اُس کے ہاتھ کانپ جائیں گے اور وہ چوری سے باز آجائے گا، اِس طرح چوری سے روئے زمین پاک ہوگی، لوگوں کو جان کے ساتھ اُن کے مال کی حفاظت کا ایک ماحول بن جائے گا۔ زانی کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ زنا کی سزا میں سو کوڑے لگائے جائیں گے۔ (سورۂ نور: ۲) یا پتھروں سے چور چور کر ہلاک کردیا جائیگا۔ (بخاری: ۱/ ۲۷۶) تو ہرگز زنا کا ارتکاب نہیں کرے گا، اِس طرح روئے زمین پر عفت و پاک دامنی کا دَور دَورہ ہوگا، غرض یہ کہ آج کی دُنیا کو سکون اُنہی قوانین کے نفاذ کے بعد مل سکتا ہے؛ جن قوانین کو نافذ کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روئے زمین پر امن وامان پھیلایا تھا اور پریشان ماحول کو سکون فراہم کیا تھا، دوسرے قوانین میں وہ جامعیت اور گرفت نہیں ہوسکتی جو اللہ کے قوانین میں ہے، قوانین تیار کرنے کے لیے عقولِ انسانی کافی نہیں ہیں۔ وہ آج کوئی قانون بناتے ہیں کل ہو کر اُس کی غلطی واضح ہو جاتی ہے، ردوبدل کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ چلتا رہتا ہے اور چلتا رہے گا تبھی تو اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر امن وامان اور سکون وعافیت پھیلانے والے قوانین خود

وضع کیے، کسی انسان حتیٰ کہ کسی نبی کے بھی سپرد نہیں کیا۔

حقوق کے معاملہ میں عام طور سے بے اعتدالی ہوسکتی تھی؛ بلکہ ہوئی ہے؛ اس لیے اللہ تعالیٰ نے والدین کے حقوق، میراث میں ورثا کے حقوق، میاں بیوی کے حقوق وغیرہ کو خود سے بیان فرمادیا؛ تاکہ بالاتفاق نوعِ انسانی اُن قوانین کو تسلیم کرلے اور روئے زمین پر حق تلفیوں کا سلسلہ ختم ہوجائے، اللہ کے ان قوانین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نافذ فرمایا اور دنیا نے صدیوں تجربہ کیا اور آج بھی کررہی ہے کہ حقیقت میں نظامِ عالم پر کنٹرول اللہ کے قوانین کے نفاذ سے ہی ممکن ہے، اُن کے بغیر یہ دُنیا راحت وسکون کا مسکن نہیں بن سکتی، امن وآشتی کا ضامن صرف اور صرف اسلام ہے، حقیقت میں آج پوری انسانیت اپنی زبانِ حال سے اُسی دَور کو پکار رہی ہے جس دَور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے سارے قوانین کو روبہ عمل لاکر ایک معطر و معنبر ماحول تیار کیا تھا اور انسانیت کو اُس کی صحیح منزل پر پہنچایا تھا۔

آج دُنیا بے راہ روی، ظلم وستم، بے کیفی اور بے اطمینانی سے عاجز آچکی ہے۔ اِس کو تلاش ہے کسی صحیح منزل کی، امن وآشتی کی، اطمینان اور سکون کی، اِسلام میں یہ سب کچھ موجود ہے۔ صرف ضرورت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشن کو اپنانے کی۔ رسولِ مکی و مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی اتباع کی۔

عصرِ حاضر میں اخلاقِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم عام کرنے کی ضرورت

موجودہ دَور کا سب سے بڑا المیہ اخلاقیات کا فقدان ہے، جھوٹ، چوری، وعدہ خلافی، بغض، کینہ، فخر، غرور، ریا، غداری، بدگوئی، فحش گوئی، بدگمانی، حرص، حسد، چغلی غرض یہ کہ ساری اخلاقی برائیاں، عام انسانوں اور مسلمانوں میں ہی نہیں؛ بلکہ خواص میں بھی اخلاقیات کا انحطاط آگیا ہے۔ اِس انحطاط وتنزل کا صرف اور صرف ایک ہی علاج ہے کہ ہر بری خصلت کی برائی معقول انداز میں بیان کی جائے۔

اِس سلسلے میں قرآن وحدیث کے نصوص واضح کیے جائیں؛ تاکہ معقولیت پسند طبقہ شریعت سے قریب ہو، اُس کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ فاضلہ کو بھی بیان کیا جائے اور اُن کے اختیار کرنے کی تلقین کی جائے، ایک دین دار مسلمان کو اپنے اخلاق وکردار میں کیسا ہونا چاہیے؟ درس گاہِ نبوت کے تربیت یافتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیسے تھے؟ اُن کے اندر اخلاص وتقویٰ، شرم وحیاء، صبر وشکر کی صفات تھیں، وہ دیانت دار، امانت دار اور سخاوت وشرافت کے خوگر تھے۔ اُن کے اندر ایثار وقربانی، عفت و پاک دامنی اور تواضع وانکساری کی اعلیٰ صفات پائی جاتی تھیں۔ وہ خوش کلام، خوش الحان، خوش دِل اور رحم وکرم کے پیکر تھے، وہ ہمیشہ موت کو یاد رکھتے تھے، اُن کے معاملات کی صفائی سے لوگ متاثر تھے، یہ ساری چیزیں آیات واحادیث کی روشنی میں بیان کی جائیں تو بڑا موثر رہے گا، اپنوں کی اصلاح تو ہوگی ہی، غیر بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے، سچ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی تعلیمات کو اگر عام کیا جائے تو ضرور بالضرور ایک ایسا صالح معاشرہ

وجود میں آئے گا جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خیر القرون کے معاشرہ کے مماثل ہوگا، جن میں ساری خوبیاں موجود تھیں، یہ خوبیاں آج تاریخ کے صفحات کی زینت بنی ہوئی ہیں، جو کبھی زندگی میں موجود تھیں، پہلے مسلمانوں کو دیکھ کر اُن کے بلند و بالا اخلاق سے متاثر ہو کر لوگ اِسلام قبول کرتے تھے، آج اسلام اور اسلام کی اخلاقی تعلیمات کو سمجھنے کے لیے کتب خانوں کا سفر کرنا پڑتا ہے۔ کاش! رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی تعلیمات زندگیوں میں رچ بس جائیں تو بات ہی دُوسری ہو جائے۔

عصر حاضر کی جملہ خرابیوں کو دُور کرنے میں سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی

یہ دور "پی ایچ، ڈی" اور تخصصات کا دور کہلاتا ہے اگر کسی تحقیق کے طالب علم کو آج کے دور کی ظاہری اور باطنی خرابیوں کے شمار کرنے کا موضوع دے دیا جائے؛ بلکہ ایک نہیں متعدد طالب علموں کو اِس موضوع پر لگایا جائے تب بھی ساری خرابیاں بیان نہیں ہو سکیں گی، اِن ساری خرابیوں کی وجہ اِسلام اور تعلیم اسلام کا عام نہ ہونا ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا اصل مقصد دُنیا کو اعتدال پر لانا تھا، اِس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (۱) پوری زندگی دعوتِ اصلاح وتبلیغ میں صرف کر ڈالی۔ (۲) تربیت کے ذریعہ ایسے افراد پیدا کیے، جن میں ایمان کامل تھا، آخرت کا استحضار تھا، وہ ذکر الٰہی کا اہتمام کرتے، راتوں میں تہجد گذار اور دِنوں میں مجاہد بر سر پیکار ہوتے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اُنھوں نے اپنی زندگی کا مشن بنا لیا تھا۔ (۳) غیروں کی اصلاح سے پہلے اپنی ذات کی اصلاح کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے توجہ دلائی۔ (۴) اللہ رب العزت کے سارے احکام سے لوگوں کو واقف کرایا۔ (۵) اللہ کے سارے احکام کو زمین پر نافذ کرنے کی کوششیں اور تدبیریں کیں۔ (۶) ہر ایک کے حقوق کو واضح فرمایا، خصوصاً کمزور طبقات مثلاً عورتوں، بچوں، غلاموں، خادموں اور جانوروں کے حقوق کو متعین فرما کر اُن کی ادائیگی کی تلقین فرمائی۔ (۷) معاشرہ میں پیدا ہونے والی خرابیوں پر گرفت کرنے اور ایک دُوسرے کو احکامِ الٰہی کی تعمیل کی تلقین کا مزاج بنایا۔ (۸) آیات واحادیث کی تعلیم کے ساتھ اُن پر عمل کرنے اور خود احتسابی کی تعلیم دی۔ (۹) آیات کی تفسیر اور احادیث کے یاد کرنے اور اُن کے مذاکرے کا ماحول بنایا۔ (۱۰) اخلاقِ رذیلہ کی خرابیوں کو بیان کر کے اُن سے بچنے اور اخلاقِ فاضلہ کو اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔ (۱۱) ایسا ماحول بنایا کہ ہر آدمی دعوت اصلاح وتبلیغ کو اپنی ذمہ داری سمجھنے لگا تھا۔ اگر آج بھی مذکورہ بالا نبوی طریقہ کار پر عمل ہو تو معاشرہ کی ساری خرابیاں دُور ہو سکتی ہیں۔ آج ضرورت ہے کہ قرآن کو ترجمہ کے ساتھ پڑھا جائے اور اُس کی تفسیر کو عام کیا جائے، ساتھ ہی احادیث کی تعلیم کا بھی اہتمام ہو، غیروں کے بجائے اپنی خرابیوں پر غور کیا جائے اور اصلاح کی کوشش کی جائے؛ نیز تذکیر و موعظت اور تبلیغ و دعوت کا اہتمام کیا جائے تو ضرور معاشرہ درست ہوگا۔ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں سب سے بڑی رہنمائی یہی مل رہی ہے کہ جس عرق ریزی سے خیر القرون کا صالح معاشرہ بنا آج بھی وہی ماحول پیدا ہو اور ہمارا مقصد صرف اور صرف رضائے الٰہی اور آخرت کی کامیابی ہو اور بس!

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا

● مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی

پناما کی جامع مسجد میں ہندوستان کے معروف عالم دین ناموس رسالت کے علمبر، جمیت علوم اسلامیہ کے امین مولانا ڈاکٹر مفتی محفوظ الرحمن عثمانی کا خصوصی خطاب (26/جولائی 2019)

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْراً" (سورہ احزاب ۲۱)

(یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ عمدہ نمونہ ہے، ہر اس شخص کے لئے جو اللہ تعالی پر اور قیامت کے دن پر یقین رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ تعالی کو یاد کرتا ہے۔)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پوری کائنات انسانی کیلئے اسوۂ حسنہ اور مشعل راہ ہے۔ان کی زندگی میں تمام شعبہ ہائے حیات سے تعلق رکھنے والوں کے لئے سبق ہدایت اور روشنی ہے۔دنیا میں جس نے بھی اسوہ حسنہ کو اپنایا ہے،اس کے مطابق زندگی گزارنے کی کوشش کی ہے انہیں ضرور کامیابی ملی۔ان خیالات کا اظہار پناما سینٹرل امریکہ کی جامع مسجد میں خطاب کرتے ہوئے ہندوستان کے مشہور عالم دین وملی رہنما مولانا مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی بانی ومہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول بہار جانشین خلیفہ ومجاز سرمایۂ ملت کے نگہبان خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی جانشین حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد قاری محمد طیب رحمہا اللہ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے کیا۔ اپنے خطاب میں انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ آج دنیا کے مسلمانوں نے نبی کریم صلی اللہ وسلم کی سیرت سے منہ موڑ لیا ہے۔اپنی زندگی سے انہیں دور کر دیا ہے،جس کی بنا پر وہ سکون واطمینان اور امن وسلامتی سے محروم ہیں۔امت مسلمہ کی کامیابی کا دارومدار محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو اپنانے اور ان کے نقش قدم پر چلنے میں ہے۔ بقول علامہ الطاف حسین حالی کہ:

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

مفتی عثمانی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ربانی ہے: "یَا

أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ" (سورہ حجرات ۱۳)۔(ہم نے تم کو پیدا کیا ہے ایک مرد اور ایک عورت سے اور ہم نے تم کو کنبے اور قبیلے بنائے تا کہ ایک دوسرے کو پہچانو، اللہ کے نزدیک سب سے قریب وہ ہے جو پرہیزگار ہے اللہ ہی جاننے والا اور خبر رکھنے والا ہے۔)

انہوں نے فرمایا کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے علاقائی عصبیت، نسلی، برادری، ذات پات کی اونچ نیچ، وطنی ولسانی، تفاخر، کالے اور گورے کے فرق کو خاتمہ کیا اور سبھی کو بطور انسان برابر قرار دیا۔ آپؐ نے ایک جامع اصول بتایا کہ کسی کو کسی پر کسی علاقہ قبیلہ خاندان کے فرق کی وجہ سے انہیں برتری نہیں ہوسکتی۔ آپؐ نے سیدنا مصعب ابن عمیر، عبداللہ بن جحش، سلمان فارسی، صہیب رومی، بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو تسبیح کے دانے کی طرح ایک دھاگے میں پیرو دیا تھا اور آج ہم اور ہمارا عمل اس سے الگ ہے۔ جس کی وجہ سے پوری دنیا میں مسلمان ذلت و پستی اور رسوائی سے دو چار ہیں۔

دوستو! میری یہ بات یاد رکھیں زندگی کے ہر موڑ پر کام آئیگی انشاءاللہ۔

ملت اسلامیہ کے ہر فرد چاہے وہ دنیا کے وہ کسی بھی کونے میں بستے ہوں یہ جاننا چاہئے کہ اگر امت اسلامیہ کا ملی شعور بیدار نہیں ہوتا، اگر ان کا احساس نہیں جاگتا، اگر وہ زندگی کے ان مسائل کو نظر انداز کرتے ہیں اگر وہ اپنی روٹی روزی کو سب کچھ سمجھتے ہیں تو لوگو سن لو! "وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ اللهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ" (آل عمران: ۹۷)۔(اللہ کو تمہاری ضرورت نہیں ہے، تم اگر روٹی کھانے پر خوش ہو، اچھا کپڑا پہن کر خوش ہو، عمدہ بلڈنگیں بنا کر خوش ہو اور بڑی تجارت کی بنا پر خوش ہو، تو ہوا کرو۔) "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ" (سورہ مائدہ ۵۴) (اللہ تمہاری جگہ دوسری قوم پیدا کرے گا جو اللہ سے محبت کرے گی اللہ اس سے محبت کرے گا جو اللہ کے راستے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرے گا۔)

بس دوستو! میں آپ پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ مسئلہ اسلام کی حفاظت کا نہیں ہے مسئلہ آپ کی حفاظت کا ہے، آپ ایک عام آدمی کی حیثیت سے نہیں بلکہ جانور کی حیثیت سے اگر جینا چاہتے ہیں کہ ہمارے کھانے پینے کا انتظام ہوجائے تو جیئیں! لیکن اگر آپ غلامان محمد شاہ امم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فہرست میں اپنا نام لکھا کر مدنی آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا رشتہ مضبوط کر کے زندہ رہنا چاہتے ہیں تو آپ کو اپنی شریعت کے ساتھ جینا ہوگا۔ اپنے دین کے ساتھ جینا ہوگا ان خصوصیات کے ساتھ زندہ رہنا ہوگا جو خصوصیات عنایت فرمائی ہیں حضور اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے، سوتے رہے تھے تو سوئیے، اب جاگیے، نیند آرہی تھی تو آنکھیں کھولیے، غفلت تھی تو اسکو دور

کر لیجئے اور فیصلہ کیجئے کہ آج ہمارے دین پر جو خطرہ ہے وہ خطرہ دین کی وجہ سے نہیں ہماری وجہ سے ہے، ہماری دین سے غفلت کی وجہ سے ہے، دین سے بے حسی کی وجہ سے ہے، ہمارے اللہ کے دین سے فرار اختیار کرنے کی وجہ سے ہے۔

آخری درخواست!

''وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاء فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَاناً'' (سورہ آل عمران: ۱۰۳)

(اللہ تعالیٰ کی رسی کو تمام لوگ مضبوطی سے تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو، اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، تو اللہ نے تمہارے دلوں میں محبت ڈال دی، اور تم اللہ کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے۔)

مفتی عثمانی صاحب نے اپنے خطاب میں کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتحاد و اتفاق کی تعلیم دی تھی لیکن آج ہم ان کے نام پر دسیوں فرقوں میں تقسیم ہیں، علاقائی اور مسلکی عصبیت کا شکار ہیں جس کا اسلام میں دور دور تک کوئی شائبہ نہیں ہے۔ اسلام کی تبلیغ اور اشاعت کے بجائے مسلک کی تشہیر و ترویج میں ہم مشغول ہو گئے ہیں اور آپسی تنازعات کو بڑھا رہے ہیں جس سے اللہ اور اسکے رسولؐ نے ہمیں سختی سے منع کیا تھا۔ مسلمانوں کی کامیابی اور انسانیت کی فلاح و بہبود کا واحد راستہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرماں برداری اور ان کے نقش قدم پر چلنا ہے۔ بقول امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کہ:

''چودہ سو سال گذشتہ جو نسخۂ حیات (قرآن کریم) آقا صلی اللہ علیہ وسلم لائے تھے وہی ہمارے اور آپ کے لئے نجات کا ضامن ہے۔''

دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اور پوری دنیا میں بسنے والے انسانوں کو صراط مستقیم، راہ ہدایت پر باقی رکھے، حرمین شریفین، مدارس اسلامیہ، مساجد، خانقاہوں کی حفاظت فرمائے، ہمارے مرحومین کی مغفرت اور بیماروں کو شفاء کاملہ عاجلہ دائمہ مستمرہ کلیہ نصیب فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

واضح رہے کہ ہندوستان کی مشہور دینی درس گاہ جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول بہار کے بانی و مہتمم مولانا مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی ان دنوں پناما، ویسٹ انڈیز کے دعوتی دورے پر ہیں۔ اس موقع پر محسن ملت حضرت اقدس مفتی عبد القادر مظاہری بھٹی امام و خطیب جامع مسجد پناما سینٹرل امریکہ، حاجی ادریس محمد بھائی تالیہ، حاجی رشید بھائی سیٹھ، حاجی الیاس بھائی سیدات کے علاوہ بڑی تعداد میں تجار اور دیگر علماء، حفاظ، قراء و مسلمانوں نے شرکت کی۔

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا
نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

پیغام نبوتؐ کو عام کرنے کی ایک بہترین کوشش

............● مولانا نوراللہ جاوید قاسمی

سیرت طیبہ ﷺ محض تاریخی تسلسل، جغرافیائی پس منظر، آپؐ کے حسی معجزات، بعثت ودعوت کے نتیجے دنیا میں ہونے والی سیاسی، جغرافیائی اور معاشی انقلابات کی تفصیلات بیانات کرنے کا نام نہیں ہے، یقیناً یہ مذکورہ بالاتفصیلات بھی سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا اہم حصہ ہے۔ مگر یہ بات ہمیں ذہن نشیں رہنی چاہیے کہ سیرت نبویؐ کا مفہوم ومعانی ہماری سوچوں سے بھی کہیں زیادہ وسیع اور عظیم ہے۔ سیرت طیبہ کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ہر دور اور ہر زمانے میں انسانی زندگی کے ہر گوشے اور ہر لمحے میں رہنمائی کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ سیرت کی مشہور کتاب سیرت حلبیہ میں اس حقیقت کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

"آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود گرامی کسی ماحول کی مرہون منت نہیں ہے۔ بلکہ آپؐ زمان ومکان کی قیود سے آزاد ہیں۔ آپؐ کی نظر وقت اور حالات کی بندشوں کو توڑتی ہوئی صدیوں اور ہزاروں Millennium کے پردوں کو چاک کرتی ہوئی آگے بڑھتی ہے۔ آپؐ انسان کو ہر زمانے اور ماحول میں اس کی زندگی کے لیے ایسی اخلاقی اور عملی ہدایات دیتے ہیں جو ہر حال میں یکساں مناسبت کے ساتھ ٹھیک بیٹھتی ہیں۔ آپؐ اُن لوگوں میں سے نہیں ہیں جن کو تاریخ نے پرانا کر دیا ہے، جن کی تعریف ہم صرف اس حیثیت سے کر سکتے ہیں کہ وہ اپنے زمانے کے اچھے رہنما تھے۔ سب سے الگ اور سب سے ممتاز آنخضور صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے راہنما ہیں جو تاریخ کے ساتھ حرکت کرتے ہیں اور ہر دور میں ایسے جدید نظر آتے ہیں جیسے اس سے پہلے دور کے لیے تھے۔ ہم جن لوگوں کو فیاضی کے ساتھ تاریخ بنانے والے کا لقب دیتے ہیں وہ حقیقت میں تاریخ کے بنائے ہوئے Creatures of History ہیں۔ دراصل تاریخ بنانے والوں یا انقلاب برپا کرنے والوں کی پوری جماعت میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی صرف ایسے اکیلے ہیں کہ جہاں انقلاب کے اسباب موجود نہ تھے وہاں آپؐ نے خود اسباب کو پیدا کیا۔ جہاں انقلاب کا مواد موجود نہ تھا وہاں آپؐ نے مواد تیار کیا۔ جہاں اس انقلاب کی اسپرٹ اور عملی استعداد لوگوں میں نہ پائی جاتی تھی، وہاں آپؐ نے خود اپنی ضرورت کے آدمی تیار کیے، اپنی زبردست شخصیت کو پگھلا کر ہزار ہا انسانوں کے قالب میں اتار دیا اور ان کو قرآن کا مطلوبہ انسان بنا دیا۔ آپؐ کی طاقت اور قوتِ ارادی نے خود ہی انقلاب کا سامان

کیا، خود ہی اس کی صورت اور نوعیت متعین کی اور خود ہی اپنے ارادے کے زور سے حالات کی رفتار کو موڑ کر اس راستے پر چلایا جس پر آپؐ اسے چلانا چاہتے تھے“۔

چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ قرآن کریم کی عملی تفسیر ہے۔لہذا جس طریقے سے قرآن کریم سیکڑوں علوم و معانی اور ہزاروں جہتوں کو سموئے ہیں اسی طریقے سے سیرت نبویؐ کا دائرہ کار بھی بہت ہی وسیع ہے۔قرآن کریم کی جامعیت اور کلیات کا جزئیات اور اس معانی کا سب سے بڑا مصدر و ماخذ سیرت نبویؐ ہی ہے ۔ عقائد و اعمال، اخلاق وسیرت، حیات و معاشرت کے مسائل، بین الاقوامی تعلقات و روابط، دنیا میں امن و شانتی کا قیام، جنگی اصول اور سائنسی ترقی، تہذیب و تمدن کی بقاء اور دیگر شعبوں میں اگر کوئی چیز قرآن کریم کے بعد رہنمائی کرسکتی ہے تو وہ سیرت نبوی ہے ۔اسی وجہ سے حضرت سلمان فارسیؓ جیسی جہاندیدہ شخصیت نے فخریہ انداز میں کہا تھا کہ ”ہم ایک ایسے مذہب سے تعلق رکھتے ہیں جس میں زندگی کے تمام پہلوؤں یہاں تک کہ خورد نوش، قضائے حاجت اور دیگر معاملات کی رہنمائی کی جاتی ہے“۔دنیا کی عبقری اور تاریخی شخصیات کی زندگی اور سوانح حیات و سیرت طیبہ یہی بنیادی فرق ہے۔عبقری اور تاریخی شخصیات کی سوانح حیات کے مطالعے سے معلومات میں یقیناً اضافہ اور زندگی سے متعلق کسی ایک خاص پہلو سے آگاہی ہوتی ہے۔مگر سیرت طیبہؐ کے مطالعے سے کائنات کی وسعتوں کی تہیں کھلتی ہیں، خالق کائنات کی عظمت اور آفاقیت کا ادراک ہوتا ہے، جھوٹے خداؤں اور انسانوں کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کی رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔خالق کائنات سے رابطہ استوار کرنے کی راہ ملتی ہے ۔معاشرت، معیشت، سماجیات، تعلیم الغرض زندگی کے تمام گوشوں میں رہنمائی ملنے کے علاوہ اور ایک ایسے آئیڈیل شخصیت سے تعارف اور ”انسان کامل“ کی قربت نصیب ہوتی جس کی زندگی کا ہر پہلو روشن اور تاباں ہونے کے ساتھ کمالیات کا اعلیٰ مظہر ہے ۔چناں چہ مغرب کا مشہور اسکالر مائیکل ہارٹ نے جب دنیا کے سو عظیم انسانوں پر کتاب لکھی تو عیسائی ہونے کے باوجود اس نے لکھا کہ ”اعلیٰ انسانی اقدار کے حوالے سے سب سے پہلے سرور کائنات، محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کا ذکر کر تے ہوئے اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ اگر انسانیت اپنے مسائل کا حل اور اعلیٰ انسانی اقدار سے متعارف ہونا چاہتی ہے تو اسے سیرت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے پناہ میں آنا ہی ہوگا“۔

سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمانوں نے جو خود سب سے بڑا ظلم کیا ہے کہ اسلام کی ابتدائی صدیوں کو چھوڑ کر بقیہ صدیوں میں محسن انسانیت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا وسیع تناظر میں مطالعہ اور اس کے روشن پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے بجائے سیرت کے مخصوص گوشوں پر ہی زیادہ توجہ دی گئی ہے۔حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے تاریخی تسلسل، آپؐ کی پرورش کس ماحول میں ہوئی؟، پہلی وحی کب آئی؟، ابتداء میں کون کون لوگ ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے، ہجرت کب ہوئی اور اس کے اسباب کیا تھے؟،کون سا غزوہ کس سن میں ہوا؟ اور اس کا نتیجہ کیا رہا؟، آپ کے بعض حسی معجزات، آپ کی بعثت اور دعوت کے نتیجے میں دنیا میں سیاسی، جغرافیائی اور معاشی انقلابات کے بیانات کرنے پر ہی محدود کیا گیا۔چناں چہ سیرت طیبہؐ پر جو سب سے پہلی کتاب لکھی گئی اس کا نام

''مغازی رسول'' ہے یعنی حضورﷺ کے جنگی کارنامے۔ ہماری اس کوتاہی کا ہی نتیجہ ہے کہ اسلام فوبیا کے شکار مغرب کے دانشوروں اور محققین کو اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے کا موقع مل گیا کہ اسلام تلواروں کے زوروں پر پھیلا ہے۔ جب کہ اعلان نبوت سے لے کر آپؐ کے وصال تک 23 سالہ زندگی کو ایام اور گھنٹے میں تقسیم کر دیا جائے تو ان 23 برسوں میں صرف 6 ماہ ایسے ہیں جن میں آپؐ کے دست مبارک میں تلوار رہا ہے، گویا ساڑھے بائیس سال میں آپ یا تو لوگوں کے ساتھ عدل و انصاف فرمارہے ہیں یا پھر غریبوں اور مسکینوں کو مال تقسیم فرمارہے ہیں، یا لوگوں کے درمیان مساوات قائم فرمارہے ہیں، کبھی غلاموں، مزدوروں اور یتیموں کے ساتھ حسن سلوک فرمارہے ہیں اور اپنے صحابہ کو بھی ایسا ہی کرنے کا حکم فرمارہے ہیں۔ کبھی آپ عورتوں اور بیواؤں کے حقوق کے سلسلہ میں لوگوں کو متنبہ فرمارہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اب اگر آپ ان 6 ماہ (جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں تلوار ہے) سے ان ساڑھے بائیس سال کا موازنہ کریں تو ایک نئی دنیا کی سیر ہوگی۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ان چھ مہینوں میں بھی آپ نے لوگوں کو ظلم و زیادتی سے بچانے اور فتنہ و فساد رفع کرنے اور امن کے قیام کیلئے تلوار اٹھائی ہے۔

یہ خوش آئند بات ہے کہ حالیہ برسوں میں اس کوتاہی کے تدارک کیلئے مختلف سطحوں پر کام کا آغاز ہوا ہے، دنیا کے بیشتر زبانوں میں سیرت طیبہؐ پر ایسی کتابیں لکھی جارہی ہیں جس میں سیرت کے وسعت اور مختلف گوشوں کی طرف رہنمائی کے سامان موجود ہے۔ چوں کہ اردو زبان اس کرۂ ارض کی ایک معجزاتی زبان ہے اور اس زبان نے محض 500 سالوں میں علمی بالخصوص دینی علوم کا ایک بڑا ذخیرہ اپنے اندر سمولیا ہے۔ اس زبان میں سیرت کے عنوان سے نئے اسلوب میں کتابیں لکھی جارہی ہے اور ان کتابوں کا ترجمے بھی ہورہے ہیں۔ مولانا شبلی اور مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشترکہ تصنیف ''سیرت النبی''، علامہ سید سلیمان منصور پوری کی کتاب سیرت نبی اور نئے دور میں نعیم صدیقی کی کتاب ''محسن انسانیت''، اور مولانا مودودیؒ کی سیرت طیبہ اس کی ایک بڑی مثال ہے۔ دینی حلقوں سے نکلنے والے رسالوں میں بھی سیرت پر مبنی ایسے مضامین شایع کیے جارہے ہیں جس میں عصر حاضر کی ضروریات اور تقاضوں کا خیال رکھ کر لکھا گیا ہے۔ جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول سے شایع ہونے والا ''ماہنامہ معارف قاسم'' کا شمار برصغیر کے دینی حلقے سے شایع ہونے والے میگزین و ماہناموں میں معیاری رسالے کے طور پر ہوتا ہے۔ حالیہ برسوں میں ''معارف قاسم'' نے کئی اہم خصوصی شمارے شایع کیے ہیں جو علمی حلقے میں مقبول ہوئے ہیں ان میں ''محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نمبر'' ایک شاہکار ہے۔ اب یہ خصوصی شمارہ ''مجموعہ قاسم'' جلد نمبر دو کی شکل میں ازسرنو ترتیب و تدوین کے ساتھ منظر عام پر آیا ہے۔ معارف قاسم کے مدیر اعلیٰ اور جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کے بانی و مہتمم مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی اور ایڈنگ کے فرائض انجام دینے والے مشہور صحافی ڈاکٹر محمد شہاب الدین ثاقب قاسمی نے انتھک محنت کی ہے اور اس کیلئے یہ دونوں صاحبان مبارکباد کے مستحق ہیں۔

تمام تر تکنالوجی، اطلاعات کی فراوانی، علم کے دھماکے باوجود انسانیت درد سے کراہ رہی ہے، انسان امن و امان کی تلاش

میں سرگرداں ہیں، اخلاق و کردار سے دنیا خالی ہوتی جارہی ہے، چہروں سے مسکراہٹ غایب ہوتی جارہی ہے۔گلوبلائزیشن کی وجہ سے گرچہ دنیا سمٹ سی گئی ہے مگر اس کے باوجود بھوک اور پیاس سے مرنے والوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ امیری اور غریبی کے درمیان فرق کا دائرہ بڑھتا ہی جارہا ہے۔ دنیا کی دولت کا 85 فیصد حصہ صرف چند سو افراد کے ہاتھوں سمٹ گیا ہے۔دولت کی غیر مساویانہ تقسیم نے جرائم کے واقعات میں کئی گنا اضافہ کردیا ہے، سخت سے سخت قوانین بھی جرائم کے سامنے بے بس ہے، زندگی کے تمام شعبوں میں خواتین کی نمائندگی میں اضافے کی نام نہاد کوششیں ایک طرف ہیں اور دوسری طرف بنت حوا کے خلاف زیادتی کے واقعات میں اضافہ تھمنے کا نام نہیں لے رہا ہے۔سماجی تفریق ہر سطح پر موجود ہے، بڑی طاقتیں کمزور ممالک کو معاشی غلام بنانے میں سرگرداں ہیں، آزادی کے نام پر فحاشی، ضمیر اور خیال کی آزادی کے نام پر انسانیت، اخلاق و کردار کا گلا گھونٹا جارہا ہے۔الغرض دنیا تیزی سے جہالت کی طرف معکوسی سفر پر رواں دواں ہے، نسل پرستی کے واقعات جدید ترقی یافتہ دور میں بھی ہورہے ہیں۔تہذیب و تمدن کے ٹھیکداروں نے اسلام کا خوف جو پھیلایا تھا وہ اب اپنی تمام تر تباہیوں و بربادیوں کے ساتھ سامنے آرہا ہے۔پرامن معاشرہ بھی دہشت گردی کے زد میں ہے۔کہنے کو تو عالمی امن کے قیام کیلئے ''اقوام متحدہ جیسا ادارہ قایم ہے مگر حقیقی صورت حال یہ ہے کہ صرف اور صرف مفادات اور طاقت کا کھیل ہے۔دنیا کا شاید ہی کوئی حصہ ہے جہاں بڑی طاقتوں کی رسہ کشی اور مفادات کی جنگ مقامی باشندوں کی خوشحالی اور پرسکون زندگی کو برباد کرنے کا سبب نہیں بن رہی ہے۔چناں چہ دنیا میں اس وقت 50 ملین افراد بے گھر ہوچکے ہیں اور اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق روزانہ ایک ہزار افراد ظلم و تشدد کی وجہ سے بے گھر ہوجاتے ہیں۔

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے قبل دنیا جس تاریکی اور جہالت کی شکار تھی آج حالات اس سے بھی بدتر ہیں، دنیا انصاف و عدل سے عاری ہے۔سوال یہ ہے کہ کیا ان حالات سے دنیا کو چھٹکارا مل سکتا ہے۔یا دنیا اسی طرح تباہ برباد ہوجائے گی؟ ظاہر ہے کہ گھٹاٹوپ تاریکی کے باوجود آج بھی دنیا کو راہ راست پر لایا جاسکتا ہے۔مگر اس کیلئے شرط یہ ہے کہ دنیا کو اپنی آنکھوں سے تعصب کے عینک اتارنے ہوں گے۔قرآن اور سیرت محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں پناہ حاصل کرنی ہوگی؟ مگر اس سے بڑھ کر ان دو عظیم تحفوں کی حامل امت کو داعیانہ کردار ادا کرنا ہوگا۔دنیا کے سامنے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح اعلیٰ اقدار پیش کرنے ہوں گے۔''سلطنت مدینۃ النبی ﷺ'' سے متعلق باتیں اور دعویٰ کرنے کے بجائے دنیا کے سامنے جہالت، سماجی ناانصافی، معاشرتی جبر اور معاشی بربریت سے پاک، عدل و انصاف پر مبنی، اعلیٰ اخلاق و کردار کا حامل معاشرہ کی تشکیل کرکے دنیا کے سامنے پیش کرنے ہوں گے۔سیرت کے مختلف گوشوں او پہلوؤں کو اجاگر کرنے والے اس خصوصی شمارے کی اشاعت کے ذریعہ اس مقصد اور ضرورت کی تکمیل کی طرف پیش قدمی کی گئی ہے۔اس شمارے میں جدید و قدیم دونوں ادوار کے مشہور مصنفین کے مضامین کو جمع کیا گیا ہے، دور جدید کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے مضامین ترتیب دیے گئے ہیں ۔اس شمارے میں جہاں ایک طرف سیرت نبوی ﷺ کے ان

گوشوں کو پیش کیا گیا جس کا تعلق انسان کی ہدایت و رہنمائی سے ہے، اخلاق، صبر و رضا، قناعت و توکل، دشمنوں سے آپ ؐ کا حسن سلوک، مصیبت زدہ اور آفت رسیدہ انسانوں پر آپ ؐ کی شفقت و نوازش، غیر مسلموں کے ساتھ آپ کا حسن معاملہ وغیرہ شامل ہیں وہیں سیرت محمدی ﷺ علیہ وسلم کے خلاف جارحانہ پروپیگنڈوں کا جواب دیا گیا ہے۔ اسلام دشمن طاقتوں نے یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو صرف دو چیزیں دی ہیں ایک تلوار اور دوسری چار شادیوں کی اجازت۔ جب کہ یہ حقیقت کے برخلاف ہے۔ اس شمارے میں کئی ایسے مضامین ہیں جو مکروہ پروپگنڈہ کے جواب کے ساتھ ہمیں مثبت طریقوں سے غیر مسلموں تک سیرت طیبہ کے اخلاقی و روحانی اور آفاقی پہلوؤں کو پہنچانے میں مدد فراہم کرتی ہے۔

576 صفحات پر مشتمل محسن انسانیت نمبر میں کل 56 مضامین ہیں، اس مجموعے کی شروعات مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی کے ابتدائیہ ''سیرت محسن انسانیت کا مطالعہ ضروری کیوں ہے؟ سے ہوتا ہے۔ جس میں سیرت کے مطالعے کی اہمیت اور سیرت کے پیغام کو عام کرنے کی ضرورت اور تقاضے پر روشنی ڈالتے ہوئے انہوں نے لکھا ہے کہ

''دنیا بھر میں صہیونی تحریک اور خود ہندوستان کا ایک طبقہ پروپیگنڈہ کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت و تعلیمات کو ایک خاص زاویہ سے پیش کر رہا ہے اور یہ پروپیگنڈہ اس قدر متواتر اور منظم انداز میں کیا جا رہا ہے کہ ہماری نئی نسل کا ذہن و دماغ اس سے متاثر ہو رہا ہے کہ ان میں دین و اسلام کے تئیں بیزاری بڑھتی جا رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ صورت حال انتہائی تشویش ناک ہے ان حالات میں شدت سے تقاضا ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آفاقی پیغام اور عالم گیر دعوت کو عصر حاضر کے تناظر میں پیش کیا جائے۔ تاکہ باطل طاقتوں کے پروپیگنڈے اور ان کی سازشوں کا دفاع اور نئی نسل کو ذہنی آوارگی سے بچایا جا سکے اور ان کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات روز روشن کی طرح عیاں ہو کر سامنے آجائیں۔''

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو داغدار کرنے کی مہم کوئی نئی نہیں ہے تاہم یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے بعد منظم انداز میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں خامیاں نکالنے کیلئے ادارے اور شخصیات تیار کیے جا رہے ہیں۔ حکومت کی سرپرستی میں مستشرقین کی پوری جماعت کا مقصد ہی سیرت طیبہ میں خامیاں نکالنا تھا۔ بلاشبہ ہزار ہا کوششوں کے باوجود مستشرقین اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہو سکے اور علماء ربانین کی جماعت نے سیرت محمدیہ صلی اللہ کا بھرپور دفاع کیا۔ یورپ کے مصنفین نے دنیا کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ ''چوں کہ اسلامی روایات، تہذیب و تمدن، پیغمبر عالم صلی علیہ وسلم کی سیرت چودہ سو سالہ قدیم ہے، بیشک محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم عظیم تھے اور ان کی تعلیمات سے اس دور کی جہالت کا خاتمہ بھی ہوا تھا مگر وہ اب قدیم ہو چکا ہے۔ یہ سیرت نبوی ﷺ جدید عہد کے کام کے لائق نہیں ہے۔ سیرت محمدیہ صلی اللہ وعلیہ وسلم اس طرح کام نہیں آسکتی جس طرح چودہ سو سال پہلے کام آئی تھی۔ مستشرقین کے اس اعتراض کا بہترین جواب مشہور مصنف و صحافی شاہنواز فاروقی نے اس طرح سے دیا ہے کہ:

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صرف باعثِ تخلیقِ کائنات اور سردار الانبیاء ہی نہیں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین بھی ہیں اور ختمِ نبوت کے بہت سے مفاہیم میں سے ایک مفہوم یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ بیک وقت قدیم بھی ہے اور جدید بھی۔ اسلام اور علم دشمن طاقتیں الزام لگاتی ہیں کہ مسلمان قدامت پسند Orthodox ہیں، لیکن اسلام اور سیرتِ طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے قدامت پسند Orthodox ہونے کا مفہوم زیادہ حقیقی یا Original ہونا یا اصل کے زیادہ سے زیادہ قریب ہونا ہے۔ اور جو اصل کے جتنا زیادہ قریب ہے وہ خود کو دریافت کرنے کی اتنی ہی صلاحیت رکھتا ہے۔ وہ اتنا ہی جدید اور تخلیقی ہے۔ دوسرے الفاظ میں اس بات کا مفہوم یہ ہے کہ قدیم ہونے کا مفہوم اسلام کی روح سے آگاہ ہونا ہے اور جدید ہونے کا مطلب اس روح کے اظہار کے لیے نئے نئے پیرائے، اسالیب، سانچے اور ڈھانچے بنانے کی اہلیت کا حامل ہونا ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو ختمِ نبوت کا عقیدہ ایک انقلابی عقیدہ ہے، اور یہ عقیدہ پوری امتِ مسلمہ کو قدیم اور جدید کے درمیان لا کھڑا کرتا ہے۔ اس مقام پر کھڑے ہو کر امتِ مسلمہ ماضی کی قوت سے مستقبل کشید کرتی ہے''۔

مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے محسن انسانیت نمبر کی اشاعت کیلئے جن مقاصد کا ذکر کیا ہے وہ مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں کافی اہم ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ سیرت کے پیغام اور اس کے مختلف جہات کو دنیا کے سامنے عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق ایک نئے اسلوب اور نئے انداز میں پیش کیا جائے۔ امت دعوت ہونے کی حیثیت سے پوری امت کا یہ فرض ہے وہ نسل نو کو سیرت کے مطالعے کا عادی بنانے کے ساتھ اس کے پیغام کو برادران وطن تک پہنچانے کی کوشش کرے۔ ابتدائی صفحات میں عصر حاضر کے اسلامی مفکرین اور اسکالر و علمائے ربانیین کے پیغامات ہیں۔ یہ پیغامات محسن انسانیت کی اشاعت صرف رسمی مبارک باد نہیں بلکہ ان میں حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ علماء لکھنؤ، حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ، حضرت مولانا ڈاکٹر سعید احمد اعظمی ندوی، مولانا اسرار الحق قاسمی اور حضرت مولانا قمر الزماں الہ آبادی نے اپنے پیغامات میں سیرت کے کئی پہلوؤں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کا پیغام صرف معارف قاسم کے ذمہ داروں کے نام نہیں ہے بلکہ مولانا نے پوری امت کو سیرت نبویؐ کی ترویج و اشاعت اور نسل نو کو سیرت کے مطابق اعلیٰ کردار کا حامل بنانے پر زور دیا ہے۔ چنانچہ آپ نے اپنے پیغام میں لکھا ہے کہ :

> ''سیرت نبی بے پناہ اور کامل تربیتی بنیاد پر اس نئی نسل کو مخاطب بناتی ہے، جو بہت جلد پرانی نسل کی جگہ لینے والی ہے۔ قوم کی قسمت اسی سے وابستہ ہے، کیوں کہ تاریخی تسلسل اسی سے قائم رہتا ہے۔ اور قوم کے روشن یا تاریک مستقبل کا انحصار اسی پر ہے، اس مرحلے پر سیرت نبوی کا جائزہ لینے کا طریقہ یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ نئی نسل کا اخلاقی معیار کیا ہے، اس میں ضبط نفس کتنا

ہے، اس میں اپنے نظریہ حیات کو افراط وتفریط سے بچا کر اعتدال پر رکھنے کی کتنی صلاحیت ہے اور بحیثیت مسلمان ان میں صالح نظام کے اندر رہنے کی کتنی عادت ہے اوران میں ایمانی غیرت کا معیار کیا ہے۔''

حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ نے اپنے مختصر پیغام میں کہا ہے کہ قدیم نسل میں سب کچھ ہونے باوجود نسل نو کا نظریہ حیات اور طرز زندگی اسوۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق نہیں ہے، ان میں سیرت سے سبق لینے اوراس پر چلنے کا مزاج نہیں ہے تو امت شدید خطرات کا شکار ہے اور جلد ہی آتش فشاں پھٹنے کو تیار ہے۔حضرت مولاناؒ اپنے وقت کے عظیم خطیب، جہاندیدہ، ایک عظیم خانوادہ کے لائق فرزند تھے،انہوں نے اپنے تجربے کی بنیاد پر اپنے مختصر پیغام میں عصر حاضر کی سب سے بڑی ضرورت کی طرف توجہ دلائی ہے اور یقیناً اس جانب امت کو توجہ دینی چاہیے۔کسی بھی قوم کی ترقی کا انحصار اس کے نسل نو پر منحصر ہوتی ہے۔اگر نئی نسل سیرت کے پیغام اور سیرت نبوی کے اسلوب سے ناآشنا ہوگی تو پھر بہتر مستقبل کی امید تک نہیں کی جاسکتی ہے۔

مجموعہ کی شروعات اپنے وقت تین عظیم مفکر، دانشور، مصلح اور مجاہد فی سبیل کے مضامین سے ہوتی ہے۔ان میں حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کا مضمون ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق امت'' پہلا مضمون ہے، حکیم الامتؒ برصغیر میں محتاج تعارف نہیں ہے، آپ اپنے وقت کے مجدد تھے، امت کی اصلاح کیلئے درجنوں کتابیں لکھیں، سنت کے اہتمام اور اس کی تشریح کا جو فریضہ جو حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے انجام دیا ہے وہ 19ویں صدی علماء کرام کے حصے میں نہیں آئی ہے۔حضرت تھانویؒ نے اپنے اس مضمون کے ذریعہ توجہ دلائی ہے کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق کافی نہیں۔حضرت تھانویؒ نے اس مضمون میں مدلل اور علمی انداز سے عشق ومحبت رسول کو اتباع سنت کے ساتھ مشروط ہونے کو ثابت کیا ہے۔دراصل حضرت تھانویؒ نے ایک بڑی ضرورت اور امت مسلمہ کی ایک بڑی کمی کی طرف احساس دلایا ہے کہ ''دراصل مسلمانوں نے سیرتِ طیبہ کے ساتھ اپنے تعلق کو خود ایک مسئلے اور چیلنج میں ڈھال لیا ہے۔اس کی ایک مثال یہ ہے کہ کمزور سے کمزور مسلمان بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جان دینے پر آمادہ ہوسکتا ہے، اوراچھے اچھے مسلمان بھی سیرتِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کے لیے تیار نہیں ہوتے۔سوال یہ ہے کہ اس کا سبب کیا ہے؟ اس کا سبب یہ ہے کہ جان دینے کے لیے ایک لمحہ درکار ہوتا ہے لیکن سیرتِ طیبہ کو پوری زندگی ہر لمحہ بسر کرنا پڑتا ہے اور اس کام میں محنت لگتی ہے، اس سلسلے میں مشقت اٹھانی پڑتی ہے''۔

بیسویں صدی کے عظیم مفکر، دانشور اور مصنف سید محمد قطب شہیدؒ کا مضمون ''ہمارا پرچم انقلاب لا الہ الا اللہ'' رسالت اور نزول قرآن کے مقاصد، موضوع سخن ہونے کے ساتھ سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق کئی نئے پہلوؤں کو اجاگر کرتا ہے۔سید قطبؒ کا تعلق 20ویں صدی میں عرب دنیا میں برپا ہونے والی دینی ،اصلاحی اور تحریکی جماعت ''اخوان المسلمین'' سے تھا جس نے بیک وقت عرب قوم پرستی، کمیونزم کے غلبہ، ریاست سے مذہب کی بیزاری اور مسلم دنیا پر استعماریت کے خلاف مقابلہ کرتے ہوئے اپنے جانوں کو نچھاور کیا ہے۔

استعماری قوتوں نے اپنے مفادات کیلئے عرب قوم پرستی کے جذبے کو ابھارنے کی چالیں چلیں اور اس طرح خلافت کا خاتمہ کر دیا ہے۔ جس کی وجہ سے امت مسلمہ کا شیرازہ بکھر گیا ہے اور امت گونا گوں مسائل سے دوچار ہوگئی، اسلام کے نالیواؤں پر جمود طاری ہوگیا۔ ان حالات میں شہید حسن البنا کی قیادت میں ''اخوان المسلمین'' کا آغاز ہوا اور اس جماعت نے ایک طرف افراز سازی پر توجہ دی، عوام میں تبلیغ کے ذریعہ اسلام کے حقائق اور اس کے تقاضوں سے باخبر کیا وہیں رفاہی کاموں کا سلسلہ دراز کرنے کے ساتھ استعماری قوتوں اور اس کے پیروکاروں کے خلاف عملی جدوجہد بھی کی۔ آج بھی عرب دنیا میں اسلام بیداری لہر ہے تو اس کی سوت اسی عظیم جماعت سے ہی ملتی ہے۔ سید قطب شہیدؒ جن کا تعلق جزیرہ عرب سے تھا مگر ان کے والد مصر منتقل ہوگئے تھے۔ نے مصر میں دینی اور عصری تعلیم کے حصول کے ساتھ امریکہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی اس دوران انہوں نے باریک بینی سے بیسوی صدی میں رونما ہونے والے حالات اور مغربی دنیا کے رویہ اور ان کی سوچ کا مطالعہ کیا۔ حسن البناء کی مظلومانہ شہادت پر امریکی مفکرین، دانشور اور ارباب حل و عقد کے اظہار مسرت کو دیکھ کر وہ اخوان کے قریب ہوئے اور مصر لوٹنے کے بعد اخوان کا حصہ بن گئے۔ چوں کہ وہ اخوان کے شعبہ تبلیغ و دعوت کے سربراہ اور اخوان کے ترجمان اخبار کے ایڈیٹر تھے۔ اس لیے ان کے قلم سے کئی معرکۃ الآراء تصانیف اور مضامین نکلے۔ جو حکمرانوں کی غضبناکی کی وجہ بھی بنا اور یہی ان کی شہادت کا سبب بنے۔

دوسری عالمی جنگ کے اختتام کے بعد عرب قوم پرستی، معاشی بدحالی اور عرب معاشرہ جمود و تعطل کا شکار ہو چکا ہے۔ ان حالات میں سید قطب نے ''ہمارا پرچم انقلاب لا الہ الا اللہ'' کے عنوان سے مضمون لکھ کر مسلم دنیا کے سامنے رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم اور نزول قرآن کے مقاصد، اسلوب اور اس کے مطلوب کی جانب توجہ دلائی ہے۔ انہوں نے اس مضمون میں رسالت محمدی صلی اللہ کا تجزیہ و تحلیل کرتے ہوئے دعوت و تبلیغ کے منہج پر بصیرت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی کی دعوت اور اس دوران قرآن کریم کی جو آیات کا نزول ہوا اس کے ذریعہ ''انسان اور خالق کائنات کے درمیان کے رشتے''، انسان کے وجود اور اس کے اردگرد پھیلی ہوئی کائنات کی اصل حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔

''وہ (قرآن کریم) انسان کو یہ بھی بتاتا ہے کہ اس وجود کی حقیقت ہے جسے وہ دیکھتا اور محسوس کرتا ہے؟ اور وہ کون ہستی ہے جسے پردہ غیب میں کارفرما محسوس کرتا ہے، لیکن دیکھ نہیں پاتا؟ اس طلسماتی کائنات کو کس نے وجود بخشا اور کون اس کا منتظم و مدبر ہے، کون اسے گردش دے رہا ہے؟ کون اسے بارہا نیا پیراہن بخشتا ہے؟ کس کے ہاتھ میں ان تعزیرات کا سررشتہ ہے، جن کا ہر چشم بینا مشاہدہ کر رہی ہے۔ وہ اسے یہ بھی سکھاتا ہے کہ خالق کائنات کے ساتھ اس کا رویہ کیا ہونا چاہیے؟ اور خود کائنات کے بارے میں اسے کیا روش اختیار کرنی چاہیے؟ اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی واضح کرتا ہے کہ انسانوں کے باہمی تعلقات کیسے ہونی چاہیے؟ یہ ہے وہ اصل اور بنیادی مسئلہ جس پر انسان کی بقا اور وجود کا دارو

مدار ہے،اور رہتی دنیا تک اس عظیم مسئلے پر انسان کی بقااور وجود کا انحصار رہے گا۔اس اہم مسئلے کی تحقیق و توضیح میں مکی زندگی کا پورا تیرہ سالہ دور صرف ہوا۔اس لیے کہ انسانی زندگی کا بنیادی مسئلہ یہی ہے اور اس کے بعد جتنے مسائل ہیں وہ اسی تقاضے میں پیدا ہوتے ہیں اور ان کی حیثیت سے اس کی تفصیلات اور جزئیات کچھ نہیں ہے۔قرآن نے مکی دور میں اسی بنیادی مسئلے کو اپنی دعوت کا دارو مدار بنائے رکھا اور اس سے صرف نظر کر کے نظام حیات سے متعلق فروعی اور ضمنی بحثوں سے تعرض نہیں کیا اور اس وقت نہیں چھیڑا جب تک علم الٰہی نے یہ فیصلہ نہیں فرمادیا کہ اب اس مسئلے کی توضیح وتشریح کا حق ادا ہو چکا ہے''۔

عقیدہ وایمان کے مسئلے کو آغاز رسالت میں ہی دعوت کا محور بنانے کی وجوہات پر سید قطبؒ نے بہترین انداز سے روشنی ڈالتے ہوئے کلمہ توحید کی اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔انہوں نے لکھا ہے کہ یہ جاننے کے باوجود لا الہ الا اللہ ''لوگوں! گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں ہے'' کی طرف دعوت دینے کے نتائج سنگین ہونے کا علم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا کیوں کہ 'الوہیت کو اللہ کیلئے مخصوص کرنے کے معانی و مفاہیم یہ ہیں کہ ضمیر و قلب، پر مذہبی شعار و مناسک پر، معاملات زندگی پر مال و دولت اور عدل و قضا پر الغرض ارواح و اجسام پر ہمہ وجوہ اللہ اور صرف اللہ کا اقتدار ہو۔ لا الہ الا اللہ کا اعلان درحقیقت دنیاوی اقتدار کو چیلنج کرنا تھا ظاہر ہے کہ سیکڑوں معبود کو سجدے کرنے والوں کی دشمنی اوران میں غصہ پیدا ہونا فطری بات تھی۔اس کے مقابلہ جب کہ اس کے بجائے شروعاتی دور میں 'عرب قوم پرستی' یا پھر معاشی ناہمواری ، سماجی ظلم کے خلاف تحریک برپا کی جاتی تو عرب معاشرہ کی حمایت کی جاسکتی ہے اور اس کے بعد پھر اصل پیغام کو پہنچایا جاتا ہے۔

عربوں کے حجاز ونجد کے علاوہ جزیرہ عرب استعماری قوتوں کے ہاتھوں میں تھا، رومیوں اور اہل فارس کی حکمرانی چل رہی تھی، مکہ کے سب سے معزز قبیلہ کے سب سے معزز خاندان ابو ہاشم کے فرد ہونے کی حیثیت سے استعماری قوتوں کے خلاف اگر آواز بلند کرتے تو عرب کا بچہ بچہ آپ کی دعوت پر لبیک کہتا تھا کیوں کہ بچپن سے لے کر 40 سال کی عمر تک مکہ میں آپ کی شخصیت صادق وامین کی حیثیت سے متعارف ہو چکی تھی۔ ہرایک شخص کو آپ کے صدق وامانت اور راست بازی پر یقین تھا۔مگر چوں کہ اسلام کا ظہور اور اس کی دعوت کا مقصد ہی تمام اقوام خواہ کسی رنگ ونسل کی ہوں، عربی یا رومی، ایرانی سب کی سب اس عقیدہ کی نگاہ میں پرچم اسلامی کے تحت مساویانہ حیثیت رکھتی ہے۔اسی طرح عرب معاشرہ باوجود کہ اس کے دولت کی منصفانہ تقسیم اور عدل وانصاف کے نظام سے یکسر بیگانہ اور ایک چھوٹے سے گروپ کی مال و دولت، تجارت پر اجارہ داری، سودی نظام کے رائج ہونے کی وجہ غالب اکثریت بھوک اور مفلوک الحالی کا شکار تھی مگر دعوت کا محور دولت کی منصفانہ تقسیم اور سماجی ظلم وتشدد کے خلاف تحریک کو نہیں بنایا گیا۔چوں کہ خدائے علیم وخبیر کو اس کا علم تھا کہ یہ طریق مناسب وموزوں نہیں ہے، معاشرے کے اندر حقیقی اجتماعی انصاف کے سوتے صرف ایک ایسے ہمہ گیر نظریہ کے چشمہ صافی سے ہی پھوٹ سکتے ہیں جو معاملات کی زمام کار کلیتاً اللہ کے ہاتھ میں دیتا ہو اور معاشرہ ہر فیصلے کو برضا ورغبت قبول کرتا ہو۔اسی

طرح رسالت محمدی کا آغاز اصلاحی مہم کے ذریعہ نہیں کیا گیا جب کہ عرب معاشرہ سماجی برائیوں کے دلدل میں غرقاب تھا، شراب نوشی، زنا، جوابازی عرب معاشرہ کا ناسور بن گیا تھا بلکہ جوئے بازی میں کامیابی کو فخریہ بیان کیا جاتا تھا۔ زنا کاری کی مختلف شکلیں رائج تھیں۔ مگر معاشرتی ناسور کے خلاف اگر اصلاحی تحریک برپا کی جاتی تو شاید زیادہ لوگوں کی حمایت حاصل ہوتی مگر چوں کہ اخلاق کی تعمیر صرف اور صرف عقیدہ کی بنیاد استوار ہوسکتی ہے اور اس میں بھی ایک ایسا عقیدہ جو ایک طرف اخلاقی اقدار اور معیار کو فراہم کرے اور دوسری طرف اس طاقت کا تعین کرے جس یہ اقدار ومعیار ماخوذ ہیں۔ سید قطب شہیدؒ کے الفاظ میں

''صبر آزما کوششوں سے جب عقیدہ الوہیت دلوں میں راسخ ہوگیا اور اس طاقت کا تصور بھی دلوں میں اتر گیا جس سے اس عقیدہ کو سند حاصل ہوتی تھی، دوسرے لفظوں میں جب انسانوں نے اپنے رب کو پہچان لیا اور صرف اسی کی بندگی کرنے لگے، جب انسان خواہشات نفس کی غلامی سے اور اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں کو آقائی سے آزاد ہوگئے اور لا الہ الا اللہ کی نقش دلوں میں پوری طرح مرتسم ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے اس عقیدہ اور اس عقیدہ کے ماننے والوں کے ذریعہ سب کچھ فراہم کردیا جو وہ تجویز کرسکے تھے۔ خدا کی زمین رومی اور ایرانی سامراج سے پاک ہوگئی لیکن اس تطہیر کا مدعا یہ نہیں تھا کہ اب زمین پر عربوں کا سکہ رائج رواں ہو بلکہ اس لیے کہ اللہ کا بول بالا ہو۔ چناں چہ زمین خدا کے سب باغیوں سے خواہ وہ رومی تھے یا ایرانی اور عربی پاک کردی گئی۔ نیا اسلامی معاشرہ، اجتماعی نظم اور لوٹ کھسوٹ سے بالکل پاک تھا۔ یہ اسلامی نظام تھا اور اس میں عدل الٰہی پوری طرح جلوہ گر تھا۔ یہاں صرف میزان الٰہی میں ہر خوف وزیشت اور صحیح وغلط کو تولا جاتا تھا۔ اس عدل اجتماعی کی بنیاد توحید تھی اور اس کا اصطلاحی نام ''اسلام'' تھا۔ اس کے ساتھ کسی اور نام یا اصطلاح کا اضافہ کبھی گوارا نہیں کیا گیا اس پر صرف یہ عبارت کندہ تھی۔

''لا الہ الا اللہ''

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے''

سید قطب شہیدؒ کا یہ مضمون رسالت محمدی کے صلی اللہ علیہ وسلم کے آغاز، دعوت کے محور، کلمہ طیبہ نئے معانی و مفاہیم سے روشناس کراتی ہے۔ کلمہ طیبہ صرف ایک کلمہ نہیں بلکہ ایک انقلابی جملہ ہے جو انسان کو تمام بندشوں اور غلامی کی زنجیروں کو ختم کرتے ہوئے انسان کا تعلق خالق کائنات سے جوڑنے کے علاوہ انسان کی زندگی کو مقصد اور صحیح راہ پر گامزن کردیتی ہے۔ شاعر کی زبان میں:

مجھے ڈرا نہیں سکتی فضا کی تاریکی
مری سرشت میں ہے پاکی و درخشانی
تو اے مسافر شب خود چراغ بن اپنا
کر اپنی رات کو داغ جگر سے نورانی

''النبی الخاتم'' مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کی شاہکار تصنیف ہے۔ مولانا گیلانیؒ کا شمار برصغیر میں جید عالم دین، صحافی اور عظیم مصنف کے طور پر ہوتا ہے۔ سرزمین بہار سے تعلق رکھنے والے مولانا گیلانی نے دارالعلوم دیوبند سے لے کر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد تک علمی خدمات انجام دی ہے۔ وہ اعلیٰ پایہ کے محقق اور

اردو وادب زبان وادب کے ادیب تھے۔سوانح قاسمی، النبی الخاتم اور حضرت ابوذرؓ ان کی شاہکار تصانیف ہیں۔زیرنظر مجموعہ میں مولانا کی تصنیف النبی الخاتم سے ایک باب کو شامل کیا گیا ہے۔مولانا گیلانی نے لکھا ہے کہ"قبل اسلام عرب کی جہالت اور ترقی یورپ کے موجود روش کا موازنہ وتقابل کرتے ہوئے کہا ہے کہ جن برائیوں اور تاریکیوں کے دلدل میں عرب کا جاہل معاشرہ پھنسا ہوا تھا آج بھی وہ برائیاں ترقی یافتہ اور روشن خیال یورپی معاشرہ میں موجود ہے۔چناں چہ رسالت محمدی صلی اللہ صلی اللہ اور اس کے پیغام کی ضرورت جس طریقے سے چودہ سو سال قبل تھی آج بھی یہ پیغام اور دعوت تاریکیوں کے خاتمے کیلئے سب سے موضوع ہے"۔ایسے"النبی الخاتم" تاہم مجموعہ میں شامل مولانا کے اس مضمون کا مطالعہ کسی درجے میں تدارک کرتا ہے۔

جیسا کہ میں نے شروع ہی میں کہا تھا کہ مجموعہ قاسم کا "محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم" ایک ایسا گلدستہ ہے جس میں قدیم وجدید ماضی اور حال کے نامور مصنفین اور محققین کے مضامین کو شامل کیا گیا ہے۔مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ ہندوستان کی تحریک آزادی کے روح رواں، تقسیم ہند اور ملک کی آزادی کے بعد ہندوستانی مسلمانوں کے مسیحا اور جہد مسلسل سے بھرپور اور قوم وملت کیلئے وقف ہونے کے باوجود علمی میدان کے بھی ایک عظیم شاہکار تھے۔قصص القرآن مولانا کی معرکۃ الآراء تصنیف ہے۔مولانا کا مضمون"محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا خلق عظیم" اس خصوصی شمارے کی عظمت ورفعت کو اضافہ کرتا ہے۔بلاشبہ اخلاق ومحبت ایک ایسی طاقت ہے جس سے دنیا کو فتح کیا جاسکتا ہے چوں کہ نبی آخر حضرت محمد صلی اللہ دنیا کے سب سے بڑے کامل انسان ہیں اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق کریمہ سب سے مثالی وارفع ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اخلاق کریمہ کے ذریعہ فاتح عالم بن کر پوری دنیا میں چھاگئے اور مختصر وقت میں انقلاب رونما کردیا۔مولانا سیوہارویؒ نے اپنے اس مختصر مضمون میں اخلاق نبوی کے کئی اہم گوشوں کو اجاگر کیا ہے کہ کس طریقے سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت مشکل حالات میں بھی اعلیٰ اخلاق کا ثبوت پیش کرکے اپنے سخت ترین دشمنوں کا دل جیت لیا۔

مولانا قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی نے اپنے مضمون "پیغمبر اسلام کا پیغام امن میں" اسلام کے ظہور کے وقت پوری دنیا کے سماجی، معاشی اور معاشرتی حالات کا نقشہ کھینچا ہے۔مولانا نے لکھا ہے اس کہ وقت دنیا اپنے بدترین دور سے گزر رہی تھی، عیسیٰ علیہ السلام کے رخصت ہوئے 500 سال کا طویک عرصہ گزر چکا تھا۔دو آسمانی مذاہب یہودیت اور عیسائیت اپنی جڑوں اور اصلیت سے بہت دور ہوچکی تھی۔اس وقت کی تہذیب یافتہ قوموں میں ایران کا شمار ہوتا تھا مگر اس کی اخلاقی حالت یہ تھی کہ فحاشی وزناکاری ایرانی معاشرہ کا حصہ بن چکا تھا۔عوام کی بیٹیاں امراء اور اقتدار پر متمکن افراد کیلئے کھلونے سے بھی بدتر تھیں۔یونان میں عام انسانوں سے جینے کا حق تک چھین لیا گیا تھا۔عام انسانوں کے ساتھ جانوروں جیسے سلوک کا منظر دیکھنا امراء اور مقتدر طبقے کا سامان فرحت تھا۔ہندوستان میں انسانوں کو چار ذاتوں میں تقسیم کردیا گیا تھا جس میں ایک ذات کو جینے کا حق نہیں تھا۔یہودی خود کو اللہ کا بیٹا اور دوست سمجھتے تھے اس لیے وہ عیسائیوں کے جانوں کے دشمن بن بیٹھے تھے۔شہر صور میں یہودیوں نے عیسائیوں کا قتل عام کیا تھا۔یہودیوں نے ایران

اورروم کی جنگ میں ایرانیوں کے ہاتھوں قید ہونے والے 80ہزار عیسائیوں کوخرید کر اپنے آتش انتقام کی آگ بجھائی تھی۔ مدائن سے قسطنطنیہ تک پورا کرہ ارض دوشہنشاہوں کیلئے لقمہ اجل بن گیا تھا۔انسانیت ذلیل ہورہی تھی اور بادشاہت سرافتخار بلند کررہی تھی۔یہی صورت حال عرب معاشرہ کی تھی۔کون ایسی برائی نہیں تھی جس میں جزیرہ عرب میں مبتلانہیں تھا۔کسی قوم بھی کالٹریچراورشاعری اس قوم کی تہذیب وتمدن کی آئینہ دار ہوتی ہے ۔چناں چہ اس وقت کی عربی شاعری اورلٹریچرکو دیکھیں خواتین اور جنگ کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔مولانا زین العابدین سجاد میرٹھی نے اپنے مضمون میں کئی عرب شعراء کے اشعار کومثال کے طور پر پیش بھی کیا ہے۔

ظلم وستم، جوروجفا،قتل وغارت گری،سلب ونہب،عیاشی وفحاشی،عشرت پسندی وشہوت پرستی کی اس دنیا میں یکا یک ایک صدائے حق بلند ہوتی ہے۔حراء کے غار سے نکل کرصفا کی چوٹیوں پر کھڑے ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پیغام دیا کہ بیک وقت شہنشاہیت، سرمایہ داری، وطنیت، مذہبی منافرت اور انتقام درانتقام کے لامتناہی سلسلہ پرکاری ضرب لگ گئی۔یہی وجہ ہے کہ شہنشاہیت، سرمایہ داری، وطنیت اور مذہبی منافرت کے نام پر انسانوں کوغلام بنانے والے آپ کے خلاف متحد ہوگئے اور آپ کو ہی ختم کرنے کیلئے متحد ہوگئے،سخت سے سخت مشکلات کے باوجود جب غلبہ حاصل ہواتو اپنے صرف ایک سطری بیان ''لاتثریب علیم الیوم و انتم الطلقاء'' کے ذریعہ معاف کردیا۔یہ ہے اسلام کا پیغام امن۔مولانا زین العابدین سجاد میرٹھی کے اس مضمون اوراس کے پیغام کو برادران وطن تک پہنچانے کی ضرورت ہے تاکہ وہ اسلام کے اصل چہرے سے واقف ہوسکیں۔

مسلم پرسنل لابورڈ کے صدر مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے اپنے مختصر مضمون ''سیرت نبوی میں دعوت وسیاست کا امتزاج'' میں دعوت وسیاست کے حسین امتزاج پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ تاریخ انسانی میں پہلی مرتبہ اسلام نے دعوت وسیاست کو میدان عمل کے گلدان میں سجا کر دنیاوالوں کے سامنے پیش کیا ہے ۔مولانا نے لکھا ہے کہ دشمنان اسلام اور منافقین کی کارروائیوں کا تقاضا تھا کہ ان کے خلاف کارروائی کی جائے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت کے تقاضے کوپیش نظر رکھ کر معاف کردیا اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقع پرظاہری حالات کا تقاضا تھا کہ کفارمکہ کا مقابلہ کیا جائے مگر سیاسی بصیرت کے تحت آپ نے ایک قدم پیچھے ہٹ کر معاہدہ کرلیا مگر کسے معلوم تھا کہ یہ معاہدفتح مبین کا پیش خیمہ ثابت ہونے والا ہے۔مولانا نے مسلمانوں سے اپیل کی ہے کہ وہ یورپ کے طریقے کے بجائے سیاست کو دین سے جدانہ ہونے دیں بلکہ سیاست اور دین دونوں ساتھ چلیں گے تبھی دنیا کو فائدہ پہنچے گا۔علامہ اقبال نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے ؎

جدا ہوسیاست سے دین تورہ جاتی ہی چنگیزی

روم وفارس کی سامراجیت اور اہل عرب کی بدعقیدگی کے مقابلے رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیدہ توحید کے ساتھ دنیا کے سامنے جونظام حیات پیش کیا اس پردارالعلوم دیوبند کے سابق مفتی اعظم،جید عالم دین اوراردوادب کے مشہور ادیب ومورخ مفتی ظفیر الدین مفتاحیؒ نے اپنے مضمون ''رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا نظام حیات'' اختصار کے ساتھ پورے 23 سالہ حیات مبارک کے پیغام کوپیش کیا ہے۔ظاہر ہے کہ چند

صفحات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے نظام حیات کو پیش نہیں کیا جاسکتا ہے اس کیلئے دفتر کی ضرورت ہے تاہم مفتی ظفیر الدینؒ نے پیغام محمدیؐ کے کلیات کو پیش کیا ہے۔جس کی مدد سے سیرت کا قاری پیغام محمدیؐ کی دعوت اوران کے پیش کردہ نظام حیات کے منہج کو سمجھا جاسکتا ہے۔23 سالہ دوررسالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی کا کوئی بھی ایسا گوشہ نہیں چھوڑا جس کی طرف آپ نے رہنمائی نہیں کی بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عقیدہ توحید کو مضبوطی کے ساتھ پیش کرکے انسانیت کو بلند مقام عطا فرمایا۔ورنہ آپ سے قبل انسانیت خود انسانوں کے ہاتھوں پامال ہورہی تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ ’’یہ کائنات انسانوں کیلئے بنائے گئے ہیں۔زمین وآسمان، چاندوسورج، حیوانات وجمادات سب کے سب انسانوں کی راحت رسانی میں مشغول ہیں اوران سب کی تخلیق اسی لیےعمل میں آئی ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

سخرلکم الیل والنہار والشمش و القمر والنجوم مسخرات بامرہ ان فی ذالک لاآیت القوم یعقلون (النحل12)

مفتی ظفیر الدینؒ نے اپنے اس مضمون میں عقیدہ توحید، مساوات اوراخوت انسانی، شرافت کے معیار، جنگ وانتقام، صلح وآشتی، جہاد، معاصر حکومتوں کے ساتھ تعلقات اورامن وامان کے قیام کیلئے پیش کردہ نظام پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔رواداری، محتاجوں اور معذوروں کی مدد، عفت وعصمت، تعلیم و تربیت، اخلاق وعمل کی پاکیزگی سے متعلق آپ صلی اللہ وسلم کے طرزعمل اورآپؐ کےنظریات کواختصار کے ساتھ پیش کیا ہے۔

پوری دنیا بالخصوص ہندوستانی مسلمان مشکلات، ذلت و نکبت کے شکار ہیں، ہندوستان جہاں مسلمانوں نے 600سو سال سے زاید عرصے تک حکمرانی کی وہاں مسلمانوں کے وجود کوختم کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں، ملک کے اقتدار کے ایسی قوتیں قابض ہوگئی ہیں جنہیں مسلمانوں کا وجود قبول نہیں ہے۔جن کے نظریات اور فکر کو گزشتہ 70 سالوں سے عوام ٹھکرارہی تھیں آج ہندوستان کی بیشتر آبادی نے اس نظریہ وفکر کو قبول کرلیا ہے۔کم وبیش یہی صورت حال پوری دنیا میں ہے۔مسلم ممالک شکست و ریخت کے شکار ہیں، آپسی اختلافات وگروہ بندی کی وجہ سے خانہ جنگی کے شکار ہیں، شہنشاہی نظام نافذ ہونے کی وجہ سے عوام حقوق سے محروم ہیں، دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہوچکی ہیں۔پروفیسر محسن عثمانی ندوی جنہیں دینی وعصری اداروں میں پڑھانے کا تجربہ رہا ہے نے اپنے مضمون ’’مسائل کا حل سیرت کی روشنی‘ میں ہندوستان کے موجودہ مسائل کا تجزیہ کرتے ہوئے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں ہندوستانی مسلمانوں کی رہنمائی کی ہے۔انہوں نے ہندوستانی مسلمانوں سے ملک کے موجودہ حالات سے خوف زدہ نہیں ہونے کا مشورہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ’’مشکلات اور مسائل سے ہمیشہ زندہ قومیں دو چار ہوتی ہیں۔ان ہی سے ان کی قوت اور زندگی کا اظہار ہوتا ہے۔اس کی وجہ سے مدافعانہ قوت کی نشوونما ہوتی ہے۔انہوں نے لکھا ہے کہ یقیناً حالات سنگین ہیں، مسائل ومشکلات کے بھنور میں مسلمان پھنسے ہوئے ہیں۔مگراس سے باہر نکلنے کیلئے مسلمانوں کے پاس دوایسی نعمت ہے جو دنیا کے کسی قوم کے پاس نہیں ہے۔یہ دونعمیں کتاب اللہ اورسیرت طیبہ ہیں۔مسائل کا حل ومشکلات کے بھنور سے نکلنے

یہ دونوں کافی ہیں بس ضرورت اس بات کی ہے صدق دل اور یقین محکم کے ساتھ اس پر عمل کیا جائے۔

پروفیسر محسن عثمانی ندوی نے مسلمانوں کے سماجی تحفظ کے حوالے سے سیرت کی روشنی میں کی اہم مشورے دیے ہیں، ہندوستان کے موجودہ حالات کے تناظر میں یہ مشورے کافی اہم ہیں، انہوں نے مکہ کی زندگی کو بطور مثال پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مکہ میں مذہبی آزادی نام کی کوئی چیز نہیں تھی، کلمہ لا الہ الا اللہ کہنے والوں کے ساتھ لرزہ خیز ایذا رسانی اور تعذیب کی کوایسی قسم باقی نہیں تھی جو روا نہیں رکھا گیا تھا۔ دوسری طرف قرآن کا حکم تھا کفوا ایدکم واقیموا الصلاۃ (اپنے ہاتھ کو روکے رکھو اور نماز قائم کرو) مگر ان حالات میں مسلمانوں نے ایک طرف جہاں مسلمانوں نے قریش مکہ کے ممتاز شخصیتوں اور قبیلوں سے جوار حاصل کیا وہیں جنہیں حاصل نہیں تھا سو کے قریب صحابہ کرام نے حبشہ کی طرف ہجرت بھی کی۔ کیوں کہ ہندوستان میں جوار اور ہجرت کی اب گنجائش نہیں ہے مگر مسلمان سیاسی پارٹیوں کے ساتھ تعلقات اور حلف الفضول کو سامنے رکھ کر سماجی تحفظ کو یقینی بنا سکتے ہیں۔ محسن عثمانی نے مسلمانوں کو اشتعال انگیزی سے گریز کرنے کا مشورہ دیتے ہوئے مکہ مکرمہ 13 سالہ زندگی کے دوران آپ صلی اللہ علیہ پر کفار مکہ کے مظالم کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ ان حالات میں بھی آپ نے اشتعال ہونے کے بجائے صبر سے کام لیا اور اپنی پوری توجہ کار نبوت پر مرکوز رکھا۔ ٹکراؤ اور اشتعال انگیزی سے گریز کرنے کی پالیسی کا ہی نتیجہ تھا کہ اسلام کے قافلہ میں دن بدن اضافہ ہوتا چلا گیا۔ کل کا دشمن آج کا سب سے بڑا حامی ومعاون اور محافظ بن کر سامنے آ گیا۔ امارت اور اتحاد بین المسلمین پر زور دیتے پروفیسر عثمانی نے حبشہ کے احوال پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اور نجاشی کے فتح پر صحابہ کرام کی خوشی کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ ملک کے سیاسی و انتظامی معاملات سے واقفیت رکھنا مسلمانوں کا دینی تقاضا ہے اور مسلمانوں کو ہندوستانی سیاست میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہیے۔ انہوں نے سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعے پر زور دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس کے بغیر مسلمان قعر مذلت سے نہیں نکل سکتے ہیں۔

حکیم محمد سعید جو ایک مشہور معالج کے ساتھ مفکر اور علوم اسلامیہ کے ماہر بھی ہیں نے بھی انسانیت کی اصلاح وفلاح بہبود کیلئے سیرت طیبہ کی پیروی کو ضامن قرار دیا ہے۔ انہوں سیرت طیبہ کی روشنی میں سماجی انتشار اور معاشرہ کا حل پیش کیا ہے۔ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو کے مہتمم، اردو وعربی کے ادیب ومشہور عالم دین مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی نے اپنے مختصر مضمون ''سیرت رسول میں عصر حاضر کے مسائل کا حل'' کے ذریعہ مسلمانوں کو پیغام دیا ہے کہ مسلمانوں کے پاس سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں روشنی کا بلند اور عظیم الشان مینارہ ہے۔ جس کے ذریعہ وہ جاہلیت، غفلت اور گمراہی کی تاریکیوں کے ماحول سے رشد و ہدایت اور عزت و سرفرازی کے وسیع میدان میں پہنچ سکتے ہیں۔ انہوں نے لکھا ہے کہ مسلمان جب تک اپنی خواہشات اور امنگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے تابع نہیں کرتا ہے اس وقت تک عزت و سربلندی حاصل نہیں کر سکتا ہے۔ مولانا نے لکھا ہے کہ:

''حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ بلا کم وکاست اپنی پوری جامعیت وکمال کے ساتھ

ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔لہذا اس کا از سرنو اور بانداز نو مطالعہ کرنا ضروری ہے اور اس کی روشنی میں زندگی گزارنے کا شوق انتہائی لازمی امر ہے''

23 سالہ دور رسالت ونبوت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کا انحصار صرف روحانی پیشواء، معلم اخلاق اور مذہبی رہنما تک محدود نہیں تھی، بلکہ آپ مفکر، مدبر، منتظم کار، کمانڈر ان چیف اور ہزار ہاں خوبیوں کے تنہا مالک تھے۔آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت سے جہاں میں آپ نے وحدت انسانیت، اعلیٰ اخلاقی قدریں، خالق ومخلوق کے درمیان تعلقات کو مستحکم کیا وہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینۃ النبی کی شکل میں دنیا کے سامنے ایک عملی نمونہ پیش کیا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کو مکمل ریاست کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کیا جہاں کاروبار کے قوانین، پانی اسپتال، شہری سہولیات، اور اس کے تقاضے، ماحولیات کا خیال، دفاعی اعتبار سے مدینہ منورہ کی حفاظت، مدینہ میں مقیم مختلف شہریوں کے درمیان اخوت بھائی چارہ کا قیام، مذہبی اور اظہار خیال کی آزادی کا ماحول قائم کیا، مدینہ جہاں جو دو قبائلی جنگ کی وجہ سے برسہا برس سے تشدد اور جنگ کی آگ میں جھلس رہا تھا اس کا خاتمہ کیا ساتھ ہی مدینہ منورہ دولت کی غیر مساویانہ تقسیم، سودی نظام کی بربریت کی وجہ سے غریب امیر کے درمیان تقسیم ہو کر رہ گیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مور کی جانب توجہ دی اور ان سب سے بڑھ کر مدینہ میں ایک مثالی عدالتی نظام قائم کیا جہاں کٹہرے میں کسی کو بھی کھڑا کیا جا سکتا ہے۔عدل وانصاف کیلئے کسی بھی طرح کی تفریق نہیں تھی۔اسی نظام عدل کا کمال تھا کہ یہودی کا بیٹا گورنر کے بیٹے سے بدلہ لینے کے لئے اسلامی عدالت میں پہنچ جاتا ہے اور اسے انصاف بھی ملتا تھا۔

ماحولیاتی آلودگی، شہروں میں آبادی کا بڑھتا بوجھ اور بے روزگاری کی شرح میں اضافہ دور حاضر کا سنگین ترین مسئلہ ہے، شہروں پر بوجھ میں اضافہ ہو رہا ہے، اپنی وسعت کے لحاظ سے شہروں میں کہیں زیادہ آبادی میں اضافہ ہو گیا چناں چہ اس کی وجہ سے جہاں شہروں میں جرائم کے واقعات بالخصوص خواتین کے خلاف زیادتی کے معاملات میں اضافہ ہوا ہے وہیں گھنی آبادی، گندگی کی وجہ سے شہر کی فضا تعفن زدہ ہو گیا ہے۔علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں شعبہ دینیات کے پروفیسر سعود عالم قاسمی کا ''رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور شہری منصوبہ بندی'' اس شمارے کی زینت کا حصہ ہے، پروفیسر قاسمی نے شہری منصوبہ سے متعلق حضور صلی اللہ علیم کے انتظام کار پر بہترین اسلوب اور مدلل انداز میں روشنی ڈالی ہے۔اس مضمون کے مطالعے سے حیرت ہوتی ہے جدید دور میں بھی شہروں کو آباد کرنے سے متعلق جن اہم امور کو نظر انداز کر دیا گیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے 14 سو قبل مدینہ منورہ کی تعمیر میں ترقی کیلئے خیال رکھا۔اس مضمون کے مطالعہ سے سیرت کے اس پہلو سے آگاہی ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم داعی، مصلح کے ساتھ دنیا کے سب سے بڑے منتظم کار اور منصوبہ ساز شخصیت تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ پہنچے اس وقت مسلمانوں کی آبادی محض 500 کے قریب تھی، جب کہ مدینہ کی کل آبادی دس ہزار کے قریب تھی۔13 سالہ مکی دور میں دعوت الی اللہ اور عقیدہ توحید کی حقیقت کو ثابت کرنے کے بعد ضرورت اس بات کی تھی کہ آپ جن امور کی دعوت دے رہے ہیں اس کا عملی نمونہ

پیش کریں۔ مدینہ اس کیلئے بہترین محل تھا چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹکراؤ کی پالیسی چھوڑ کر پہلے مدینہ میں آباد مختلف قبیلے اور مذاہب کے درمیان معاہدے کیے ایک دوسرے سے امن کی ضمانت لی ''تاریخ میں اسے میثاق مدینہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو اسلامی ریاست کی دارالسلطنت کے طور پر قائم کیا شروعاتی دور میں اسلام قبول کرنے والوں کیلئے ہجرت لازمی قرار دیا تھا تا کہ مدینہ میں مسلمانوں کی آبادی میں اضافہ کیا جاسکے مگر جب مدینہ شہر میں آبادی میں اضافہ ہوگیا تو مدینہ میں ہجرت کی شرط ختم کردی گئی ،اس کے بعد شہری سہولیات، پینے کا پانی، علاج کے انتظامات، تعلیم و تعلم جیسی بنیادی سہولیات کا نظم کیا گیا ہے۔جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ طب نبوی سیرت کا ایک مستقل باب ہے، محدثین اور سیرت نگاروں نے طب نبوی پر مستقبل باب قائم کیا ہے۔طب نبوی پر مجموعہ قاسم میں بھی ایک مضمون شامل ہے جس پر اگلی سطروں میں تبصرہ کیا جائے گا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے حدود کو متعین کیا، آبادی پر نظر رکھنے کیلئے ہر سال مردم شماری کرائی، مدینہ میں مقیم شہریوں کی حفاظت اور دفاعی نظام پر توجہ دی گئی ہے ۔اسی طرح شہر کی خوبصورتی پر بھی توجہ دی گئی ۔ پروفیسر سعود عالم قاسمی کے مضمون ان تمام مذکورہ بالا امور پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے۔ان کے مضمون کا اختتام ان الفاظ میں ہوتا ہے۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ شہر کی کی منصوبہ بندی کرتے وقت صرف اس کی آباد کاری اور سہولیات کی فراہمی کا ہی خیال نہیں رکھا بلکہ شہر کی زینت و رونق اور خوبصورتی کو بھی پیش نظر رکھا، اسی وجہ سے یہاں کے قلعوں کو مسمار کرنے اور بلا ضرورت درختوں کو کاٹنے سے منع فرمایا۔ چناں چہ محدث امام بیہقی فرماتے ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی زینت اور خوبصورتی کو پیش نظر رکھا، تا کہ شہریوں کیلئے اچھی سکونت کی جگہ بنے ،اسی لیے آپ نے مدینہ کے قلعوں اور گڑھیوں کو مسمار کرنے سے منع فرمایا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ نے مدینہ کے قلعوں کو مسمار کرنے سے یہ کہہ کر منع فرمایا کہ یہ مدینہ کی زینت ہے۔''

ماحولیاتی آلودگی کی وجہ سے دنیا کئی مسائل کی شکار ہورہی ہے،گلوبل وارمنگ کی وجہ سے گلشیئر پگھل رہے ہیں اور سمند کی سطح میں اضافہ ہونے کے اضافہ ہوگیا ہے۔ایک رپورٹ کے مطابق 2050 تک بنگلہ دیش اور کلکتہ کی نصف آبادی غرق آب ہو جائے گی۔آب و ہوا ہی نہیں بلکہ صوتی آلودگی کی وجہ سے بھی جینا حرام ہو چکا ہے چناں چہ دیہی علاقوں میں مقیم افراد کے مقابلے شہروں میں آباد افراد دل اور شوگر جیسے موذی اور مہلک مرض کے زیادہ شکار ہیں، جینائی اور ضیائی آلودگی کی وجہ سے انسان مختلف امراض کا شکار ہورہا ہے۔ایسا نہیں ہے کہ ماحولیاتی آلودگی پر کنٹرول کرنے کی کوششیں نہیں ہورہی ہیں، بلکہ بین الاقوامی سطح پر کانفرنسوں کا انعقاد ہو چکا ہے ۔ پیرس معاہدہ میں دنیا کے کئی ممالک شامل ہیں مگر ترقی یافتہ ممالک اس معاہد پر خود عمل کرنے میں سنجیدہ نہیں ہے وہ صرف ترقی یافتہ ممالک سے اس معاہدہ پر عمل پیرا ہونے کی امید کررہے ہیں۔از خود عمل سے خالی ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے قرآن کریم کی روشنی میں ہر طرح کے فساد کو دور کیا جس میں ماحول کا انتشار اور خلل بھی شامل ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے طہارت اور نظافت کے سلسلے میں شعور جو بیدار کیا اور عملی اقدام کے متعلق صاف وشفاف لائحہ عمل مرتب فرمایا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائے میں غلاظت کرنے والوں پر لعنت بھیجی نظافت وصفائی کو نصف ایمان قرار دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی کی فضول خرچی کو ناپسند فرمایا، کیوں کہ پانی پر زندگی کا انحصار ہے ،ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے آپ نے منع فرمایا، تعلیمات محمدیؐ میں ایسے ایندھن کے استعمال سے منع فرمایا جس سے پڑوسیوں کو تکلیف پہنچے، آپ نے شجر کاری کی ترغیب دی ،بلاضرورت درختوں کو کاٹنے سے منع فرمایا، شجر کاری کو صدقہ قرار دے کر اس کیلئے ہمت افزائی کی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر قیامت کا وقت آجائے اور تم میں سے کسی کے ہاتھ میں کھجور کا پودا ہو تو قیامت برپا ہونے سے قبل وہ اگر اس کو لگا سکتا ہے تو ضرور اس کو لگا دیں (مسند احمد) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھوں سے خود درخت لگایا ہے۔مدینہ منورہ سے 20 کلو میٹر کی دوری پر واقع ”وادی عقیق میں رسول اللہ نے گھوڑوں کیلئے چراہ گاہ بنائی۔کچھ دنوں کے اس میں اتنی ہریالی ہوگئی کہ ایک گھوڑسوار اس میں غائب ہوسکتا تھا۔اس کی وجہ سے یہ صرف گھوڑوں کی چراہ گاہ ہی نہیں رہی بلکہ ایک تفریح گاہ بھی بن گیا۔پروفیسر سعود عالم قاسمی نے لکھا ہے کہ

”ایک مرتبہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم جب وادی عقیق کی سیر سے لوٹے تو آپ نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں وادی عقیق کی سیر سے آرہا ہوں، کتنی موزوں جگہ اور کتنا میٹھا اس کا پانی ہے۔ حضرت عائشہ سے فرمایا کہ پھر کیوں نہ ہم لوگ وہاں منتقل ہوجائیں؟۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب یہ کیسے ممکن ہے لوگوں نے مدینہ میں گھر بنالیے ہیں۔صحابہ کرام میں جو اہل ثروت تھے وہ وہاں جاکر محلات تعمیر کر لیتے تھے ۔یہ گویا ان کیلئے سمر ہاؤس تھے اہل مدینہ کیلئے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ ایک خوبصورت عطیہ تھا“۔

حجۃ الوداع کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبے کو بھی مختصر انداز میں ”تحفظ حقوق انسانی کا عالمی منشور کے عنوان سے شامل کیا گیا تھا۔ضرورت اس بات کی تھی اس خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب کو تفصیلات کے پیش کیا جاتا کیوں کہ یہ خطبہ جیسا کہ عنوان میں بتایا گیا ہے کہ یہ حقوق انسانی کا عالمی منشور ہے۔اس کا موازنہ اقوام متحدہ کے چارٹر سے کیا جاتا تا کہ تعصب کی عینک سے سیرت نبوی کا مطالعہ کرنے والوں کے ذہن و دماغ پر دستک دی جاتی ۔10 دسمبر 1948 سے ہر سال پوری دنیا عالمی یوم حقوق کا بڑے ہی دھوم دھام سے پروگرام کرتی ہے۔چند رپورٹیں شائع ہوتی ہیں، کچھ شہیدوں کو یاد کیا جاتا ہے اور کچھ عہد و پیماں ہوتے ہیں اور یہ ہر طرفہ تماشا اگلے سال کیلئے ملتوی ہوجاتا ہے۔اقوام متحدہ کے رکن ممالک کے درمیان کافی بحث و مباحثہ کے بعد 10 دسمبر 1948 کو 30 دفعات پر مشتمل بین الاقوامی امن چارٹر منظور کیا گیا۔جس میں شخصی، شہری آزادی، سیاسی آزادی، معاشی آزادی اور اقوام متحدہ کے رکن ممالک کے لئے

معاشی، سماجی وتہذیبی حقوق تسلیم کیے گئے۔

حقوق انسانی کیلئے سرگرم تنظیموں نے مختلف ممالک میں حقوق انسانی کی تلفیوں سے متعلق جو رپورٹیں جاری کی ہیں اس سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ بین الاقوامی امن چارٹر کے نفاذ کے 7 دہائی بعد بھی حقوق انسانی کی صورت حال بدترین ہے۔ بھوک مری سے مرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ امریکہ جیسے ترقی یافتہ ممالک میں بھی حقوق انسانی کی صورت حال بدتر ہے۔ اظہار رائے کی آزادی کے نام پر طاقت سے محروم طبقات پر اپنی تہذیب وثقافت اور کلچر کو تھوپا جارہا ہے۔ بلکہ یہ کہا جائے کہ اظہار رائے کی آزادی اور روشن خیالی کے نام پر جس ثقافت وکلچر کو پروان چڑھایا جارہا ہے اس سے انسان خاندانی نظام سے محروم ہوتا جارہا ہے، پوری دنیا کثرتِ زنا کی وجہ سے انسانیت کے مقدس جذبے سے محروم ہوچکی ہیں۔ آج انسانیت کا راگ الاپنے والے انسانیت سے عاری ہوچکے ہیں، نسلی، علاقائی، لسانی اور مذہبی تعصب نے انسان کو انسان تسلیم کرنے سے انکار کردیا ہے، دولت کی ہوس اور سودی نظام نے ہمدردی، پیار ومحبت اور انسان شناسی کی قوت کو ختم کردیا، طاقتور قوموں کی وسعت پسندانہ رویہ نے سمندروں کو خون آلود کردیا ہے۔ عالمی امن کے نام نہاد ادارے سامراجی قوتوں کے ہاتھوں کھلونے بن چکے ہیں۔ سب سے خراب صورت حال خواتین کا ہے۔ خواتین کی آزادی، مساوات کے نعروں کے درمیان سب سے زیادہ ظلم صنف نازک ہی ظلم و تشدد کا شکار ہے۔ سوال یہ ہے کہ آخر کیوں عالمی امن چارٹر اپنی افادیت ثابت کرنے میں ناکام ہوچکی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اقوام متحدہ کے رکن ممالک اگر اس عالمی منشور کا نفاذ صدق دلی اور ایمان داری سے کرتے تو یقیناً دنیا امن و امان کا گہوارہ ہوجاتا، ظلم وتشدد کے بازار بند ہوجاتے، صنف نازک کے استحصال کا سلسلہ رک جاتا اور سامراجی واستعماری قوتیں اپنے آپ مرجاتی مگر جن لوگوں نے اس عالمی منشور کے نفاذ کی ذمہ داری لی تھی وہ صدق دل نہیں تھے، ان کے ارادے ناپاک تھے وہ اس عالمی منشور کو اپنے وسعت پسندانہ عزائم کی تکمیل کا ذریعہ بنالیا۔ خود کو عالمی امن کا ٹھیکیدار بننے والے سب سے زیادہ حقوق انسانی کی پامالیاں کی۔ گزشتہ 6 دہائیوں کے دوران رونما ہونے والے واقعات یہ چیخ چیخ کر اعلان کررہے ہیں کہ مغرب نے کبھی بھی عالمی منشور کے نفاذ کی سنجیدہ کوشش نہیں کی۔ اس عالمی منشور کو ہر اس قوم اور ملک کے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کیا گیا جو اس کے سیاسی ومعاشی مفادات کی راہ میں روکاوٹ بن گئے۔

آج انسانیت درد سے کراہ رہی ہے۔ ایک طرف لوگ زندگی کے اعلیٰ معیار سے لطف اندوز ہورہے ہیں تو دوسری طرف کثرت سے لوگ بھوک' پیاس' غربت' جہالت' کم علمی' سیاسی شعور کی کمی' بے روزگاری' غلامی اور تنگ دستی کے شکار ہیں۔ طاقتور قومیں آج بھی غریب ملکوں پر اپنا تسلط قائم کیے ہوئے ہیں۔ گویا اقوام متحدہ کا امن چارٹر انسانوں کو فائدہ پہنچانے میں بالکل ناکام ثابت ہوچکا ہے بلکہ یہ بات صدفیصد درست ہے کہ اس سمت میں جتنی بھی کوششیں کی گئی ہیں سب کے سب رائیگاں ہی گئیں۔ ایسے حالات میں اس وقت دنیا کو ایک ایسے عالمی منشور کی ضرورت ہے۔ جو انسانوں کو انسان کے مظالم سے محفوظ کردے، خواتین کی عزت برسر بازار نیلام ہونے سے محفوظ کردے۔ ایک ایسا منشور

جوغریب اور کمزورطبقات کوان کے حقوق دے سکے۔ جوغریبی اور امیری کے درمیان بڑھتے فاصلے کوکم کردے۔ ایک ایسا منشور جو وسعت پسندانہ ذہنیت پر لگام کس سکے۔ ظاہر ہے کہ اس خلا کو صرف ایک ہی عالمی منشور پر سکتا ہے جسے 14 سو سال قبل محسن انسانیت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات کے میدان میں اپنے آخری خطبہ کے دوران پیش کیا تھا۔

محمد عربی ﷺ نے ایک ایسے وقت میں انسانیت کا پیغام دیا تھا جب یورپ تو مکمل اندھیرے میں تھا ہی، اس وقت کی ایران و روم جیسی روشن خیال ریاستیں بھی حقوق انسانی کے اصطلاحات سے ناآشنا تھیں اوراسلام دنیا کے سامنے جو عالمی منشور پیش کیا وہ کسی فکری کشمکش، انقلاباتِ زمانہ اورتحریکوں کے دباؤ کے نتیجے میں ظہور پذیر نہیں ہوا بلکہ حقوقِ انسانی کے تمام اُصول واحکام وحی الٰہی کے چشمہ صافی سے پھوٹا ہے۔ عالمی منشور کے سنہرے اصول، شاندارروایات اوراعلیٰ اقدار کی نظیر دنیا کی کوئی قوم پیش کرنے میں اب تک ناکام ہے۔ محمد عربی ﷺ کے عالمی منشور میں چند ایسی خصوصیات ہیں جس سے اقوام متحدہ کا امن چارٹراور دیگر حقوق انسانی کے اداروں کے قوانین محروم ہیں۔ کیوں کہ معلم کائنات ﷺ نے اپنی ساری توجہ انسان کے شعور کو بیدار کرنے اور جھنجھوڑنے پر مبذول کیا تاکہ انسان اللہ کی ذات پر ایمان لے آئے اوراسی کو اپنا حاکم اور مقتدرِاعلیٰ مان لے اسلام کا دستور کائنات کوالٰہیاتی نظر سے دیکھتا ہے کہ کون سی چیزیں انسان کیلئے نفع بخش ہے اورکون سی نقصان دہ۔ اسلام کے انسانی حقوق کے دستور کی دوسری نمایاں خوبی اس کا دوام اور استحکام ہے۔ حالاتِ زمانہ کی گردشیں ان پراثر انداز نہیں ہوسکتیں۔ کیوں کہ اسلام میں حق سے مراد ''وہ مسلمہ صداقت وواقعیت ہے جس سے انکار نہیں ہوسکتا۔'' اسلام میں انسانی حقوق کی بنیاد 'احسان' پر رکھی گئی ہے۔ اسلام میں انسانی حقوق ایسے چشمہ صافی سے پھوٹتے ہیں، جہاں ایک بندے کو ہر وقت اللہ کا خوف دامن گیر رہتا ہے۔ جہاں ہر وقت، ہرلحہ انسان کو یہ خیال رہتا ہے کہ وہ خدا کو دیکھ رہا ہے یا خدا اسے دیکھ رہا ہے۔ ظاہر ہے اس مقام پر کھڑا ہوکر انسان حقوق کی پامالی کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔ احسان کی تعریف نبی نے یوں بیان فرمائی ہے: ''تو اس طرح اللہ کی عبادت کر جیسے تو اللہ کو دیکھ رہا ہے۔ اگر تو اللہ کو نہیں دیکھ سکتا تو کم ازکم یہ تصور ضرور ہوکہ خدا تجھے دیکھ رہا ہے۔'' پھر اسلام نے انسانی حقوق کا جو تصور دیا ہے، اس کے درمیان اور اس دین کی فطرت کے درمیان مکمل یکجہتی، یکسانیت اور ہم آہنگی ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ اسلام نے حقوق کو یوں ہی مطلق اور بے مہار نہیں چھوڑ دیا بلکہ ان کے اوپر احکامِ شریعت اور مقاصدِ شریعت کا فریم چڑھایا، ان کو آداب، اخلاق اور دین کا پابند بنایا اور پھران آداب اوراخلاقیات اوردین کی پامالی کوانسانی حقوق کی پامالی قرار دیا۔ گویا اسلام نے تمام حقوق کوالٰہی بنیادوں پر استوار کیا ہے اوراس بنیاد کومکمل طور پر فطرتِ ربانیہ یعنی فطرتِ اسلام کے با ہم آہنگ اور مربوط کردیا ہے۔ اسلام میں حقوقِ انسانی کی بنیاداس اصول پرقائم ہے کہ معاشرہ کی بالادستی فرع اور افراد کی بالادستی اصل ہے۔ معاشرہ کی بالادستی کواصل اورفرد کی بالادستی کواس کے تابع قرار دینا اسلام کی رو سے غلط ہے۔ لیکن دور حاضر میں انسان کا خودساختہ نظام اسی اصول کا مرہونِ منت ہیں۔

انسانی حقوق کی ادائیگی اور اسلامی اخلاق کی فراوانی

اسلامی رحمت اور رفعت کے پیکر میں محبت، خلوص اور یکجہتی انسانی حقوق اور اسلامی اخلاق کی بنیاد ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ بنی نوع انسان پر اسلام کی رحمت وعفت کا بنیادی مظہر عقیدہ توحید اور رسالت محمدی پر غیر متزلزل ایقان ہے۔ توحید سے آزادی کا تصور ابھرتا ہے۔ اور رسالت محمدی سے انسانی حقوق کا جذبہ کار فرما ہوتا ہے۔ عقیدہ توحید اور رسالت درحقیقت انسانی شرف و عظمت اور آزادی کا سرچشمہ ہے۔ اسلام میں انسانی حقوق کا جو جامع تصور پیش کیا گیا ہے اس میں انسانیت کا احترام انسانوں سے رحم وکرم کا برتاؤ، انسانی اخوت، مساوات کی پاسداری، انسانی جانوں اور املاک کی حفاظت حق ملکیت وتصرف، عزت و ناموس کا تحفظ، شخصی آزادی، دین ومذہب کی آزادی، ظلم وجبر کے خلاف چارہ جوئی۔ حصول انصاف کا حق آزادی، خیال، عورتوں کے حقوق کا تحفظ، بچوں کے حقوق کا تحفظ، غلاموں، معذوروں اور کمزور طبقات کے افراد کے حقوق کا تحفظ، معاشی بحران، معاشرتی اور تہذیبی رواداری وغیرہ جیسے اہم امور شامل ہیں۔

لیکن افسوس ناک صورت حال یہ ہے کہ امت مسلمہ نے خود انسانیت کے اس درس کو فراموش کر دیا ہے۔ کیا یہ ہر طرفہ تماشا نہیں ہے کہ دنیا کو جس قوم نے سب سے پہلے احترام انسانیت، اظہار رائے کی آزادی، فکر وعمل کی آزادی کے اصطلاحات سے باخبر کرایا، آج اسی قوم کو علمی لحاظ سے تہہ دست ہونے کا طعنہ دیا جارہا ہے۔ اسی قوم کو حقوق انسانی کا غاصب، انتہا پسند، رجعت پسند قرار دیا جارہا ہے۔ ان حالات میں مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ پہلے وہ خود اس بات سے آگاہی حاصل کرے کہ اسلام نے حقوقِ انسانی کا جو تصور پیش کیا ہے، وہ کونسی خصوصیات کے حامل ہیں جو اسے باقی دنیا کے قوانین سے ممتاز کرتی ہیں اور کون سے وہ اُصول اور اقدار ہیں جن پر یہ دستور مشتمل ہیں۔ پھر اسلام نے بنیادی انسانی حقوق کا جو جامع دستور دیا ہے، اس کو عالمی سطح پر نافذ کرنے اور دوسروں کو اس دستور کا قائل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ مسلمان ان حقوق کو دنیا کے سامنے واضح کرنے کے بعد خود ان حقوق کو اپنی زندگی میں نافذ کر کے عملی نمونہ پیش کریں۔ یقیناً ہم اپنے اس قدم سے سسکتی وبلکتی دنیا کی مدد کر سکتے ہیں۔ خیر امت ہونے کے ناطے یہ ہمارا اخلاقی فریضہ ہی نہیں بلکہ یہ ہماری دینی ذمہ داری بھی ہے ہم انسانیت کی خدمت کیلئے خود کو پیش کریں اور ان کی رہنمائی کریں۔ زیادہ تعداد میں خطبہ حجۃ الوداع کے پیغام کو دنیا میں بسنے والے اقوام عالم تک پہنچائیں۔

دستور ہند کے چیپٹر میں بنیادی حقوق مدون کئے گئے ہیں۔ جس میں کسی قسم کی ترمیم بھی نہیں کی جاسکتی۔ کیونکہ بنیادی حقوق ہمارے دستور کا بنیادی ڈھانچہ ہیں۔ سپریم کورٹ نے کہا کہ دستور کے بنیادی ڈھانچے کو بدلا نہیں جاسکتا ہے، بنیادی حقوق آرٹیکل 14 سے آرٹیکل 30 تک محیط کئے ہوئے ہیں۔ اگر آپ ان پر ایک نظر ڈالیں گے تو معلوم ہوگا کہ بنیادی حقوق، انسانی حقوق کی طرح کسی نہ کسی زاویہ میں حجۃ الوداع کے خطبہ کی دین ہیں۔ جہاں بنیادی حقوق محدود ہیں یعنی ان کی تعداد محدود ہے۔ وہاں انسانی حقوق لامحدود ہیں۔ مادر شکم میں آنے کے ساتھ ہی انسانی حقوق کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے اور اس کا اختتام در گور ہونے پر ہوتا ہے۔ اس طرح یہ معلوم ہوا کہ انسانی حقوق ہوں کہ بنیادی حقوق ہر ایک

پر حجۃ الوداع کے خطبہ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف مواقع پر فرمائی ہوئی تعلیمات اثر انداز ہوتی ہیں بلکہ بلا کسی ذہنی تحفظ کے یہ کہا جاسکتا ہے کہ انسانی حقوق ہو یا دستور ہند کے بنیادی حقوق ان پر کسی نہ کسی زاویہ سے اسلامی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

اسلام فوبیا کے شکار افراد اسلام، مسلمان اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو حقوق نسواں، تعدد ازدواج اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی کے حوالے سے ہدف ملامت بناتے ہیں، اسرائیلی روایات کا سہارا لے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں اسلام میں خواتین کو حقوق اور آزادی سے محروم کردیا گیا ہے۔ پردہ کے نام پر خواتین کو گھر کی زر خرید غلام بنادیا گیا ہے۔ اس حوالے سے اس شمارے میں مولانا محمد قمر الزماں الہ آبادی کا مضمون ''حقوق نسواں، تعلیمات نبوی کی روشنی میں، بیگم خدیجۃ النساء سنگاپور کا مضمون ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور نسواں، مولانا عین الحق قاسمی کا مضمون رسول خدا کی ازدواجی زندگی اور مولانا جعفر شاہ پھلواری شریف کا مضمون حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تعدد ازدواج'' کے شامل کر کے اسلام فوبیا کے شکار ذہنی مریضوں کے علاج کا سامان فراہم کیا گیا ہے۔ مذکورہ بالا مضمون نگاروں نے خواتین اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواجی زندگی سے متعلق ان کے اعتراضات کا بھرپور جواب دیا ہے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی انسانی تاریخ میں پہلی ایسی شخصیت ہیں جنھوں نے خواتین کی قدردانی اور احترام کو بلند کرتے ہوئے ایک ایسے دور میں جب بیٹیوں کی پیدائش باعث عار تھی، ان کے دفن کیلئے پہلے سے ہی قبر کھود کر رکھی جاتی تھی مگر محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹوں نہیں بلکہ بیٹیوں کی پیدائش اور ان کی تربیت کو وسیلہ جنت بنادیا۔ نیک بیوی کو دنیا کی بہترین متاع اور ماں کے قدموں تلے جنت رکھ دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روشن تعلیمات کی بنیاد پر جو معاشرہ وجود میں آیا اس میں عورت کو عزت ووقار ملا اور بلند مقام نصیب ہوا اور یہ حقیقت بھی سامنے آئی کہ مرد وعورت معاشرتی نظام کی پہلی اکائی یعنی خاندان کے ضروری اجزاء ہیں۔ ان میں اشتراک وتعاون اور ایک دوسرے کے حقوق وفرائض واضح کیے گئے ہیں۔ ایک دوسرے کے احترام کا پابند بنایا گیا ہے اور خواتین سے متعلق ناانصافی سے گریز کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

ہندوستان میں تین طلاق کو لے کر زور شور سے باتیں بنائی گئیں، مسلم دشمنی پر مبنی آئیڈیولوجی رکھنے والی بی جے پی والی حکمراں جماعت نے مسلم خواتین کیلئے مسیحا بننے کی کوشش کی مگر ان کے یہاں کیا ہو رہا ہے اس کا اندازہ ''بی بی سی'' کی ایک ڈاکیو منٹری فلم "Let her die" (بچی کو مرنے دو) میں برطانوی صحافی ایمٹک بوچانن نے انکشاف کیا کہ ہندوستان میں مادہ جنین کا علم ہونے پر روزانہ 3000 حمل ضایع کردیے جاتے ہیں، اگر اس عدد 365 دنوں سے ضرب دیں تو یہ تعداد دس لاکھ سے تجاوز کر جائے گی۔ راجستھان اور تمل ناڈو میں اسقاط حمل کی شرح سب سے زیادہ ہے۔ علانیہ کہا جاتا ہے کہ "Invest Rs.500 and save Rs, 500,000 پانچ سو روپے خرچ کیجئے پانچ لاکھ روپے بچایئے (پانچ سو روپے میں سونو گرافی ہوجاتے ہیں جب کہ بچیوں کی پرورش پر 5 لاکھ روپے کا صرفہ آتا ہے) تمل ناڈو سرکاری اسپتال کی رپورٹ کے مطابق

10 نوازئیدہ بچوں میں سے 4 کی موت نیند کے انجیکشن کی وجہ سے ہوتی ہے۔ حیریت انگیز بات یہ ہے کہ یہ غربت اور جہالت کی وجہ سے نہیں ہوتا ہے بلکہ تعلیم یافتہ اور دولت مند گھرانوں میں مادر رحم میں بچیوں کو ختم کرنے کی شرح سب سے زیادہ ہے الامان الحفیظ۔ تازہ سرکاری اعداد و شمار کے مطابق جنوبی دہلی جن کا شمار ملک کے خوش حال علاقوں میں ہوتا ہے وہاں ایک ہزار بچوں پر صرف 762 بچیاں ہیں۔ اسی طرح ممبئی کے سب سے خوشحال علاقہ بوریولی میں یہ شرح فی ہزار بچوں پر صرف 726 بچیاں ہیں۔ مگر محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا ہی نتیجہ ہے کہ مسلمانوں میں جنسی تناسب کی شرح سب سے بہتر ہے۔ بلکہ اس میں اضافہ ہوا ہے۔ سچر کمیٹی رپورٹ جس میں مسلمانوں کی پسماندگی اور جہالت پر چشم کشا رپورٹ شایع کی تھی مگر جنسی تناسب معاملے میں یہ رپورٹ مسلمانوں کے رویہ کی تعریف کی ہے۔ رپورٹ کے الفاظ ہیں'

This is a very significant finding the fact that the sex ratio among muslim is aimproving while it is on a dange- raous decline among section of the population show that among the there is far less bias against the girl child

''یہ ایک چشم کشا حقیقت ہے کہ مسلمانوں کا جنسی تناسب بہتر ہو رہا ہے۔ جب کہ دوسری قوموں میں خطرناک حد تک گر رہا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں بیٹی کے خلاف بہت کم تعصب برتا جاتا ہے۔''

مسلمانوں کے اس رویہ کی وجہ صرف اور صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ تعلیمات ہیں جن میں بیٹوں کی پرورش کے مقابلے بیٹیوں کی پرورش پر والدین کی حوصلہ افزائی، جنت کی بشارت اور دنیاوی سرخروئی کا مژدہ سنایا گیا ہے۔ ذخیرہ احادیث میں متعدد مقام پر بچیوں کی پرورش کرنے والے والدین کو جنت کی بشارت سنایا اور کہا کہ جس نے دو بچیوں کی پرورش کی وہ جنت میں میرے ساتھ رہیں گے۔ جہاں تک خواتین کی عزت وتکریم کا سوال ہے کہ خطبہ حجۃ الوداع جس کی تفصیلات اوپر میں آئی ہے اس کے الفاظ مبارکہ کی ترجمانی ملاحظہ ہو:

''لوگو! تمہارے اوپر جس طرح تمہاری عورتوں کے حقوق ہیں اسی طرح ان پر تمہارے کچھ حقوق واجب ہیں، عورتوں پر تمہارا حق یہ ہے کہ تمہارے گھروں میں کسی ایسے کو نہ آنے دیں جنہیں تم نہیں چاہتے اور یہ کہ معروفات میں تمہاری نافرمانی نہ کریں، اگر وہ وہ فرماں برداری کریں تو ان پر (زیادتی کرنے کی) کوئی راہ نہیں ہے۔ پس عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو اور عورتوں سے متعلق تمہیں تلقین کرتا ہوں''

اردو زبان میں سیرت کی معرکۃ الآراء کتاب ''سیرت النبی'' جو علامہ شبلی نعمانیؒ اور ان کے شاگرد رشید علامہ سید سلیمان ندویؒ کی مشترکہ تصنیف ہے میں خطبہ جلیلہ کے مذکورہ بالا جملے پر اس طرح تبصرہ کیا گیا ہے۔

''آج تک عورتیں ایک جائداد منقولہ تھیں جو قمار بازی میں دانوں پر چڑھا دی جاسکتی تھیں۔ آج پہلا دن ہے یہ گروہ مظلوم، یہ صنف لطیف، یہ جوہر نازک قدردانی کا تاج پہنتا ہے''۔ (سیرۃ النبی جلد 2 صفحہ 121)

جہاں تک اسلام کے ذریعہ مرد وعورت کے درمیان اختلاط پر روک لگانے اور تعدد ازدواج کی بات ہے تو مجموعہ قاسم میں شامل مضمون نگاروں نے اس جانب بھر پور گفتگو کی ہے ۔بالخصوص بیگم خدیجۃ النساء کے مضمون ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ،طبقہ نسواں'' مرد وعورت کے درمیان تفریق اور مولانا جعفر شاہ پھلواری نے ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تعدد ازدواج'' میں تعدد ازداوج کی حکمت پر سیر گفتگو کی گئی ہے ۔تاہم مرد وخواتین کے اختلاط اور مرد اور عورت کے مساویانہ حقوق کی جدوجہد کا آغاز ''صنعتی انقلاب'' کے ساتھ ہی شروع ہوگیا تھا۔صنعت انقلاب کے حامیوں نے بہت ہی زور شور کے ساتھ یہ نعرہ بلند کیا کہ ''عورت ومرد'' دونوں یکساں اور دونوں مساوی طور پر نسل انسانی کے وارث ہیں ۔ان کے درمیان تفریق کرنا جرم عظیم ہے ۔تاہم اس نظریہ کے داعی اور خالق یورپ کے مفکرین اور دانشوروں نے جلد ہی اس حقیقت کا ادراک کرلیا کہ یہ نظریہ فطرت کے خلاف ہے ۔'ڈاکٹر الکسس کیرل' جیسے مغربی مفکرین نے بھی تسلیم کیا ہے کہ مرد وعورت کے درمیان فیزیکل فرق ہیں ۔انہوں نے لکھا ہے کہ:

> ''مرد واور عورت کا فرق محض جنسی اعضا کی خاص شکل، رحم کی موجودگی ،حمل یا طریقہ تعلیم ہی کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ یہ اختلاف بنیادی قسم کے ہیں ،خود جسموں کی بناوٹ اور پورے نظام جسمانی کے اندر خاص کیمیائی مادے وخصیۃ الرحم سے مترشح ہوتے رہتے ہیں ،ان اختلافات کا حقیقی باعث ہیں ،صنف نازک کے ترقی کے حامی ان بنیادی حقیقتوں سے ناواقف ہونے کی بناپر یہ سمجھتے ہیں کہ کہ دونوں جنسوں کو ایک ہی قسم کی تعلیم ،ایک ہی قسم کے اختیارات اور ایک ہی قسم کی ذمہ داریاں ملنی چاہیں ۔حقیقت یہ ہے کہ عورت ،مرد سے بالکل ہی مختلف ہے اس کے جسم کے ہر ایک حلیے میں زنانہ پن کا اثر موجود ہوتا ہے، اس کے اعضا اور سب سے بڑھ کر اس کے اعصابی نظام کی بھی یہی حالت ہوتی ہے، فعلیاتی قوانین (PHYSIOLOGICAL LAW) اتنے ہی اٹل ہیں جتنے کہ فلکیات (SIDEREAL WORLD) کے قوانین اٹل ہیں ،انسانی آرزوٴں سے ان کو بدلا نہیں جاسکتا ہے ہم ان کی اسی طرح ماننے پر مجبور ہیں ،جس طرح وہ پائے جاتے ہیں ،عورتوں کا چاہیے کہ اپنی فطرت کے مطابق اپنی صلاحیتوں کی ترقی دیں اور مرد کی نقالی کرنے کی کوشش نہ کریں''
>
> (مذہب اور جدید چیلنج۔MAN THE UNKONOW (P93

چناں چہ بیشتر شعبوں میں گرچہ خواتین کام کررہی ہیں مگر اب تک انہیں برابری کا حق نہیں مل سکا ہے ،ہر جگہ مردوں کی حکمرانی ہے ۔مساوی حقوق کے صرف کھوکھلے نعرے ہیں ۔جہاں آزادانہ اختلاط کی بات ہے تو اس کی وجہ سے سماج میں پیدا ہونے والی خرابیوں اور الجھنوں کا مغربی مفکرین کو بھی احساس ہے ۔آزادنہ اختلاط کی وجہ سے نہ صرف عصمت محفوظ نہیں رہتی ہے بلکہ نئی نسل ذہنی اذیت وکرب کی شکار ہورہی ہیں ،اخلاقی ونفسیاتی مرض کی شکار ہورہی ہے ۔ایک نہایت قابل اور مشہور خاتون

ڈاکٹر میرین ہیلرڈ نے آزادانہ اختلاط کے خلاف سخت مضمون لکھتے ہوئے کہتی ہیں کہ:

As a doctor i don;t belive there is such a thing as platonic telationshi[p between man and a woman who are alonge toghether a goog

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعدادازدواج کو لے کر مستشرقین اور اسلام فوبیا کے شکار افراد عموما اعتراض کرتے ہیں۔ اسی طرح اسلام میں تعدادازدواج کی اجازت پر بھی مذاق اڑایا جاتا ہے۔مولانا جعفر شاہ پھلواری شریف نے ایک ایک اعتراض کا تسلی بخش جواب دیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گیارہ شادیوں کا مقصد نفسیاتی خواہش سے زیادہ دعوتی مقصد کے پیش نظر تھا۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کے علاوہ آپ نے بیشتر شادیاں بیوہ وعمر دراز خواتین سے شادی کی ۔25 سالہ سے زاید عرصے تک صرف حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے جب کہ حضرت خدیجہ کی یہ تیسری شادی تھی اور دونوں کے درمیان عمر کا بھی تفاوت تھا۔جہاں تک سوال چار شادیوں کی عمومی اجازت کی بات ہے تو یہ انسانی فطرت کے مطابق ہے ۔قانونی شادیوں کے دروازے بند کرنے کی وجہ سے غیر قانونی زوجیت کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے۔اقوام متحدہ کی جانب ڈیموگرافک کی سالانہ رپورٹ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ دنیا میں تیزی سے مجہول النسب بچوں کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے بلکہ یورپ امریکہ اور انگلینڈ جیسے ملکوں میں آئندہ چند سالوں میں معروالنسل بچوں کے مقابلہ مجہول النسب بچوں کی تعداد زیادہ ہو جائے گی۔جب کہ اقوام متحدہ کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ مسلم ملکوں میں حرامی بچوں کی تعداد صفر یا پھر ایک فیصد کے اندر ہے اور اس کی وجہ مسلم ملکوں میں تعدادازدواج کی اجازت ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک روشن پہلو مذہبی آزادی،اظہار خیال کی آزادی کے ماحول کو فروغ دینا ہے۔یہ آزادی اپنے اور غیر دونوں کیلئے تھا۔آپ کی مجلس میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بلا جھجک اپنی بات رکھنے کی آزادی تھی۔ سیرت اور حدیث کی کتابوں میں درجنوں ایسے واقعات درج ہیں جب صحابہ کرام نے اپنی بات کو آزادی سے رکھا ہے۔سید عبدالحکیم کے مضمون ''اسلام اور مذہبی آزادی'' میں اس مسئلے پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔مضمون میں مذہبی آزادی کے کئی پہلوؤں پر تفصیل سے گفتگو کی ہے۔دین،مذہبی آزادی کی تشریح اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دفاعی جنگوں سے متعلق روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ یہود و نصاری کے ساتھ آپ کا رویہ مصالحانہ تھا۔مدینہ میں یہود و نصاریٰ کے حقوق کو تسلیم کرتے ہوئے انہیں اپنے مذہب پر عمل کرنے کی آزادی کے ساتھ ان کے آپسی مقدمات ان کے مذہب کے مطابق عمل کرنے کی آزادی تھی۔مذہبی آزادی کا معاملہ یہ ہے کہ اسلام میں دوسرے مذاہب کے عبادت گاہوں اور مذہبی پیشواؤں کی توہین کرنے سے منع فرمایا ہے۔فرانسیسی دانشورDr.G.leybon کی گواہی ملاحظہ فرمائیں جس وقت ہم فتوحات عرب پر نظر ڈالیں گے اور ان کی کامیابی کے اسباب کا عروج دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ اشاعت مذہب میں تلوار سے مطلق کام نہیں لیا گیا کیونکہ اسلام اور مسلمان ہمیشہ مفتوح اقوام کو اپنے مذاہب میں آزاد چھوڑ دیتے تھے۔اگر اقوام عیسوی نے

اپنے فاتحین کے دین کوقبول کیااور بالآخران کی زبان کوبھی اختیار کیا تو یہ محض اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے اپنے جدید حاکموں کو ان قدیم حاکموں سے جن کی حکومت میں اس وقت تک تھے۔ بہت زیادہ منصف پایا ان کے مذہب کو اپنے مذہب سے بہت زیادہ سچا اور سادہ، حق گو اور حق پسند پایا۔فی الواقع دین اسلام کی محض تقریر ترغیب کے زور سے اشاعت عمل میں آئی۔اسلام میں انسانی حقوق کا جو جامع تصور پیش کیا گیا ہے اس میں انسانیت کا احترام انسانوں سے رحم وکرم کا برتاؤ، انسانی اخوت، مساوات کی پاسداری، انسانی جانوں اور املاک کی حفاظت حق ملکیت و تصرف، عزت و ناموس کا تحفظ، شخصی آزادی، دین و مذہب کی آزادی، ظلم و جبر کے خلاف چارہ جوئی۔حصول انصاف کا حق آزادی، خیال، عورتوں کے حقوق کا تحفظ، بچوں کے حقوق کا تحفظ، غلاموں، معذوروں اور کمزور طبقات کے افراد کے حقوق کا تحفظ، معاشی، معاشرتی اور تہذیبی رواداری وغیرہ جیسے اہم امور شامل ہیں۔

مولانا عیسی منصوری لندن کا مضمون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلیمی انقلاب اور مولانا عقیدت اللہ قاسمی کا مضمون ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلیمی نظام'' اسلام میں علم کی اہمیت اور علم کے فروغ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوششوں، آپ کے کردار اور طریقہ کار کو اجاگر کرنے کے ساتھ یہ بتایا گیا ہے کہ ''اقرا'' سے وحی کا آغاز ہونے کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم کے فروغ کی جانب بھرپور کوشش کی، علم سیکھنے کی حوصلہ افزائی، عرب معاشرہ جہاں آپ کی بعثت ہوئی وہاں محض چند افراد تعلیم یافتہ تھے مگر صرف چند سالوں کی محنت سے سیکڑوں افراد تعلیم یافتہ ہوگئے۔غزوہ بدر قیدیوں کی رہائی کی شرائط میں ایک یہ بھی تھا کہ جو قیدی تعلیم یافتہ ہیں وہ اپنی رہائی کیلئے مدینہ میں تعلیم دیں، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت دنیا میں دیگر زبانوں کے سیکھنے کی بھی حوصلہ افزائی۔اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نظریہ تعلیم سے متعلق معلومات حاصل کرنے یہ دونوں مضامین کافی حد تک سیراب کردینے کے قابل ہے۔

مسلمان امت دعوت ہیں، اس کے پاس اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام امانت کے طور پر ہیں اور اسے دیگر امتوں تک پہنچانا ہے۔مگر سوال یہ ہے کہ دعوت وتبلیغ کا طریقہ ہونا چاہیے پروفیسر خالد علوی ومفتی ثناء الہدیٰ قاسمی نے اپنے مضامین بالترتیب ''دعوت وتبلیغ دین کا اسوۂ نبوی کی روشنی میں''،''دعوت وتبلیغ کا نبوی طریقہ'' میں اسے بیان کیا ہے۔ان دونوں مضامین کے مطالعہ جہاں دعوت کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے وہیں دعوت کا منہج اور ایک داعی کے صفات کیا ہونا چاہیے اسے بیان فرمایا ہے۔

اس شمارے میں مجموعہ قاسم کے مرتب اور معارف قاسم کے مدیر اعلی مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی کا مضمون ''وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا'' معارف قاسم کے مدیر تحریر اور مجموعہ کی ترتیب معاون کا کردار ادا کرنے والے ڈاکٹر محمد شہاب الدین ثاقب قاسمی کا مضمون ''شہ لولاک ﷺ کا عفو درگزر''، مفتی اسجد قاسمی ندوی کا مضمون ''اسوۂ رسول کے روشن باب'' ندوۃ العلماء لکھنو کے استاذ مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری کا مضمون نسلی تفاخر اور اسوۂ رسول اور دیگر مضامین سیرت کیلئے کئی اہم پہلوں کو اجاگر کرتے ہیں۔حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد اقوام عالم کی رشد وہدایت، گم کردہ انسانوں کے قلب ونظر کو جلا بخشنے انہیں اخلاقی، سماجی، معاشی رہنمائی کرنا تھا۔جس طریقے سے

قرآن کریم کے نزول کا مقصد انسانوں کو خالق کائنات سے جوڑنا، انسانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز کرنا ہے تاہم قرآن کی زبان میں ''ولا رطب ولا یابس الی فی کتاب مبین''، یعنی کوئی بھی رطب و یابس چیز نہیں ہے جو کتاب روشن میں موجود نہیں ہے۔اسی طرح انسانیت حیات وممات کا کوئی ایسا گوشہ نہیں ہے جس سے متعلق آپ صلی اللہ نے رہنمائی نہیں فرمائی ہے۔چناں چہ روحانی تربیت کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جسمانی علاج فرمایا ہے اور سیرت وحدیث کی کتابوں میں ''طب نبوی'' ایک مستقل باب ہے۔جدید دور کے کسی بھی طبی محققین نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجوزہ نسخہ کو رد کیا ہے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔حکیم سید محمد امین الدین کا مضمون ''طب نبوی ﷺ'' حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تجویز کردہ علاج پر روشنی ڈالتے ہوئے جدید دور کے تحقیق سے موازنہ کیا گیا ہے۔

ایسے تو آغاز نبوت سے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو مجروح کرنے کی کوششوں کا آغاز ہو گیا تھا تاہم اس دور میں ایسا کوئی بھی شخص نہیں تھا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت وامانت، کردار کی پاکیزگی وطہارت اور آپ کے اعلیٰ اخلاق انگشت نمائی کی ہو۔ ہرقل کے دربار میں حضرت ابوسفیان ؓ کا مکالمہ اس بات کا ثبوت ہے۔ابوسفیان چاہتے تو جھوٹ بول سکتے تھے مگر انہوں نے مخالفت اور اسلام دشمنی میں سینہ لبریز ہونے کے باوجود ان کی غیرت نے گوارا نہیں کیا وہ جھوٹ بولے اور انہوں نے پوری سچائی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت وامانت، اخلاق وکردار کی پاکیزگی کی گواہی دی۔صلیبی جنگ میں شکست کے بعد عیسائی دنیا نے علمی محاذ پر مسلمانوں کو شکست دینے کیلئے جماعت در جماعت ایسے افراد کو تیار کیا جو سیرت اور قرآن کا مطالعہ کرکے خامیاں نکالے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو داغدار کریں مگر خدا کی حکمت کچھ اور ہوتی ہے اس جماعت میں ایسی بے شمار افراد سامنے آئے جنہوں نے تعصب اور نفرت کا عینک اتار کر حقیقت کا اعتراف کیا۔ مولانا رضوان الحق قاسمی نے اپنے مضمون ''محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم غیر مسلم مصنفین اور دانشوروں کی نظر میں'' تاریخ انسانی کے ان منصف مصنفین کے اقوام کا ذکر کیا ہے جنہوں نے مصلحت، دباؤ سے آزاد ہو کر حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔اس مضمون میں ''لارڈ برنارڈ شاہ'' کی حقیقت بیانی کا ذکر کیا گیا ہے وہ لکھتے ہیں کہ:

''مستقبل میں محمد کا دین یوروپ میں مقبول ہوگا قرون وسطی میں عیسائی مذہبی طبقہ نے اپنی ناواقفیت یا گھناؤنے تعصب کی بناء پر اسلام کی تصویر کو زیادہ سے زیادہ خوف ناک بنا کر پیش کیا ہے۔ دراصل وہ محمدؐ کے دین سے نفرت میں حد سے زیادہ تجاوز کر رہے تھے۔ وہ ان کو حضرت مسیح کا دشمن سمجھتے تھے۔ میرے نزدیک یہ ایک حقیقت ہے اور اس کو بیان کرنا میں اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ محمدؐ کو انسانیت کا نجات دہندہ قرار دیا جائے گا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اگر ان جیسا آدمی آج دنیا کی قیادت سنبھال لے تو وہ یقیناً ساری مشکلات کے حل میں کامیاب ہوسکے گا اور دنیا کو امن و لاح سے بہرہ ور کرسکے گا اور آج دنیا ان دونوں چیزوں کی بہت زیادہ محتاج ہے۔جارج برنارڈ شاہ نے مزید کہا کہ آج دنیا میں انسانی حقوق کی پامالی کو روکنے میں محمدؐ جیسے قائد بے مثل کی ضرورت ہے جنہوں نے انسانی حقوق کی ہمیشہ

پاسداری کی۔ انسان کی فطرت میں مل جل کر رہنے کا جذبہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی ضروریات کی تکمیل اور آفات و مصائب کے ازالہ کے سلسلہ میں دوسرے انسانوں کے تعاون کا محتاج ہوتا ہے۔ اس لئے ہر انسان کا یہ فطری حق بنتا ہے کہ دوسرا اس کی مدد کرے۔ اسی طرح ہر فرد اور ہر بشر پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ دوسرے فرد یا افراد اور طبقات کے حقوق کی پاسداری کرے''۔

مجموعہ قاسم کا اختتام ''اسکاٹ لینڈ کے رہنے والے ''تھامس کارلائل جو بیک وقت منصف، مضمون نگار، مورخ، ریاضی داں، طنز نگار اور استاد تھے۔ 4 دسمبر 1775 کو پیدا ہونے والے یہ مشہور فلسفی مستشرق اپنے وقت کے سب سے زیادہ اہم سماجی مفسرین میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ تھامس کارلائل جو ابتدائی زندگی میں پادری اور راہب بنا چاہتے تھے۔ مگر بعد میں ان کا رجحان تعلیم کی طرف ہوگیا۔ والد کی غربت کے باوجود انہوں نے تعلیم کا سلسلہ منقطع نہیں کیا 'ریاضیات اور قانون' کی تعلیم حاصل کی۔ بعد میں اخلاقی فلسفہ کا مطالعہ 6 سالوں تک کیا اور resatus نامی کتاب میں اپنے خیالات پیش کیے۔ مگر ان کی شہرت ''انقلاب فرانس'' پر کتاب لکھنے کی وجہ سے وہ پورے مغرب میں مشہور ہوگئے۔ 1837 سے 1841 تک انہوں نے مختلف لیکچر دیے جو بعد میں ''On Heres And Her Worshi And The Heroic in History" نامی کتاب کی شکل میں منظر عام پر آیا۔ تھامس کارلائل نے اپنی اس کتاب میں ان شخصیات کا ذکر کیا جنہوں نے زندگی کے کسی شعبے میں متاثر کن کردار ادا کیا ہو۔ جس شخص نے جس میدان میں کمال کا مظاہرہ کیا ہو، کارلائل نے اس شخص کو اس میدان کا ''ہیرو'' قرار دیا ہے۔ اس کتاب میں کارلائل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرتے ہوئے ''Heroa as a Prophe'' نبوت کے میدان کا مرد کامل قرار دیا۔ کارلائل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس دور میں بیان کیا جب اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر ہر طرف سے حملے ہو رہے تھے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق وہ حقائق بیان کیے ہیں جنہیں عصبیت کے شکار مستشرقین سننے کا تاب نہیں پیدا کر سکتے ہیں۔ کارلائل کی کتاب کے اس حصے کو دنیا کی کئی زبانیں شایع ہوچکی ہیں۔ مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی مبارک باد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اس تحریر کو اردو قالب میں ڈھال کر اردو قارئین کو بیش قیمتی کا تحفہ دیا ہے۔ بلکہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ مضمون مجموعہ قاسم کے 'محسن انسانیت کے ماتھے کا جھومر ہے' ڈاکٹر شبیر احمد بن عبدالرشید نے بہترین اسلوب اور سلاست کے ساتھ اس انداز سے ترجمہ کیا ہیے کہ اس مضمون کو پڑھتے وقت محسوس ہوتا ہے کہ کارلائل ہمارے سامنے کھڑے ہوکر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کو خراج عقیدت پیش کر رہا ہے۔ انہوں نے اپنے اس بیان میں مغربی مصنفین کی سخت تنقید کی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت پر انگشت نمائی کرنے والوں کو منہ توڑ جواب دیا ہے۔ مجموعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ مجموعۂ قاسم محسن انسانیت نمبر طباعت اور مواد دونوں اعتبار سے خوب سے خوب تر ہے بس ضرورت اس بات کی ہے کہ اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کیا جائے اور اس کے پیغام کو عام کیا جائے۔

❁ ❁ ❁

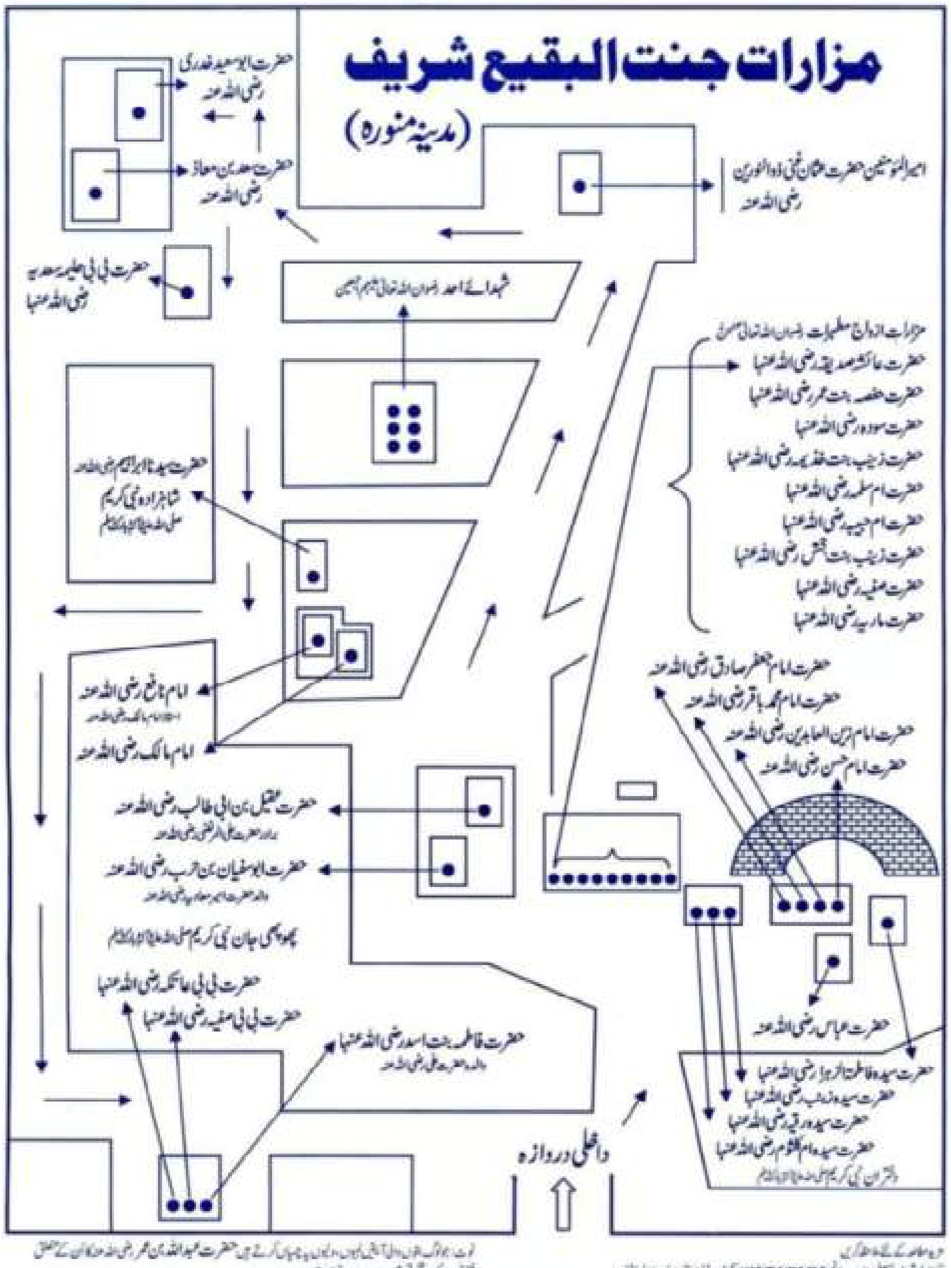

پیشکش: فاتح اقبال مکّی

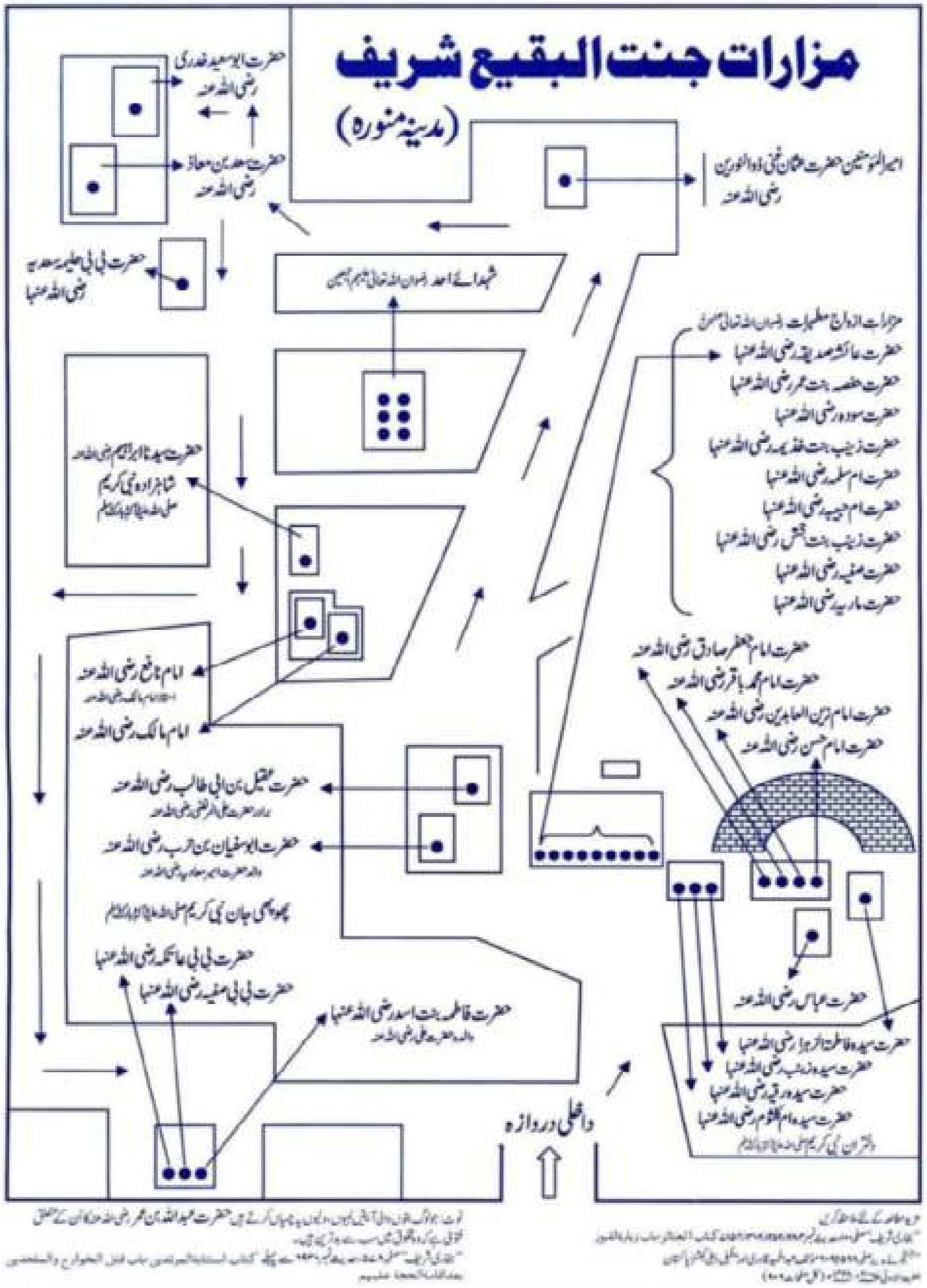

پیشکش: فاتح اقبال مکّی

آہ! برادرِ عزیز مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

سابق معتمد تعلیم ندوۃ العلماء لکھنؤ

(پیدائش ۱۳۵۲ھ-۱۹۳۳ء/ وفات ۱۴۴۰ھ-مطابق ۲۰۱۹ء)

........................● حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ (ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

برادرِ عزیز مولانا سید محمد واضح رشید حسنی (محمد الخامس) ندوی مولانا سید خلیل الدین حسنی مرحوم (متوفی ۱۳۳۲ھ) کے پوتے اور حضرت مولانا سید عبدالحی حسنی رحمۃ اللہ علیہ (سابق ناظم ندوۃ العلماء، متوفی ۱۹۲۳ء) کے نواسے ہیں، تکیہ کلاں دائرہ شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ، رائے بریلی میں ۲۰ نومبر ۱۹۳۳ء مطابق ۳ شعبان ۱۳۵۲ھ میں پیدا ہوئے۔

ابتدائی تعلیم گھر میں اپنے پھوپھا مولانا عزیز الرحمٰن حسنی مرحوم سے اور اپنی خالہ محترمہ سیدامۃ اللہ تسنیم صاحبہ سے پائی، دوسری طرف نانی صاحبہ سیدہ خیر النساء بہتر مرحومہ کی شفقت وتربیت ملی اور پھر مدرسہ الٰہیہ شہر رائے بریلی میں داخلہ لیا جہاں خاندان کے ہم عمروں کے ساتھ کچھ درجوں میں پڑھا، اور ثانوی و اعلیٰ تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء میں حاصل کی، عالمیت کے بعد اداب میں تخصص کیا اور بیعت وارادت کا تعلق حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے قائم کیا، اور ان کی خدمت میں ۱۹۵۲ء میں مسوری کا رمضان گزارا، اور ان کے بعد دینی وروحانی سرپرستی حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ سے حاصل کی جن کے خطوط کا معتدبہ حصہ ان کے پاس محفوظ رہا، علمی وفکری اور دعوتی تربیت آپ نے اپنے بڑے ماموں حضرت مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی سابق ناظم ندوۃ العلماء اور دوسرے ماموں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے حاصل کی، برادر معظم مولانا سید محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی فکر وتوجہ بھی حاصل ہوئی۔

۱۹۵۳ء تا ۱۹۷۳ء دہلی کا قیام رہا، پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے، اسی سال بیت اللہ شریف کا سفر اپنے ماموں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے ساتھ کیا، اور حج کی سعادت حاصل کی اور اس میٹنگ میں بھی شرکت کی جس میں شاہ فیصل بن عبدالعزیز مرحوم بادشاہ سعودی عرب کی سربراہی میں عالم اسلام کی سربرآوردہ شخصیات نے شرکت کی تھی، اس کے علاوہ متحدہ عرب، امارات، مصر، ترکی، برطانیہ، اردن، یمن، کویت، پاکستان، بنگلہ دیش، نیپال وغیرہ کے اہم علمی ادبی دعوتی سفر کیے اور عالمی رابطۂ ادب اسلامی کی تاسیس ۱۹۸۴ء کے وقت سے اس کے رکن اور مجلس ابناء کے ممبر منتخب ہوئے اور پھر نائب سکریٹری اور ممالک شرقیہ کے سکریٹری مقرر ہوئے، ۱۹۸۲ء میں مدرسہ فلاح المسلمین رائے بریلی کے ناظم، ۲۰۰۶ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم مقرر ہوئے اور تاحیات اس منصب پر فائز رہے۔

جہاں تک میرے اورمیرے بھائیوں کی تعلیم وتربیت کاتعلق ہے، یہ وہ زمانہ تھاجب دینی تعلیم سے عمومی بے توجہی اور غفلت تھی ،لوگ مغربی نظام کی طرف لپک رہے تھے یاتعلیم پر جہالت کوترجیح دے رہے تھےاورپھرکمیونزم کی اثر کی وجہ سے دین اوردینی تعلیم کااوردین والوں کاتمسخر عام بات تھی، اپنے ماموں کاخالص دینی طرزِ زندگی اورمکمل اسلامی نظام تعلیم وتربیت تھا،ان حالات میں میرے والدین نے معاشی ضرورتوں کے باوجودہم لوگوں کے لیے خالص دینی طرززندگی اختیارکرنے کی ہمت کی جبکہ دینی تعلیم کودنیاوی اعتبار سے ناکامی کی علامت سمجھا جاتا تھا، والد ماجد سیدرشید احمد حسنی مرحوم سننے اور بولنے کی صلاحیت نہ ہونے کی بناپراولادکی دنیاوی اورمعاشی بہتری کے زیادہ قائل ہونے کے لائق تھے اورہرباپ اپنی اولاد کے مستقبل کی کامیابی کاخواہش مند ہوتاہے اوراگراس کی کچھ معذوری ہوتواس کا یہ چاہنابڑھ جاتا ہےلیکن انہوں نے اس کی پروانہیں کی اوردینی تعلیم جواس زمانہ میں دنیوی اعتبار سے ناکامی کی علامت سمجھی جاتی تھی،اپنی اولاد کے ماموں مولاناڈاکٹر سیدعبدالعلی حسنیؒ جوکہ اس وقت ندوہ کے ناظم اوران کے بے تکلف وہم عمر تھے، اور دوسرے ماموں مولاناسیدابوالحسن علی ندوی جواس وقت دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اہم استاذوں میں تھے،کے اختیار میں دے دی، اس طرح مجھ کو اورمیرے بھائیوں کودینی تعلیم کی راہ اختیارکرنے کی سعادت ملی ،اوروالدصاحب ہم لوگوں سے صاف طورپر یہ بھی کہتے تھے کہ علی یعنی مولانا سیدابوالحسن علی ندوی کونمونہ بنانا،والدہ ماجدہ سیدہ امۃ العزیز مرحومہ پوری توجہ قلبی سے دعائیں مانگتی اوران کی فکرزیادہ تر اپنی اولادکی دینی ترقی وکامیابی صلاح ونیک شہرت کی رہتی، مال دولت اوردنیاوی منافع کازیادہ حصول ان کی نظرمیں ترجیحی بات نہ تھی،ان کواپنے ماں باپ کے گھرمیں اسی طرح کی تربیت ملی تھی، بہت محبت اورتعلق کے باوجودکسی غلط کام میں پڑجانے پرسخت انداز اختیارکرتیں،کسی کے ساتھ زیادتی کرنے یابڑوں کی اطاعت میں کوتاہی پررحم ومحبت کاجذبہ ظاہرنہ ہوتااورکوئی عزیزکسی غلطی پران کوتنبیہ کرتاتواس پر ذرابھی ناپسندیدگی ظاہرنہ کرتیں۔ ایک بارعزیزی واضح مرحوم کوان کے ایک استاد نےتھوڑازیادہ ماراجس سے ان کوزخم ہوگیا' لیکن انہوں نے ذرابھی ناگواری ظاہرنہ ہونے دی اوراس کوتربیت کی مصلحت سمجھا۔خودواضح مرحوم کے اندر یہ سعادت مندی تھی کہ انہوں نے اس کواپنے لیے فال نیک سمجھااوروالدین کی بعض مرتبہ سرزنش پربھی ان کواپنی سعادت کی بات محسوس ہوئی اوراس سے ان کے اندرتعلق میں اوراضافہ ہوا۔ والدین اوراساتذہ کاان کے ساتھ اس تعلق اورجذبۂ احسان مندی نےان کوبڑی ترقیات عطاکیں۔

ہم لوگوں کے لیے یہ خوش نصیبی کی بات تھی کہ اس دورمیں ہمارے والدین نےہمیں خالص دینی ماحول کےحوالہ کیاجب دینی تعلیم کی طرف جانے والےکودنیاوی لحاظ سے بالکل ناکام اور دنیاوی وسائل سے محروم ہوجانے والاسمجھا جاتا تھا، یہ دنیاوی لحاظ سے وہ قربانی تھی جوماں باپ کے لیےایسے حالات میں آسان نہ تھی۔ پھر جبکہ ذراآمدنی کم اورتنگ تھی اور ان کے بڑے صاحبزادے یعنی ہم بھائیوں میں سب سے بڑے بھائی سیدمحمود حسن مرحوم بہت بیمار رہتے تھے اورپھرعین جوانی ۲۱رسال کی عمرمیں ۱۹۴۲ء میں ان کی وفات ہوگئی تھی، اس وقت ان سے چھوٹے اورمجھ سے بڑے بھائی مولاناسیدمحمد ثانی حسنی ۱۷رسال

کے تھے اور ندوہ میں پڑھ رہے تھے، میری عمر ۱۳ر سال کی تھی اور عزیزی واضح مرحوم کی عمر صرف ۹ر سال یا اس سے کم تھی، پھر دو سال کے بعد میرے بڑے بھائی مولانا محمد ثانی حسنی ندوہ سے تعلیم پوری کر کے مظاہر علوم سہارنپور چلے گئے اور عزیزی واضح رشید مرحوم رائے بریلی سے لکھنؤ آ گئے اور جب ندوہ میں داخلہ لیا تو ان کی عمر صرف ۱۱ر سال تھی اور ابتداء میں ہی ان کو جامع ازہر سے آئے ہوئے دو ممتاز استاذ مولانا عمران خان ندوی ازہری اور مولانا محبوب الرحمٰن ازہری ملے، جو عربی تکلم کے ساتھ جدید طرز میں تعلیم دیتے تھے جس کا ان کو بڑا فائدہ حاصل ہوا، اور ان کی بنیاد مضبوط ہوگئی جس نے آخر تک ان کو بہت فائدہ پہنچایا۔

قرآن مجید، حدیث شریف اور فقہ کی تعلیم بھی انہوں نے ممتاز اساتذہ سے حاصل کی اور دوسرے علوم وفنون میں بھی انہیں ماہر استاذ ملے، خال معظم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے ان کے لیے مطالعہ کا ایک چارٹ بنایا تھا، اور ان کی نگرانی میں انہوں نے مختلف علوم وفنون کی اہم کتابیں اور فکر اسلامی وتاریخ کا اچھا مطالعہ کیا تھا، اس کے ساتھ انہوں نے انگریزی کی اچھی صلاحیت پیدا کی تھی، اور اس کے لیے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں امتحان بھی دیا تھا، اور اچھے نمبرات بھی حاصل کیے تھے، ان کو اپنی اس جامعیت کا فائدہ دہلی میں آل انڈیا ریڈیو سے وابستگی میں خوب ملا اور بلاد عربیہ وممالک اسلامیہ کی ممتاز شخصیات اور سربرآوردہ لوگوں سے ملاقات وتبادلۂ خیال کے اچھے مواقع ملے اور برابر انہوں نے عصری مطالعہ جاری رکھا، اور اپنے معاصر علماء میں اس ناحیہ سے تفوق حاصل کیا جس کا انہوں نے عصری صحافت میں اپنی صلاحیتوں سے خوب کام لیا، ان کی اس صلاحیت وجوہر کو دیکھتے ہوئے خال معظم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی ان کو اپنے بعض ممالک اسلامیہ وبلاد عربیہ کے سفروں میں ساتھ لے گئے، ان میں پانچ ملکوں (اردن، یمن، سعودی عرب، کویت اور پاکستان) کا ایک اہم سفر جو بڑا یادگار سفر رہا، جس میں عالم اسلام وبلاد عربیہ کی قدآور اور منتخب شخصیات کو قریب سے دیکھنے اور ان سے استفادہ کے ساتھ سربرآوردہ شخصیات سے بھی فائدہ اٹھانے کا موقع ملا، سعودی عرب میں شاہ فیصل شہید سے ایک اہم ملاقات میں بھی وہ ساتھ رہے تھے اور شیخ الازہر شیخ عبدالحلیم محمود کی دعوت پر ان کا اور ان کے ساتھ مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی کا ندوۃ العلماء کی طرف سے ایک اہم سفر ۱۹۷۸ء میں ہوا تھا' جس میں مصر کی بڑی اہم دینی، علمی، سیاسی اور تحریکی شخصیات سے ملنے اور تبادلۂ خیال اور ملاقات کے اچھے مواقع ملے تھے، ان کا یہ سفر سعودی عرب کے راستہ ہوا تھا، وہاں بھی مملکت کی اہم سیاسی، دینی، علمی اور دعوتی شخصیات سے ملاقاتیں کی تھیں اور عالم اسلام کے قضایا پر تبادلۂ خیال کیا تھا، رابطہ ادب اسلامی عالمی کے قیام کے وقت سے ہی وہ اس کے اہم رکن اور اس کی مجلس امناء کے بھی رکن تھے اور جب اس کے لیے ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۹۸۴ء میں مکہ معظّمہ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی خدمت میں سعودی عرب کی مختلف یونیورسٹیوں کے ممتاز اہل علم وادب اس فکر کو علمی جامہ پہنانے کے لیے جمع ہوئے تو وہ بھی اس مجلس میں تھے اور اس ے پہلے ۱۴۰۱ھ مطابق ۱۹۸۱ء میں ندوۃ العلماء میں بین الاقوامی تعلیمی مذاکرہ ادبیات اسلامی کا انعقاد ہوا تو اس میں ان کا اہم کردار رہا، اور وہ اس کی تجاویز کمیٹی کے بھی ممبر تھے، اس کے علاوہ ۱۹۷۷ء میں مکہ معظّمہ میں بین الاقوامی تعلیمی کانفرنس میں جس کا رابطہ عالم اسلامی مکہ

معظّمہ نے انعقاد کیا تھا، انہوں نے اپنے اہم مقالہ کے ساتھ شرکت کی تھی اور رابطہ ادب اسلامی کے سبھی سمیناروں اور کانفرنسوں میں وہ بڑے جذبہ اور فکرمندی کے ساتھ نہ صرف شرکت کرتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی آمادہ کرتے اور نوجوانوں کو بھی آگے کرنے کی فکر کرتے اور ان کو کام سپرد کرتے، مقالہ بھی لکھواتے اور جب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی وفات کے بعد شعبہ برصغیر کی نگرانی و ذمہ داری ان کے سپرد ہوئی تو ان کی توجہ اور بڑھ گئی تھی، آخری سمینار جس میں انہوں نے شرکت کی وہ بھٹکل کا تھا جو رابطہ ادب اسلامی کے بانی صدر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی علمی، ادبی و دعوتی خدمات اور کارناموں پر منعقد ہوا تھا جس میں بین الاقوامی نمائندگی تھی اور یہ بہت کامیاب سمینار تھا، اس کے بعد ایک اہم سمینار بچوں کے ادب پر مولانا سراج الدین ندوی کی خواہش پر بجنور میں ہوا جس کی انہوں نے منظوری دی تھی لیکن وہ اپنی کمزوریٔ صحت کی وجہ سے اور میں بھی شرکت سے معذور رہا تھا اور دو مہینے کا عرصہ ہی گذرا کہ وہ اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔

دہلی کے قیام کا زمانہ ان کے لیے بعض حیثیتوں سے مفید ہوا جہاں انہیں اہل دین و دعوت سے استفادہ کا اچھا موقع ملا تھا اور سہارنپور قریب ہونے کی وجہ سے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کی خدمت میں برابر حاضری کی سعادت کچھ کچھ وقفہ سے ہوتی رہی اور اس کی وجہ سے ان کی انہیں اچھی توجہ اور رہنمائی ملتی رہی اور انہی کے مشورہ سے دلی کا بیس سالہ قیام ترک کر کے لکھنؤ کا قیام اور ندوۃ العلماء سے وابستگی ۱۹۷۳ء سے اختیار کی، جہاں انہیں تدریسی مشغولیت کے ساتھ دعوتی مشغولیت بھی ملی اور "البعث الاسلامی" اور "الرائد" کے ذریعہ ان کو صحیح دینی فکر کے دور دور تک پہنچانے کا موقع ملا اور اس خلا کو بھی پر کرنے کی کوشش کی جو برادر عزیز مولانا سید محمد الحسنی کی وفات (۱۳۹۹ھ-۱۹۷۹ء) سے پیدا ہوتا تھا، بعد میں مولانا ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی (۱۴۲۶ھ-۲۰۰۶ء) معتمد تعلیم ندوۃ العلماء کی وفات سے جو خلا پیدا ہوا، وہ بھی ان کے ذریعہ پُر کیا گیا جس کے لیے مجلس انتظامی ندوۃ العلماء نے ان کا باتفاق انتخاب کیا تھا، نصاب و نظام تعلیم و تربیت میں ان کے مشوروں سے حتی الامکان فائدہ اٹھانے کی کوشش کی گئی جس کے اچھے نتائج نظر آرہے ہیں، اس کے ساتھ تدریس و محاضرات کا سلسلہ انہوں نے آخری تک قائم رکھا۔

ان کو اپنی زندگی میں جن مراحل سے گذرنا ہوا، ان میں اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان کو اچھا کردار ادا کرنے کا موقع ملا، ان کو عربی کی اچھی استعداد حاصل کرنے کے بعد ابتدائی تدریس کا موقع ملا لیکن اسی کے ساتھ انگریزی کو بہتر بنانے کا بھی تقاضہ ہوا جس سے ان کو اپنی عربی صلاحیت کی بناء پر جب ریڈیو کے عربی شعبہ میں کام کا موقع ملا تو ان کو عربی اور انگریزی دونوں ماحول کو سمجھنے کا موقع ملا اور بیرونی سازشوں یا خود اسلام کے سلسلہ میں جو نقصان دہ کوششیں قابل فکر تھیں، اس سے بھی واقفیت میں آسانی ہوئی، ریڈیو کا ماحول نہایت مغربی انداز کا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو اس نقصان سے محفوظ رکھا اور اس سے بچنے کا کام حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ سے تعلق رکھنے اور تبلیغی مرکز نظام الدین میں آنے جانے سے لیتے رہے اور یہ تعلق اتنا بڑھا کہ انہوں نے دہلی کی اہم ملازمت کو ترک کر کے ندوۃ العلماء کی معمولی تنخواہ کی ملازمت کو ترجیح دی، اور ہزار کی گنتی کو سو کی گنتی میں لے آئے، یہ ایسی قربانی تھی جو ان کے دینی فائدے کا ذریعہ بنی، پھر ندوہ آکر جو عالم اسلام اور عالم عربی کے سازشی حالات تھے، ان کی جو معلومات ان کو تھیں اور فکر اسلامی و فکر

مغربی کا جوٹکراؤ تھا،اس سے واقفیت انہوں نے اپنے طلباء کو مستفید کیا جس کا اعتراف اور قدردانی کا اظہار ان کی وفات پر اکثر تعزیت ناموں میں ملتا ہے،انہوں نے اپنی زندگی میں سنجیدہ اور علمی انداز رکھا جس کا اظہار و قدردانی کا تذکرہ ان سے فائدہ اٹھانے والوں کی تحریروں میں ملتا ہے،انہوں نے ندوۃ العلماء اور عصری خصوصیات کا جامع ہونے کا نمونہ پیش کیا،وہ بالآخر معتمد تعلیم منتخب ہوئے اور اس منصب کو بھی انہوں نے ذمہ داری اور مثبت انداز سے پورا کیا۔

دعوت وتبلیغ دین کی عملی جدوجہد میں بھی انہوں نے حصہ لیا تھا اور دعوت تبلیغ کی بڑی شخصیات حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی اور حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی رحمہما اللہ کے ساتھ اس کے لیے ملک کے مختلف حصوں کے دورے بھی کیے تھے جن میں جنوب ہند، کرناٹک، کیرالہ،تمل ناڈو وغیرہ اور گجرات کے تبلیغی سفر اور دہلی اور اس کے مضافات واطراف کے بڑے اجتماعات میں شرکت کے سفر بڑے اہمیت کے حامل ہیں،اس کے علاوہ تصنیف وتالیف کے ذریعہ انہوں نے جو خدمات انجام دیں ،اس کا اعتراف ملک اور ملک سے باہر اہل علم ودانش کی طرف سے مضامین ومقالات وتاثرات کی شکل میں خوب ہو رہا ہے جبکہ اپنی چیزوں کی اشاعت اور انہیں سامنے لانے میں ان کو ہمیشہ تکلف ہوتا تھا اور لوگوں کے بہت تقاضہ پر ہی وہ اس کے لیے تیار ہوتے تھے، اس کے ساتھ افراد کو تیار کرنے کا ان کا عمل ایک الگ خصوصیت کا حامل تھا،ان کی تصنیفات میں ایک یادگار کام حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی کی رجال الفکر والدعوۃ فی الاسلام کی تکمیل ہے جو اس کے جزء خامس (پانچویں حصہ) کے طور پر "الامام أحمد بن عرفان الشهيد "سامنے آئی اور مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ اور شام کے دارالاشاعت دار ابن کثیر سے شائع ہوکر مقبول ہوئی۔اس کے علاوہ "تاریخ الثقافة الاسلامية" "تاريخ الادب العربی" ،"مصادرالادب العربی "ان کی نصابی کتابیں ہیں اور"أدب أهل القلوب" ان کے بعض ان مقالات کا مجموعہ ہے جو رابطہ ادب اسلامی کے سمیناروں کے لیے لکھے گئے تھے جسے بعض مضامین کے اضافہ کے ساتھ شائع کیا گیا، یہ کتاب بھی اہل علم وادب کے حلقوں میں پسند کی گئی ،"الرحلات الحجازية" بھی ان کی ایک کتاب ہے جس میں ممتاز اہل قلم کے حجاز مقدس کی حاضری کے تاثرات پیش کیے گئے ہیں۔ان کی فکری کتابوں میں" الی نظام عالمی جدید"اور "الغزوالفکری" کی بھی بڑی پذیرائی ہوئی،"قضیہ فلسطین" کا رسالہ بھی بہت مقبول ہوا جو اردو زبان میں ہے اور بہت معلومات افزا ہے۔اس کے علاوہ حدیث شریف سے متعلق ان کے دو رسالے ہیں،جنہیں حدیث شریف کے مطالعہ کے دوران ان کو انتخاب کر کے پیش کرنے کا خیال آیا،ایک کا تعلق شمائل نبویؐ سے اور دوسرے کا تعلق عام انسانی ودینی تقاضوں وحقوق سے ہے،ان کی آخری کتاب جو ان کے سامنے وفات سے دو تین دن پہلے شائع ہو کر آئی تھی، وہ "صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مثالی زندگی" ہے جو پہلے عربی میں شائع ہو چکی تھی اور اردو ایڈیشن کا انہیں شدت سے انتظار تھا جس کا مقدمہ خود ان کے لائق وسعید فرزند مولوی سید جعفر مسعود حسنی ندوی کے قلم سے ہے جو انہیں بہت پسند آیا تھا، اس کے علاوہ اردو اور عربی میں متعدد اہم کتابیں اور رسائل ہیں جن میں حضرت مولانا سید ابوالحسن حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی فکر اور منہج ودعوت پر اردو وعربی میں کتابیں ہیں،وہ بھی دعوتی اور فکری

حلقوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جارہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں قرآنیات کے مطالعہ کا اچھا ذوق بھی عطا فرمایا تھا، اور الفاظ ومعانی قرآن اور اس کی بلاغت پر ان کی بڑی نظر تھی، اور ایک طرح سے انہیں رسوخ حاصل تھا، قرآن مجید کے بعض ترجموں پر ان کی اشاعت سے پہلے انہوں نے پوری نظر ڈالی تھی اور اس سلسلہ میں اہل علم ان سے خوب فائدہ اٹھاتے تھے مگر وہ خود اس سلسلہ میں قلم اٹھانے میں بہت محتاط تھے کہ یہ خدمت بہت نازک اور حساس خدمت ہے، قرآن مجید کی تلاوت میں بھی جس کا وہ بہت اہتمام کرتے تھے، اس کی تعبیرات اور جگہ کی تبدیلی سے معانی کی تبدیلی اور دوسری خوبیوں سے ان پر ایک خاص کیفیت طاری ہوجاتی تھی، جس کا انتقال سے ایک دن پہلے بھی قرآن مجید سنتے ہوئے ان کا یہ احساس سامنے آیا اور بھی موقعوں پر اور گفتگو کے درمیان سننے اور دیکھنے کو ملتا تھا، اور ان کی اس خصوصیت کے دوسرے بھی قدرداں تھے، بعض فقہی سمیناروں میں ان کی شرکت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے ذمہ داروں نے ان سے بھی توجیہی خطاب کی بات کہی، تو اس میں ان کے خطاب سے ان کا رہنمایانہ طرز فکر ظاہر ہوا، اور اس سے اندازہ ہو کہ فقہ سے بھی ان کی دلچسپی ہے اور اس میں ان کے فکری توجیہی انداز سے اچھا فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

جہاں تک ان کی دینی صفات کا تعلق ہے تو دینی باتوں کا ان میں اہتمام، حقوق اللہ کی ادائیگی کے ساتھ حقوق العباد کی پوری فکر اور قرب بالنوافل پر قرب بالفرائض کو ترجیح اور اس کا بڑا خیال ان کی زندگی میں نظر آتا تھا، خاص طور پر نماز کی فکر اور اس کے لیے مسجد کا خیال ان میں قابل رشک حد تک تھا' جو اللہ کو بہت محبوب ہے ا ور اس پر عرش کے سائے کا وعدہ ہے، اسی طرح قرآن مجید سے شغف اور اس کی تلاوت کا بڑا اہتمام تھا، ضعف بصارت کی وجہ سے جب ان کے لیے دیکھ کر تلاوت دشوار ہوگئی تو دو تین وقت سننے کا معمول بنایا، وہ اچھی تلاوت کرنے والے کا انتخاب کرتے، اس لیے کہ مخارج اور حروف کی ادائیگی اور تجوید کے اصول پر ان کی نظر رہتی تھی، اس کے علاوہ اپنے ذکر وتسبیح اور صبح وشام اور مختلف مناسبتوں کی دعاؤں کے معمولات کا بھی نہ صرف اہتمام بلکہ اس پر مداومت تھی اور صلہ رحمی، عیادت اور خدمت خلق کے دوسرے کاموں کا بھی ان کو خیال رہتا تھا اور یہ سب کچھ وہ مخفی انداز سے کرتے تھے۔

ظاہر میں اچانک ان کی وفات کا پیش آنے والا سانحہ ہم سب اہل تعلق کے لیے بڑے صدمہ اور خسارہ کا تھا، خاص طور پر میرے لیے، کہ ان کا کئی دہائیوں سے ہر وقت کا ساتھ تھا، اور ان کے مشوروں سے صرف تعلیمی اور اپنے ذاتی وخاندانی مسائل میں ہی مدد نہیں ملتی تھی، بلکہ ملی واجتماعی کاموں میں بھی بہت فائدہ محسوس ہوتا تھا، اس لیے یہ میرے لیے ذاتی طور پر ایسا خلا ہے، جو پُر ہوتا نظر نہیں آتا، وہ مجھ سے اگرچہ عمر میں چھوٹے لیکن باکمال بھائی تھے، میں نہیں سمجھتا تھا کہ مجھے ان کی جدائی کا صدمہ اٹھانا پڑے گا، لیکن جو آیا ہے وہ اللہ کے ہاں سے اپنی عمر اور اپنا رزق لے کر آیا ہے: "ان للّٰہ ما أخذ ولہ ما أعطی، و کل شیء عندہ بأجل مسمی"، اور یہ کہ "و کان أمر اللّٰہ قدراً مقدوراً"، اللہ تعالیٰ انہیں علیین میں بڑے اونچے مراتب سے نوازے، اور اپنے مقربین کے ساتھ ان کا حشر فرمائے، آمین۔

❁ ❁ ❁

صالح اور تعمیری فکر کے علمبردار

● حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی (مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو)

مجھے وہ لمحہ، وہ ساعت اور وہ گھڑی اچھی طرح یاد ہے جب مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی وفات سے پورے عالم اسلام پر حزن والم کے بادل چھائے ہوئے تھے، اس سنسنی خیز خبر کو سننے کو بعد ایسا لگ رہا تھا کہ گویا دلوں کی دھڑکن رک گئی ہے، زبانیں گنگ ہوگئیں ہیں، اور قلم کی سیاہی خشک پڑ گئی ، رفتار زمانہ بھی گویا رک کر ماتم کر رہی تھی، اس واقعہ سے تقریباً ۲۱؍سال پہلے میرے رفیق محترم مولانا سید محمد الحسنیؒ کی وفات کا سانحہ پیش آیا، اس وقت عاجز کے قلم سے یہ جملے نکلے تھے کہ:

''یقیناً مولانا محمد الحسنیؒ کی رحلت کا سانحہ ایسا دردانگیز ہے کہ مارے غم کے سینہ پھٹا جا رہا ہے، زبان گنگ ہو رہی ہے، ہمارے پاس وہ الفاظ نہیں، جن سے ہمارے درد والم کا اظہار ہو سکے، زمانہ اور زمانہ کی ہر چیز حسب حال اپنے اپنے رفتار سے چل رہی تھی، ہمیں احساس بھی نہیں تھا کہ مولانا ہمارے درمیان سے اچانک اس طرح رخصت ہو جائیں گے، اور ہمیں حیران وششدر چھوڑ جائیں گے، لیکن اللہ کا فیصلہ کو کون ٹال سکتا ہے :و کان أمر اللّٰہ قدراً مقدوراً۔

مولانا محمد الحسنیؒ عام نوجوانوں کی طرح نہیں تھے، بلکہ اپنی فکر سلیم سے دوسروں پر فوقیت رکھتے تھے، چنانچہ وہ ابتداء ہی سے مستقبل بعید کو فراست کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اور ان چیزوں کے بارے میں سوچتے جہاں تک عام نوجوانوں کی رسائی بھی نہیں ہوتی، خاص طور سے عالم اسلام کے احول وکوائف کا جائزہ لیتے تھے، فکر اسلامی اور عالمی مسائل پر ان کی نظر گہری تھی، یہاں تک کہ وہ بڑے بڑے دانشوروں اور مفکرین و داعیان اسلام اور ماہرین کی طرح اپنی رائے بھی پیش کرتے تھے، مجھے ان کے اندر وہ ساری خوبیاں نظر آئیں، جن کا میں آرزومند تھا، اور جن کے لیے میں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے مقیم تھا، چنانچہ میں نے اس نوجوان کے ساتھ راہ ورسم اختیار کرلی تاکہ ان کے ذریعہ بلندیٔ فکر کے اس مقام پہونچا جا سکے، وہ فکر اسلامی کے اس درجہ پر پہونچ گئے جہاں ماہرین فن بھی نہیں پہونچ پاتے، چہ جائیکہ اٹھارہ سال کا ایک نوخیز نوجوان۔ ان کی فکری بلندی کی ایک مثال پیش خدمت ہے:

''اس کرۂ ارض پر ایک ایسا گروہ ہے جو''واقعیت''(حقیقت پسندانہ فلسفہ) کو پسند کرتا ہے، اور اس کی تعریف میں رطب اللسان رہتا ہے، لیکن وہ حقیقت پسندی کے اظہار سے اس قدر دور بھاگتا ہے جس طرح کہ شتر مرغ، جو خطرات کے وقت ریت میں سر ڈال کر اپنے آپ کو محفوظ سمجھتا ہے، تو یہاں تجدد پسند

وں یا صحیح الفاظ میں مغربیت پسند لوگوں کا گروہ ہے، جس میں سائنسدانوں، تاریخ وثقافت کے ماہرین، فنکار ادباء، اور آرٹسٹ وغیرہ شامل ہیں، جو واقعیت کو دلیل بنا کر ہر طرح کے لہوولعب، فضول وبیکار، غیر معقول، اور زندگی کے ہر رنگ و پھول، درندگی وبہیمیت، غرض ہر چھوٹی بڑی چیز سے اپنا جی بہلاتے ہیں''۔

اور اب ایک تیسرا دردناک واقعہ پیش آیا، جس سے ہمیں نہایت ہی رنج وغم ہوا، ہمارے صدیق مکرم مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ بروز بدھ ۹/ جمادی الاولی ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۶/ جنوری ۲۰۱۹ء اس دار فانی سے اچانک رخصت ہوگئے: "يأيتها النفس المطمئنة ارجعي الىٰ ربك راضية مرضية، فادخلي في عبادي وادخلي جنتي"۔

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کا تعلق ان لوگوں سے نہیں تھا، جن کی شہرت و پہچان صرف ان کے بڑے بڑے کارناموں اور بے نظیر خدمات سے ہوتی ہے، بلکہ وہ تو ہر طرح کی شہرت وناموری سے دور، لوگوں کی طرف سے نوازے گئے بے جا القاب سے الگ رہتے تھے، ایک متواضع، قناعت پسند، مخلص داعی، ماہر عالم دین اور ادیب دوراں کی طرح گمنامی کے ساتھ کام کرتے رہے، ۱۹۵۲ء میں جب میں دار العلوم ندوۃ العلماء میں تخصص فی الادب العربی میں تھا، اسی وقت سے مولانا سے میرا تعلق اور ربط رہا، ۱۹۷۳ء میں جب دار العلوم میں مولانا ادب عربی کے استاد کی حیثیت سے تشریف لائے تو مجھے تاریخ ادب عربی اور صحافت کے میدان میں ساتھ کام کرنے کا موقع ملا، اس دوران انہوں نے "البعث الاسلامی" اور "الرائد" جیسے عظیم رسالوں میں عالمی مسائل اور موقع پرست سیاست (جن سے طاقتور ممالک اور عالمی اقوام غلط فائدہ اٹھاتی ہے) پر قیمتی مضامین لکھے، چنانچہ انہوں نے اپنی مؤثر اور طاقتور تحریر اور سیال قلم کے ذریعہ موجودہ سیاسی اور اقتصادی حالات سے واقفیت کی بناء پر استعماریت کے زیر نگیں ہونے والی پلاننگ کو طشت از بام کیا، اور دین سے سیاست کو الگ کرنے یا دوسری تعبیر میں مشرق و مغرب کے درمیان تفریق پیدا کرنے اور یورپ کا اپنے آپ کو پس ماندہ مشرق کا رہنما اور آئیڈیل قرار دینے کی پوری حکمت عملی کو واضح کیا، اور تیسری دنیا سے متعلق اس کے مجرمانہ منصوبوں کا پردہ فاش کردیا۔

مولانا اس نقطہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس ایک مکمل صدی کا وقفہ مغرب کا مشرق سے اتصال کا وقفہ تھا، اسی میں مغربی دانشوران، مفکرین اور سیاست دانوں کو مسلمانوں سے ملنے جلنے، اور ان کی علمی وفکری وراثت کو سمجھنے اور ان کا بغور مطالعہ کرنے کا موقع ملا، یہ وقفہ ان تمام شکوک وشبہات اور غلط فہمیوں کے ازالہ کے لیے کافی تھا جو بیسویں صدی کے آغاز میں مستشرقین اور مسیحیت کے ان علمبرداروں (جنہوں نے استعماریت کے مفاد میں تاریخ کے حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کیا تھا) کے ذریعہ پھیلائی گئی تھی، لیکن عالم اسلام پر گہری نظر رکھنے والا جانتا ہے کہ مغرب مسلسل اپنے اُسی دائرۂ فکر میں محدود رہا، جو انہیں صلیبی مسیحیت کے علمبردار، اور اسلام دشمن مستشرقین سے ملا تھا، اور معاصر قلم کار بھی بعینہ اسی نہج پر چلتے رہے، اور یہ اس فکر کا نتیجہ ہے جو مغرب نے مشرق پر اپنے تسلط کے دوران پیدا کی

تھی، کیوں کہ انہیں معلوم تھا کہ مشرق پر ان کا تسلط اس وقت تک برقرار نہیں رہ سکتا جب تک کہ وہ ان پر فکری حملہ نہ کریں، تا کہ نسل نو کا اپنے روشن و تابناک ماضی سے رشتہ منقطع ہو جائے، وہ اپنی قومی اور دینی و اخلاقی خصوصیات سے الگ ہو جائیں اور اپنی عظمت رفتہ کی بحالی کا خواب بھی نہ دیکھ سکیں، اور ان کی طبیعت مغرب سے ہم آہنگ ہو جائے''۔

اسی کے ساتھ مولانا کو ہمیشہ یہ غم کھائے جاتا تھا کہ مسلمان اسلامی تعلیمات کی مکمل نمائندگی کرنے سے قاصر ہیں، بلکہ ہر گروہ اور ہر جماعت ایک متحدہ مقصد پر توجہ دیے بغیر مخصوص نظریات کے ساتھ محدود ہوگئی ہے، جس کی وجہ سے دعوت اسلامی کو نقصان ہوا ہے، اور امت میں تفریق پیدا ہوگئی ہے، یہاں تک کہ جس اعتدال اور ہم آہنگی کی اسلام دعوت دیتا ہے، اس کی اہمیت بھی کم ہوگئی ہے، اور لوگوں کی نگاہ میں دعوت کی حیثیت بالکل ختم ہوگئی، یہی نہیں بلکہ جو لوگ اس کام کو انجام دیتے ہیں ان کے بارے میں بھی لوگوں کا حسن ظن بدگمانی میں تبدیل ہو گیا ہے، ایک موقعہ پر انہوں نے اپنے درد کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

''آج مسلمانوں کا المیہ یہ نہیں کہ ان میں اسلامی زندگی کی جھلک نظر نہیں آرہی ہے، بلکہ المیہ یہ ہے کہ زندگی کے مختلف میدانوں میں ان اسلامی تعلیمات کی نمائندگی تو کی جارہی ہے، لیکن اتحاد سے خالی ہے، چنانچہ ہمارے درمیان خالص عقیدۂ توحید کے داعی موجود ہیں، اخلاق و عبادات پر پوری توجہ دی جارہی ہے، پورے زور و شور کے ساتھ اسلام کی دعوت کا کام ہو رہا ہے، اسلام کی راہ میں اپنی جان قربان کرنے والوں کی ایک بڑی جماعت موجود ہے، غرض اسلام کے ہر جزء کو شعبۂ حیات میں نافذ کر دیا گیا ہے، لیکن یہ تمام تر کوششیں منتشر ہیں، ایک گروہ جو ایک مخصوص عمل میں لگا ہوا ہے، وہ دوسرے عمل پر توجہ دینے کی زحمت گوارہ نہیں کرتا، بسا اوقات ایک فریق کسی ایک مخصوص عمل میں مشغول ہوتا ہے، تو اس کا انہماک اس حد تک بڑھ جاتا ہے کہ وہ کسی دوسرے شعبہ سے واقفیت کی ضرورت محسوس نہیں کرتا، لہٰذا جب اس نے تعلیم کو اپنا مشغلۂ حیات بنالیا تو کسی علاقہ میں پھیلنے والے ارتداد سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا ہے، اور اگر وہ دعوت کے کام میں مشغول ہیں تو مسلمانوں میں جہالت اور گمراہی کے پھیلنے پر انہیں کوئی افسوس نہیں ہوتا ہے، اور جب وہ لوگوں کی خدمت، اور ان کی اقتصادی و معاشی مسئلہ کو حل کرنے میں لگا ہے تو اللہ سے مضبوط ربط بنانے، اسلامی شعائر کو اپنانے اور لوگوں کی اصلاح کی طرف ان کی توجہ نہیں جاتی ہے، لہٰذا ان تمام بے ترتیبی اور غیر منظّم نظام کی وجہ سے ہمارے معاشرہ میں بہت سی اجتماعی اور انفرادی بیماریاں پیدا ہوتی جارہی ہیں، خلاصہ کلام یہ کہ موجودہ دور میں اصلاحی کوششوں اور اسلامی تحریکوں کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ ان کی عدم ہم آہنگی اور ڈسپلن شکنی ہے''۔

یہ مولانا کی فکری اور علمی کاوشوں کا ایک نمونہ تھا، جو مولانا زندگی بھر انجام دیتے رہے، واقعی آپ کی شخصیت امت وسط (معتدل امت) کی ایک انوکھی مثال تھی، اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت سے اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے، آمین۔

(ترجمانی: محمد صادر ندوی، علیا اولیٰ ادب)

❁ ❁ ❁

ایک مثالی زندگی

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی (نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

عم محترم ومکرم حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا سانحۂ ارتحال پوری ملت اسلامیہ خصوصاً ندوۃ العلماء کے لیے عظیم خسارہ ہے، مولانا اپنی ذات میں ایک انجمن اور علم وحکمت اور دانش وآگہی کا ایک سمندر تھے، ادب وصحافت، اسلامی فکر وثقافت اور مغربی فکر وثقافت کے جائزہ کے میدان میں نمایاں مقام کے حامل تھے۔عربی زبان وادب کے پہلو بہ پہلو اسلامی فکر اور مغربی فکر مولانا کا خاص موضوع تھا، آپ کا علم وفضل بہت گہرائی لیے ہوئے تھا اور ادب مولانا کی زندگی کا کوئی تفریحی مشغلہ نہیں تھا، بلکہ دین کی خدمت کا ذریعہ تھا۔

عم محترم کی ایک اہم خصوصیت علم میں وسعت وگہرائی ہے، آپ نے اپنا مطالعہ کبھی کسی ایک فکر وخیال یا ایک تہذیب وتمدن تک محدود نہیں رکھا، بلکہ " خذ ما صفا ودع ما كدر" کے اصول پر عمل کرتے ہوئے مختلف جہتوں سے فائدہ اٹھایا، عم محترم کے یہاں تعصب وگروہ بندی یا تنگ نظری کا گزر نہیں تھا بلکہ اسلام کی خدمت جہاں بھی ہورہی تھی، اس کی قدر کرتے اور ہمت افزائی کرتے تھے۔

حضرت مولاناؒ وقت ضائع نہیں کرتے تھے، فضول گوئی، مجلس آرائی سے دور تھے، پڑھنے پڑھانے اور استفادہ وافادہ کی مشغولیت یا پھر تحریر ومقالہ نویسی اور طلبہ کی تعلیم وتربیت سے ہمیشہ مطلب رکھا، دوسروں کی عیب جوئی تو بہت دور کی بات ہے، آپ کے یہاں تو ان مباح امور کی بھی گنجائش نہیں تھی جو نہ دنیا میں سود مند اور نہ ہی آخرت میں کارآمد ہوتے ہیں، علم کی خدمت، عبادات اور حسن سلوک آپ کی خاص صفت تھی۔

تعلیم وتربیت کے باب میں سب سے مؤثر چیز اسوۂ حسنہ ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اس کی سب سے جامع اور مکمل مثال ہے، قرآن کریم نے ایک طرف آپؐ کے حسن اخلاق کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے:"إنك لعلى خلق عظيم" اور دوسری طرف آپؐ کے اسوہ کی اتباع کی دعوت دیتے ہوئے کہا ہے:"لقد كان لكم في رسول الله أسوة حسنة" مولانا اسی اسوۂ نبوی کا بہترین نمونہ تھے، آپ کی زندگی مثالی تھی، زہد وتقوی ان کا شعار تھا، تواضع وانکساری آپ کی خاص صفت تھی، کم آمیزی وکم گوئی طبیعت ثانیہ تھی، عیب جوئی سے پاک، ریاکاری اور نام ونمود سے کوسوں دور رہے، اخلاق حسنہ کا پیکر تھے، حلم ومروت کا نمونہ تھے۔

حضرت مولانا اسی کے ساتھ خاندانی تعلقات کو نبھانے والے تھے، خاندان کے بچوں کے لیے انتہائی شفیق اور محبت کرنے والے بزرگ خاندان تھے، اسی طرح اپنے طلبہ کے لیے شفیق استاد اور ان کے مسائل کو حل کرنے میں کوشاں رہتے تھے۔

آپ کی خاص صفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت وشیفتگی اور اتباع سنت تھی، اسی کے ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

سے محبت وعقیدت میں خاص امتیاز رکھتے تھے اور اس بارے میں ذراسی کوتاہی کو برداشت نہیں کرتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مرتبہ میں ذراسی کمی کو ایمان کی کمزوری جانتے تھے اور آپ نے اپنی وفات سے چند روز قبل صحابہ کرام کے حالات پر کتاب ''صحابہ کرامؓ کی مثالی زندگی'' بھی تحریر کی تھی جو اس میدان میں روشن چراغ کی حیثیت رکھتی ہے۔

ابتدائی زندگی ہی سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی تربیت میں رہے، ان کی پوری تعلیم اور تربیت حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی اور ہدایت میں ہوئی حتی کہ اسی سانچہ میں ڈھل گئے جو حضرت مولاناؒ کا بنایا ہوا تھا اور ان کے نظریات ان کے نظریات بن گئے اور دینی و دنیاوی امور میں وہ اپنے عظیم ماموں کا نمونہ بن گئے اور پوری زندگی اسی راہ پر گزاری۔

اپنے والدین کے سعادت مند فرزند اور ایک خدمت گزار بیٹے کی حیثیت سے اپنا وقت گزارا، اور اپنے برادر معظم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء کے ساتھ ہر جمعرات کو بس یا ریل سے رائے بریلی جاتے اور جمعہ کی شام کو ندوہ واپس آتے تھے، اس معمول میں کبھی ناغہ نہ ہوتا، طبیعت کی خرابی بھی آڑے نہیں آتی، اپنے والد محترم کی وفات کے بعد برسوں والدہ جب تک حیات رہیں، یہ معمول جاری رہا، سخت سردی ہو یا سخت بارش، یا گرمی کی شدت ہو، اس میں تساہلی نہیں ہوتی۔

ان کی زندگی کے واقعات اور ان کی دینی و علمی خدمات پر دفتر کا دفتر لکھا جا سکتا ہے، لیکن ''تعمیر حیات'' کے صفحات کو سامنے رکھتے ہوئے یہ چند سطریں تحریر ہیں، غفر اللہ لہ۔

❁ ❁ ❁

انفرادی و شخصی تعمیر ہی اجتماعی نظام کی اساس

اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے کی جانے والی کوششیں اسی وقت ثمر آور ہو سکتی ہیں جب داعیِ اسلام اپنی زندگی کو اسلامی تعلیمات کے مطابق گزاریں، ہمارے بعض داعی یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تبدیلی حکومت کے بغیر نہیں ہو سکتی لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر تعلیمات پر عمل کرنے کے لیے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں؛ بلکہ یہ رضا کارانہ عمل ہے، ہر مسلمان اس کو اپنی زندگی میں نافذ کر سکتا ہے، مثلاً صداقت و امانت، مساوات و صلہ رحمی، حقوق کی ادائیگی، شرعی ذمہ داریوں کی پابندی کے لیے حکومت کی کیا مجبوری ہے؟ ان تمام امور کو اختیار کرنے میں مسلمان خود مختار ہیں، تاریخ کے مطالعہ سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ پہلا اسلامی معاشرہ انفرادی تقویٰ اور زہد سے وجود میں آیا جس کے نتیجہ میں اجتماعی نظام وجود میں آیا اور اس کے نتیجہ میں نظام حکومت وجود میں آیا، کیونکہ انفرادی اور شخصی تعمیر ہی اجتماعی نظام کی اساس ہے، انفرادی زندگی اگر درست ہوگی تو پورا معاشرہ درست ہوگا، اسلامی قانون خود بخود وجود میں آجائے گا، تاریخ اسلام اس طرح کی مثالوں سے پُر ہے۔

از: حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

تعلیم وتربیت، علمی وفکری مقام

مولانا سید بلال عبدالحیٔ حسنی ندوی (محاضر الدراسات العلیا دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کو دو ماہ کا عرصہ گذر چکا، مگر وہ کل کی بات معلوم ہوتی ہے، یہ صرف اہل ندوہ ہی کے لیے نہیں بلکہ تمام اہل فکر ونظر کے لیے، اصحاب بصیرت کے لیے ایسا خسارہ ہے کہ اس کا کوئی بدل نظر نہیں آتا، مولانا نے اپنے قلم سے ملت اسلامیہ کو خطرات سے جس طرح آگاہ کیا تھا اور اس کا علاج امت کے سامنے رکھا تھا، مولانا کا ایسا امتیاز ہے کہ وہ اس میں فرد فرید نظر آتے ہیں، انھوں نے مغرب کا گہرا مطالعہ کیا تھا، اس کی شاطرانہ چالوں کو سمجھا تھا، اس کے زوال وعروج کی پوری تاریخ مولانا کی نگاہوں کے سامنے تھی، اس کے ساتھ وہ اسلامی تاریخ کے نبض شناس بھی تھے، اور اس کے عروج وزوال کے اسباب کو بھی انھوں نے اچھی طرح سمجھا تھا، انھوں نے اپنے اشہب قلم کا استعمال ہمیشہ امت کو بیدار کرنے کے لیے کیا، وہ فرماتے تھے کہ علماء وارثین انبیاء ہیں اور حضرات انبیاء علیہم السلام کا کام تبشیر کے ساتھ انذار بھی ہے، علماء کی ذمہ داری ہے کہ وہ امت کو آخرت کے عواقب سے بھی ڈرائیں اور پیش آنے والے خطرات سے بھی آگاہ کریں اور ان سے بچنے کے راستے بھی بتائیں۔

اللہ نے ان کو ایک بے چین دل دیا تھا جو امت کے لیے تڑپتا تھا، وہ بہت کم تقریر کرتے تھے، مگر بارہا ایسا ہوا کہ تقریر کے دوران پیمانہ چھلک گیا، فکر ارجمند، قلب دردمند اور زبان ہوشمند کا ان کے یہاں ایسا حسین گلدستہ نظر آتا تھا کہ دل ودماغ اس سے معطر ہو جائیں، ان کی زندگی روحِ قرآنی سے سرشار تھی، خود تلاوت کرتے تو سراپا تدبر بن جاتے اور جب بینائی کمزور ہوئی تو سننے کا مستقل معمول بن گیا، کئی کئی پارے روزانہ سن لیتے لیکن اسی ذوق وشوق اور فکر وتدبر کے ساتھ، نمازوں میں بھی تلاوت کے دوران ان پر ایک کیفیت ومحویت طاری ہو جاتی اور وہ اس کی گہرائیوں میں کھو جاتے۔ مولانا کو قرآن مجید سے غیر معمولی شغف تھا اور اس میں ان کو وہ ژرف نگاہی حاصل تھی جو بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتی ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ مولانا کو عربی زبان وادب کا جو اعلیٰ ذوق تھا، اس میں کم لوگ مولانا کے شریک ہوں گے، اور قرآن مجید کے فہم میں اس ذوق کو بڑا حصہ حاصل ہے، اس گنہگار نے 'آسان معانی قرآن' کے کام میں مولانا سے بار بار استفادہ کیا، اور بہت سے وہ حقائق سامنے آئے جو شاید بڑی بڑی تفسیروں کے مطالعہ کے بعد بھی سامنے نہ آتے، مجھے ان حقائق وعلمی نکات سے کام کے دوران بڑی مدد ملی۔

ان کی ولادت ۲۰ر نومبر ۱۹۳۳ء کو دائرۂ شاہ علم اللہ میں ہوئی، ان کی والدہ محترمہ امۃ العزیز صاحبہ حضرت مولانا حکیم سید عبدالحیٔ کی بڑی صاحب زادی تھیں، حکیم صاحب نے ان کا نکاح

اپنے پھوپھی زاد بھائی کے فرزند جناب سید رشید احمد صاحب سے کیا، اللہ تعالیٰ نے کئی صاحب زادے عطا فرمائے، جن میں کئی کم عمری میں فوت ہو گئے اور ان میں تین آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے، حضرت مولانا واضح رشید ندویؒ ان تینوں میں سب سے چھوٹے تھے، ان میں سب سے بڑے حضرت مولانا محمد ثانی حسنی صاحبؒ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے مجاز بیعت وارشاد ہوئے، بڑے مصنف، مصلح اور شاعر تھے، گونا گوں صفات وکمال کے حامل تھے، خواتین کے لیے ماہنامہ ''رضوان'' اس وقت جاری کیا جب پرچہ نکالنا جان جوکھم میں ڈالنے سے کم نہ تھا، اپنے باکمال نانا کی طرح عمر کی صرف ۵۴؍بہاریں دیکھیں، دوسرے بھائی حضرت مولانا محمد رابع صاحب مدظلہٗ ''واسطة العقد'' ہیں، مفکر اسلام رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین اور اس وقت ملت اسلامیہ کی آبرو ہیں، مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر نشین، ندوۃ العلماء کے ناظم اور سیکڑوں اداروں کے سرپرست ہیں، اللہ تعالیٰ صحت وعافیت کے ساتھ ان کے سایۂ عاطفت کو دراز فرمائے کہ ان کا وجود دنیا کے لیے باعث خیر وبرکت ہے۔

ان میں سب سے چھوٹے ہمارے چچا جان تھے، والد ماجد مولانا سید محمد الحسنیؒ سے دو سال بڑے، پھوپھی زاد بھائی تھے مگر سگے بھائیوں سے بڑھ کر، تینوں بھائیوں کا معاملہ ایسا ہی تھا، مولانا حکیم سید عبد العلی صاحبؒ سب کے مربی وسرپرست تھے، ان کی ہمشیرہ نے اپنے تینوں بیٹوں کو تعلیم وتربیت کے لیے اپنے بھائیوں کے سپرد کیا تھا، چچا جان عمر میں والد ماجد کے قریب تھے، اس لیے بچپن کی دوستی تھی، ساتھ کھیلنا، ساتھ پڑھنا، دادا صاحبؒ نے والد صاحب کو گھر ہی میں تعلیم دی، ان کی تاکید کی تھی کہ واضح جو ندوہ میں پڑھ کر آئیں، محمد میاں کے ساتھ مذاکرہ کر لیا کریں، اسی زمانے کا یہ لطیفہ قابل ذکر ہے کہ: ''قصص النبيين (اول)'' چھپ کر آئی، اس میں حضرت مولانا نے والد صاحب کو شروع میں خطاب کیا ہے، چچا جان نے والد صاحب سے کہا کہ ماموں جی نے تمہارا نام لکھا، ہمارا نہیں لکھا، یہ دونوں کی نوعمری کا زمانہ تھا، والد صاحبؒ نے کتاب کھولی، ایک جگہ عبارت میں ''واضحة سهلة'' لکھا ہوا تھا، فرمایا: دیکھو تمہارا نام بھی ہے۔

مولاناؒ ندوہ سے فارغ ہوئے تو عربی زبان ان کے لیے مادری زبان کی طرح تھی، اس میں بڑا حصہ ان کے ابتدائی دور کے اساتذہ کا تھا جو تازہ تازہ مصر سے پڑھ کر آئے تھے اور وہ عربی کو زندہ زبان کی طرح براہ راست (Direct Method) پڑھاتے تھے، ان میں مولانا محبوب الرحمٰن ازہری بھی تھے، مولانا عبد الحفیظ بلیاویؒ سے بھی مولانا کا خاص تعلق تھا، مولانا کی قابلیت اور صلاح کا اثر اساتذہ پر بھی تھا، بارہا ایسا ہوا کہ مولانا اسباط صاحبؒ جو نابینا تھے، سبق نہ پڑھا سکے تو مولانا واضح صاحب کو اپنی جگہ بٹھا گئے، اس زمانہ میں مولانا نے انگریزی پڑھنی شروع کی، بعد میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے باقاعدہ انھوں نے بی.اے. انگریزی میں کیا، پھر گھر کی شدید ضروریات کو دیکھتے ہوئے وہ دہلی چلے گئے، اور تقریباً بیس سال وہیں ریڈیو سے منسلک رہے، اس زمانہ میں وہ ہر طرح کے لوگوں سے ملے، مطالعہ میں مزید وسعت پیدا ہوئی، ہر طرح کا ماحول ان کو ملا، مگر وہ جس ثابت قدمی کے ساتھ پھول چنتے ہوئے آگے بڑھتے

گئے، یہ انہیں کی خصوصیت ہے، کبھی کانٹوں میں دامن الجھنے نہ دیا، سخت سے سخت حالات آئے مگر ان کی قوت ایمانی میں ذرا جنبش نہ آئی، حضرت مولانا نے ان کو تاکید کی تھی کہ نظام الدین سے تعلق رکھنا، انھوں نے اس کو پوری طرح نبھایا، حضرت مولانا یوسف صاحبؒ اور حضرت مولانا انعام الحسن صاحبؒ کے ساتھ وقت لگانے کا بھی موقع ملا، یہ حضرات بھی انتہائی محبت فرماتے تھے، حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب رحمہ اللہ سے بڑا گہرا تعلق تھا، اور حضرت شیخ کی بھی خاص توجہ اور عنایت تھی، دہلی کے قیام میں مسلسل سہارنپور بھی حاضری کا معمول رہا اور بار بار رائے پور حضرت رائے پوری کی خدمت میں بھی حاضری کی سعادت ملی۔

دہلی قیام کا اصل مقصد والدین کی خدمت و راحت کی فکر تھی، وہ زمانہ سخت عسرت کا تھا، مولانا کے قیام دہلی سے گھر والوں کو بڑی راحت ہوئی، ہماری سب سے چھوٹی پھوپھی سے مولانا کا عقد ہو چکا تھا، وہ بھی بڑی صاحب فکر اور دین دار خاتون تھیں، ذکر و تلاوت کا بڑا اہتمام تھا، امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر پورا عمل تھا، مجھے یاد ہے دونوں میں دیر دیر تک حالات حاضرہ پر گفتگو ہوتی، بزرگوں کا تذکرہ ہوتا، تاریخ کے اوراق الٹے جاتے اور بڑی فکر انگیز باتیں سامنے آتیں۔

مولانا دہلی میں تھے لیکن ان کے طائر فکر کا نشیمن ندوہ تھا، حضرت مولاناؒ کو خاندانی تعلق کی وجہ سے کچھ تردد تھا، لیکن حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے اصرار پر ندوۃ العلماء میں ان کا تقرر ہوا، خود انھوں نے جس طرح شروع سے دینی تعلیم پائی تھی اور پھر مصر کے سفر اور عرب سے براہ راست گہرے تعلق کی وجہ سے مولانا نے تدریس کے لیے نئے نئے طریقے اختیار کیے، ان کے اندر شوق تھا کہ طلباء میں صلاحیت منتقل کی جائے، وہ لگے بندھے طریقے پر پڑھانے کے قائل نہ تھے، انھوں نے نئے تجربات سے طلباء کو فائدہ پہنچایا، ندوہ کی فضا پر اس کا اثر پڑا، اور اس دور کے ان کے شاگرد خاص طور پر اس دور کو یاد کرتے ہیں، یہ سلسلہ آخر تک رہا، نہ جانے کتنے طلباء جو مایوسی کا شکار ہو جاتے وہ مولانا کی فکر و توجہ اور شفقت و محبت سے اپنے اندر ایک امنگ محسوس کرتے، ان میں نہ جانے کتنے علم و فکر کے میدان میں چمکے اور وہ آج تک مولانا کے لیے رطب اللسان ہیں۔

ہمت افزائی چچا جان کی ایک خاص صفت تھی، بہت معمولی استعداد والے طلباء عربی میں ترجمہ کر کے لاتے، بعض مرتبہ پوری پوری عبارت بدلنی پڑتی، مگر اس کے باوجود وہ قدر فرماتے اور اکثر ''الرائد'' میں اس کو جگہ دیتے، اس سے لکھنے والوں میں حوصلہ پیدا ہو جاتا، اسی طرح فکری رہنمائی فرماتے، کتابوں کے مطالعہ کا مشورہ دیتے اور اپنی مجلسوں میں کتابوں کا نچوڑ پیش کرتے، سچی بات یہ ہے کہ سیکڑوں کتابوں کے مطالعہ کا وہ فائدہ نہیں ہو سکتا تھا جو ان کی مجلسوں سے ہوتا تھا، فکر کے نئے نئے زاویے کھلتے، تاریخ و ادب کے وہ جواہر پارے سامنے آتے جو شاید ہزاروں صفحات پڑھنے کے بعد بھی سمجھ میں نہ آئیں، ان کی مجلسوں سے نہ جانے کتنے مفکر و مصنف پیدا ہوئے، رجال سازی میں اس وقت ان کی نظیر ملنی مشکل ہے، اپنی شخصیت ان کے سامنے کچھ نہ تھی، فنائیت کی جو اصطلاح تصوف میں پڑھی، مولانا اس کی زندہ

مثال تھے، ہر جگہ اپنی نفی فرماتے ، نام ونمود سے نفرت تھی ، اپنی ابتدائی زندگی میں انھوں نے مساجد میں تبلیغی اجتماعات میں بہت تقریریں کیں لیکن پھر وہ تقریر کے نام سے گھبرانے لگے، وہ اسٹیج کے آدمی نہیں تھے، مگر نہ جانے کتنوں کوانہوں نے اسٹیج کے قابل بنادیا، ادھر چند سالوں سے شدید اصرار پر وہ تقریر کرتے تو مغز ہی مغز سامنے آتا، معلوم ہوتا تھا کہ کتابوں کے صفحات کے صفحات ان کے سامنے ہیں، قوت حفظ میں ان کو امتیاز تھا، جب بات کرتے تو حوالہ کے ساتھ کرتے ، ان کو روح کی ذہانت حاصل تھی ، اللہ تعالیٰ نے بہت شفاف دل دیا تھا، معلوم ہوتا تھا کہ ان پر دلوں کا عکس پڑتا ہے، متعدد مواقع پر ایسے واقعات سامنے آئے کہ ان کو تصوف کی اصلاح میں کشف سے ہی تعبیر کیا جاسکتا ہے، ان کا دل ہر طرح کے کینہ وکپٹ سے پاک تھا جو کرتے اللہ کے لیے کرتے۔

طبیعت بڑی حساس تھی ، اپنا کام خود کرتے ، خدمت لینا نفس پر بہت شاق تھا، مزاج میں نفاست تھی ، بے ترتیبی پسند نہ تھی ، گھر میں داخل ہوتے کوئی چیز بے ترتیب ہوتی تو خود ٹھیک کرنے لگتے ، اور اس میں بھی اتباع رسول ﷺ کا جذبہ ہوتا، مشیخت سے کوسوں دور، اظہار علم اور خودنمائی سے دور دور کا واسطہ نہ تھا، مگر باتوں سے علم ابلتا تھا۔

والد مرحوم مولانا سید محمد الحسنیؒ اور مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ کی وفات مفکر اسلام حضرت مولانا علیہ الرحمہ کی زندگی ہی میں ہوئی، حضرت مولانا کی وفات کے بعد یہی دونوں بھائی حضرت مولانا کے جانشین اور ان کے فکر وعمل کے سچے امین رہے، حضرت مولانا کو بھی ان دونوں پر جو اعتماد بلکہ ناز تھا وہ دنیا جانتی ہے، محبت کا حال یہ تھا کہ حضرت کو ان کی جدائی برداشت نہیں تھی ، ایک مرتبہ کچھ اہل تعلق دونوں کو کسی پروگرام کے لیے کانپور لے گئے ، آنے میں کچھ تاخیر ہوئی ، وہ فون کا زمانہ نہیں تھا، حضرت ندوہ میں مہمان خانہ سے باہر آکر بیٹھ گئے اور انتہائی بے چین ہوئے ، دیر رات میں جب وہ دونوں تشریف لے آئے تو اندر تشریف لے گئے ، اور فرمایا کہ تم دونوں رات کو کہیں مت جایا کرو، حضرت مولاناؒ نے اپنے متعدد کاموں کی تکمیل مولانا واضح صاحب سے کرائی: "الصراع بين الفكرة الاسلامية و الفكرة الغربية في الأقطار الاسلامية" (مسلم ممالک میں اسلامیت ومغربیت کی کشمکش) کے بارے میں بھی حضرت مولانا کی بڑی خواہش تھی کہ وہ اس کام کو آگے بڑھائیں، مولانا واضح صاحبؒ کا یہ خاص موضوع تھا، رائے بریلی میں فضیلت کے طلباء کے سامنے اس کتاب پر مولانا ہی کا محاضرہ ہوتا تھا، محاضرہ کیا ہوتا تھا، عالم اسلام کی تازہ صورت حال سامنے آجاتی ، جغرافیائی خصوصیات ، اقتصادی حالات ، سیاسی اتار چڑھاؤ، معلوم ہوتا تھا کہ سب اوراق مولانا کے سامنے کھلے ہوئے ہیں ، اس پر فکر کی بلندی ، واقعیت اور درد دل مستزاد، مولانا اس پر خون کے آنسو روتے اور رلاتے ، طلباء ان کو سننے کے لیے مشتاق رہتے ، مگر دو ایک محاضرات کے علاوہ آگے وہ تیار نہ ہوتے اور اصرار کرتے کہ 'چھوٹے بھیا' ہی کے محاضرات ہونے چاہئیں۔

ان دونوں بھائیوں کی رفاقت ومحبت ، ہر وقت کی یکجائی ، آپس کے مشورے ، ایک دوسرے کے لیے بے چین ہوجانا ، یہ وہ

صفات ہیں کہ اس مادی دور میں عنقا نظر آتی ہیں، عمر میں صرف چار سال کا فرق تھا، بے تکلفی تھی مگر مولانا ہمیشہ ادب ملحوظ رکھتے، لوگ مصافحہ کرنے لگتے تو فرماتے 'چھوٹے بھیا' ادھر ہیں، کوئی سوال کرتا تو اکثر انہیں کی طرف محول کر دیتے، ان کو خطاب کر کے کبھی کہہ دیتے کہ آپ تو ہمارے شیخ ہیں، سفروں میں بھی رفیق اور مشیر کی طرح ساتھ رہتے، علمی وفکری ودینی بلند مقام کے باوجود ہر جگہ پیچھے رہے، یہ فنائیت بھی اس دور میں نایاب ہے۔

ان کی یہی صفات تھیں کہ حضرت مولاناؒ نے راقم کے سامنے فرمایا تھا کہ واضح خلافت کے اہل ہیں، ہم ان کو بھی خلافت دیں گے، ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین حضرت مولانا رابع صاحبؒ نے باقاعدہ ان کی طرف سے اجازت بیعت وارشاد بھی دی، لیکن کبھی کہیں اس کا اظہار تک نہ ہوا، ایک انتہائی چاہنے والے شاگرد نے بیعت کے لیے بہت اصرار کیا تو زبردستی حضرت مولانا رابع صاحب مدظلہ کے پاس لے جا کر بیعت کروایا، اور فرمایا کہ: ''امیر ایک ہی ہوتا ہے''۔

انھوں نے دین بھی دیکھا اور دنیا بھی دیکھی، وہ مشائخ سے بھی ملے اور دنیا کے باکمال اور صاحب اقتدار افراد سے بھی، دین میں ان تصلب بڑھتا گیا، آل انڈیا ریڈیو میں ملازمت کے دوران ان کو موقع ملا، انھوں پنڈت نہرو سے بھی انٹرویو لیا اور صدر ناصر سے بھی، وہ ملک سعود سے بھی ملے اور مولانا آزاد سے ملنے کا موقع بھی ملا، حضرت مولاناؒ کے ساتھ وہ شاہانِ عرب عرب کے یہاں بھی گئے لیکن وہ اپنے ماموں کا پرتو تھے، نہ وہ ان کے جاہ وجلال سے متاثر ہوئے اور نہ ان کی آنکھیں خیرہ ہوئیں ،انھوں نے جماعت اسلامی کا پورا لٹریچر پڑھا تھا، لیکن پوری بصیرت کے ساتھ اس کے حسن وقبح کو وہ جتنا سمجھتے تھے، شاید کم لوگوں کو اس اندازہ ہو، گہرے مطالعے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ عالم اسلام کے لیے وہی راستہ کامیابی کا ہے جو امام سرہندیؒ نے اختیار کیا تھا، ٹکراؤ کی پالیسی کو وہ سخت مضر سمجھتے تھے اور عالم اسلام کی موجودہ خوں ریزی کو وہ اسی غلط پالیسی کا نتیجہ گردانتے تھے۔

مولانا نے مغرب کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور براہ راست ان مصادر کو پڑھا تھا جو عام طور پر علماء کے سامنے نہیں آتے، پھر وہ اپنے مطالعہ کو مستقل تازہ کرتے رہتے تھے، مولانا اپنی نگاہِ بصیرت سے یورپ وامریکہ کی اندرون خانہ سازشوں کو بھانپ لیتے تھے، کبھی کبھی وہ ان گہرائیوں تک پہنچتے تھے کہ ان کی راتوں کی نیند اڑ جاتی تھی، وہ عالم اسلام کے مسائل پر بے چین ہو جاتے تھے، اکثر وہ کہتے تھے کہ لوگوں کو دشمنوں کی سازشوں کا علم نہیں، اسلام پر جو فکری حملے کیے جا رہے ہیں اور خود مسلمانوں میں دین پر اعتماد ختم کرنے کے لیے جو لٹریچر تیار کیا جا رہا ہے، مولانا چاہتے تھے کہ علماء اس مطالعہ کریں اور اس کا جواب دیں، ندوۃ العلماء کی فکر وتحریک کا مقصد یہی تھا، وہ اپنی تحریروں اور محاضرات میں اپنا درِ دل نکال کر رکھ دیتے اور اہل علم وفکر کو توجہ دلاتے، اپنی نجی مجلسوں میں بھی وہ علماء اور منتہی طلبہ کو ان خطرات سے آگاہ کرتے اور ان کا مقابلہ کرنے کی طرف توجہ دلاتے، غزو فکری تاریخ مولانا کے سامنے تھیں، اس کے ساتھ وہ یورپ کی کمزوریوں سے بھی خوب واقف تھے، بارہا ایسا ہوا کہ اہل فکر ونظر

کے مجمع میں مولانا نے گفتگو کی تو لوگ دنگ رہ گئے، ''البعث الاسلامی'' میں ''صور واوضاع'' کے نام سے ان کا مستقل کالم ہوتا تھا، جس میں وہ عالم اسلام کا نقشہ کھینچ دیتے، اہل فکر واہل علم کو آگاہ کرتے، اہل نظر کی بڑی تعداد اس کالم کے لیے ''البعث'' کی منتظر رہتی، اس میں اس کو اپنے درد کا مداوا ملتا، کام کے راستے ملتے اور فکر کی وہ باریکیاں ملتیں جو اس دور انحطاط میں نایاب ہوتی جا رہی ہیں، اپنے آخری مضمون میں جو ''البعث الاسلامی'' کے لیے لکھا گیا تھا، وہ بڑے درد کے ساتھ مصلحین و دعاۃ کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ:

''اسلامی سوسائٹی کو اسلامی اصولوں پر کھڑا کرنا کسی بھی دوسرے عمل سے زیادہ ضروری ہے، اس لیے کہ یہ ہر کوشش کی بنیاد بھی ہے اور اس کو آگے لے جانے کا بھی راستہ ہے اور اسلامی سوسائٹی کو بنائے بغیر کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوسکتی اور نہ کسی قربانی کے بہتر نتائج نکل سکتے ہیں، خواہ اس سے کیسی ہی امیدیں لگائی جائیں۔

ان سماجی بیماریوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تحریک چلانے کی ضرورت ہے، جو خرابیاں روح اسلام اور تعلیمات دین کے بالکل منافی ہیں اور حدیثوں میں بڑی اہمیت کے ساتھ ان کو دور کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے، سماج کی اصلاح کہیں سے بھی کسی بڑی عبادت سے کم نہیں ہے''۔

پھر آگے فرماتے ہیں:

''اس اصلاحی کام کے لیے کسی حکومت کی ضرورت نہیں، اس کے لیے علماء و مصلحین کے موقف میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہے، وہ اس کی اہمیت کو سمجھیں اور خالص ایجابی طریقہ پر خیر خواہانہ انداز میں اپنی دعوت پیش کریں''۔

مولاناؒ نے اس کے آگے اخوان کے مرشد عام شیخ حسن ہضیبی کی بات بھی نقل کی ہے کہ داعیوں کو خیر خواہانہ جذبے کے ساتھ دعوت کا کام کرنا چاہیے، معاند بن کر نہیں۔

''تحریک پیام انسانیت'' سے مولانا کا گہرا تعلق رہا، عربی میں مولانا نے اس کا تعارف کرایا ہے، اور وہ اس کی ضرورت و افادیت کو بھی اچھی طرح سمجھتے تھے، اور اس کی باریکیوں سے بھی خوب واقف تھے، نومبر کے شروع میں ہونے والے رائے بریلی کے سالانہ پیام انسانیت کے اجلاس میں مولانا نے کلیدی خطاب فرمایا تھا جو خالص الہامی معلوم ہوتا تھا، مولانا نے تقریر کے شروع میں ''كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف و تنهون عن المنكر و تؤمنون بالله'' تلاوت فرمانے کے بعد بڑے نکتہ کی بات فرمائی تھی کہ پہلا مرحلہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا ہے، اچھائیوں کو عام کرنا اور برائیوں کو مٹانا اس سے ایمان بنتا ہے اور دعوت ایمانی کے لیے پہلا مرحلہ انہیں معاشرتی اصلاحات کا ہے۔ مولانا بہت کم بولتے تھے مگر جو جو بولتے تھے لگتا تھا کہ لعل و جواہر لٹا رہے ہوں، حشو و زوائد سے پاک، ان کی ہر ہر بات مغز ہی مغز ہوتی تھی۔

وفات سے ایک روز پہلے راقم سطور اجین کے ایک سفر سے واپس ہوا، مولانا نے وہاں کی کارگذاری دریافت فرمائی، جب وہاں کے بعض مفید پروگراموں کا ذکر ہوا تو مولانا نے انتہائی خوشی ظاہر فرمائی اور کام کی اہمیت مزید واضح فرمائی اور

رات کو جب دو ایک اہم مسلمان قائدین حضرت مولانا رابع صاحب مدظلہٗ سے ملنے کے لیے آئے اور مولانا سے بھی ملے تو مولانا نے ان کو پیام انسانیت کے کام کی طرف توجہ دلائی۔

فکری وعلمی مشاغل کے ساتھ مولانا کو عام لوگوں کے لیے تعلیم وتربیت اور اصلاح کی کوششوں کی بھی بڑی فکر رہتی تھی، مدرسہ فلاح المسلمین کے وہ ناظم تھے اور وہ اس کو صرف ایک تعلیمی مرکز ہی نہیں بلکہ پورے علاقہ کے لیے اصلاح وتربیت کے مرکز کے طور پر دیکھنا چاہتے تھے۔ مکاتب کے سلسلے کو پھیلانے کی ان کو بڑی فکر رہتی خود دورے فرماتے، وہاں کی ضروریات سے واقف ہوتے اور ان کو پورا کرنے کی تدبیریں فرماتے، سماجی اصلاحات کی طرف کام کرنے والوں کو متوجہ کرتے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں راوی کا بیان ہے: "طويل السكت، دائم الفكرة، ليست له راحة" اکثر خاموش فکر میں ڈوبے ہوئے، آپ ﷺ کو کسی کل چین نہیں تھا۔ مولانا واضح صاحبؒ کی زندگی میں انھیں اوصاف کا عکس نظر آتا تھا، امت کے لیے بے چین، حالات کی فکر، درد میں ڈوبا ہوا دل، لبوں پر سکوت، تول تول کر بولنے والے، پھر جود وسخا کا پیکر، ہر ایک کو فائدہ پہنچانے کی فکر کرنے والے، اپنے لیے دنیا کے ہر طرح کے فائدے سے بے نیاز!

حرمین شریفین سے ان کا گہرا لگاؤ تھا، اخیر دور میں اپنی صحت اور اعصاب کی کمزوری کے باعث شدید خواہش کے باوجود حاضری نہیں ہو پا رہی تھی، مگر ہر جانے والے کو بڑے شوق سے رخصت کرتے، ایک معمولی شاگرد وعزیز نے مدینہ طیبہ سے فون کیا تو بے خود ہوگئے اور یہ شعر پڑھا:

هنيئاً لأرباب النعيم نعيمهم

و للعاشق المسكين ما يتجرع

وہ ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم رہے، رابطہ ادب اسلامی کے جنرل سکریٹری رہے، لیکن سامنے آنا ان کو کبھی پسند نہ تھا، عہدوں کے اظہار سے بھی ان کو کوئی سروکار نہ تھا۔

بزرگوں کی محبت ان کے خمیر میں تھی، مجلسوں میں ان کا تذکرہ کرتے، اپنے چھوٹوں کو ان کے واقعات سناتے، منکر دیکھتے تو نکیر فرماتے اور کبھی ضرورت ہوتی تو بڑی صاف گوئی کے ساتھ بات کہہ دیتے۔ وہ حقیقت میں "طاب حياً و طاب ميتاً" کا مصداق تھے، اللہ کے لیے جینا، اللہ کے لیے مرنا، عرصہ سے لقاء رب کا شوق غالب تھا، ایک ایک دن کو غنیمت جانتے تھے، طبیعت ٹھیک ہی تھی، سارے کام خود ہی کرتے، خدمت لینا طبیعت پر بہت شاق ہوتا تھا، انتقال سے ایک روز پہلے مدینہ منورہ کے بھائی عبد الرشید صاحب آئے، ان کے لیے دعوت کا اہتمام کیا، دوپہر میں خود گھر لے جا کر کھانا کھلایا، حضرت مولانا دامت برکاتہم بھی ساتھ تھے، مغرب کے قریب ندوہ واپس آئے، طبیعت ٹھیک تھی، رات آرام کیا، تہجد کے لیے بیدار رہے، وضو کرنے جب باہر تشریف لائے، اچانک طبیعت خراب ہوئی، فجر کی اذان شروع ہوئی اور جان جانِ آفریں کے سپرد کردی، رحمه الله رحمة واسعة و أدخله فى جنات النعيم۔

❁ ❁ ❁

مولانا مرحوم- کچھ عزیز ولذیذ یادیں

............● مولانا نور عالم خلیل امینی (استاد ادب عربی وایڈیٹر الداعی دارالعلوم دیوبند)

چہارشنبہ ۹/ جمادی الاول ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۶/ جنوری ۲۰۱۹ء کی صبح کو جیسے ہی یہ خبر عام ہوئی کہ فرشتہ صفت عالم دین، عربی زبان کے ادیب ومصنف واہل قلم، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے استاذ جلیل، اس کے کاروان تعلیم وتربیت وانتظام و انصرام کے شریک قافلہ سالار اور موجودہ ناظم ندوۃ العلماء وآل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے برادر خورد اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ العزیز [۱۳۳۳ھ-۱۹۱۴ء/۱۴۲۰ھ-۱۹۹۹ء) کے ہمشیرہ زادے حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی قبل اذان فجر تقریباً ۵/بج کر ۳۰ منٹ پر رب کریم سے جا ملے تو ہر شخص اس روح فرسا خبر کو سن کر نہ صرف دم بخود ہو گیا بلکہ سارا علمی ودینی وتربیتی حلقہ غم والم کا مجسمہ بن گیا، یا اللہ یہ اچانک کیا ہو گیا۔

دنیا میں جو آیا ہے وہ جانے کے لیے ہی آیا ہے لیکن کسی جانے والے کو اپنے چلے جانے کی گھڑی اور جگہ کا علم نہیں ہوتا، اور نہ اس کے قریب یا دور یا آشنا یا ناآشنا کو اس کا کوئی پتہ ہوتا ہے لیکن خدائے علیم وحکیم کے یہاں یہ گھڑی سکنڈوں کے ساتھ متعین ہوتی ہے جس میں رتی برابر تقدیم وتاخیر نہیں ہوتی۔

مولانا واضح رشید ندویؒ کے ایسے کسی پیکر حسنات وکمالات انسان کے دنیا سے چلے جانے کے وقت ہی یہ اندازہ ہوتا ہے کہ واقعی موت کوئی حقیقت ہے اور آج اس نے سچ مچ کسی کو اپنا نشانہ بنایا ہے اور اس ایک آدمی کی آڑ میں اس نے ان گنت انسانوں کے دلوں کو زخمی کیا ہے، اور بے شمار آنکھوں کو تا دیر روتے رہنے کے لیے مجبور کیا ہے۔

مرحوم کی پہلی نماز جنازہ اسی دن ظہر کی نماز کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء کے میدان میں حضرت مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی زید مجدہم نے پڑھائی جس میں سیکڑوں علماء وطلبہ واہالیان شہر نے شرکت کی، دوسری نماز جنازہ تکیہ کلاں رائے بریلی میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے بعد نماز مغرب پڑھائی، جہاں آبائی قبرستان میں مرحوم کی تدفین عمل میں آئی، یہاں افراد خاندان اور شہر ودیہات اور دور دراز سے تعزیت کے لیے آئے ہوئے ہزاروں لوگوں نے نماز اور تدفین میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔

مرحوم کی وفات پر اب کوئی ڈھیر ماہ کا عرصہ گزر چکا ہے لیکن نہ صرف ان کی یاد تازہ ہے بلکہ رہ رہ کے ان کی شبیہ خانۂ خیال میں گردش کرنے لگتی ہے کہ وہ آ رہے ہیں، وہ جا رہے ہیں، اور وہی کیفیت ہوتی ہے جسے اقبال حسین اقبالؔ نے یوں بیان کیا ہے ؎

وہ آ رہے ہیں، وہ جا رہے ہیں، میرے تصور پہ چھا رہے ہیں
کبھی ہیں دل میں، کبھی جگر میں، کبھی نظر میں سما رہے ہیں

ان کی موہنی صورت، ان کی مسکراہٹ، ان کی شیریں گفتار، اسیر دام کر لینے والا ان کا کردار، دلوں کو فتح کر لینے والی ان کی خوش اخلاقی ونرم مزاجی، ان کا خوب صورت دھیما پن، ان کی ہمہ گیر دل نوازی وہمدردی وغمخواری، درد دل کو منت گزاری پر مجبور کرنے والے کسی رویے کے بغیر بانٹ لینے کا ان کا جذبہ

وعمل، خداترسی وشب بیداری کی روشنی میں نہایا ہوا ان کا روئے منور، علم وفضل وقلم کے پایدار کارناموں سے مزین ان کی شخصیت، شہرت ونام وری سے نفرت کناں ان کی زندگی، مخلوق کی نگاہ میں محبوب ومقبول بنادینے والی سیرت اور غصہ ناآشنا ان کی ذات اور راہ حیات پر قائم کردہ خاندانی شرافت ونجابت و اصالت کی گل کاریوں کے نقوش جاوداں اور پتہ نہیں کیا کیا ہنوز یاد آتے رہتے ہیں اور دل وجگر کو کشتہ کرتے رہتے ہیں۔

یادش بہ خیر کہ یہ راقم دارالعلوم ندوۃ العلماء میں جون ۱۹۷۲ء (جمادی الاول ۱۳۹۲ھ) میں مدرس ہوا ، ۱۹۷۳ء میں مولانا مرحوم دہلی سے (جہاں انھوں نے آل انڈیا ریڈیو کے شعبہ عربی میں مترجم واناؤنسر کی حیثیت سے ۱۹۵۳ء سے ۱۹۷۳ء تک کام کیا) یہاں ہمیشہ کے لیے ترک ملازمت کرکے آگئے ، وہاں انہیں ظاہر ہے کہ بہت اچھی تنخواہ ملتی تھی لیکن ان کی صلاح پسند طبیعت، ان کی عالی نسبی اور خاندانی شرافت نے اِبا کیا کہ وہ پرکشش تنخواہ والی اور ایک اجنبی ماحول میں کام کرنے کی مجبوری والی ملازمت پر تادیر برقرار رہیں، چنانچہ وہاں سے سبک دوش ہوکر اپنی مادر علمی کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو وقف کردیا، ظاہر ہے کہ انہیں وہی معمولی تنخواہ ملتی رہی جو مدرسوں میں بالعموم ملا کرتی ہے، لیکن ان کو اپنے عظیم ماموں اور مربی حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی نور اللہ مرقدہ کی صحبت میسر رہی اور مادر علمی کی خدمت کی سعادت حاصل رہی، اس لیے وہ نہ صرف مطمئن رہے بلکہ شادکامی کی بے پایاں مسرتوں کے ساتھ وہ نہ صرف عربی زبان وادب کی بلکہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کی اپنے برادر کبیر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے شانہ بشانہ ہمہ گیر سطح پر اور بھرپور طور پر خدمتوں کے ذریعے زندگی کے آخری لمحے تک اپنے دامن کو بھرتے اور اپنے نامۂ اعمال کو باوزن بتاتے رہے، قابل ذکر ہے کہ ۲۰۰۶ء (۱۴۲۶ھ) جب وہ مولانا عبداللہ عباس ندوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۴۳ھ-۱۹۲۵ء/۱۴۲۶ھ-۲۰۰۶ء) کی وفات کے بعد ان کی جگہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم متعین کیے گئے تو اس تنخواہ سے بھی دست بردار ہوگئے اور احتساباً محض خوش نودئ رب کی نیت سے دم واپسیں تک ساری خدمتیں انجام دیتے رہے، کثر اللہ أمثالہ.

مولانا رحمۃ اللہ علیہ تدریس کے ساتھ شروع سے ہی پندرہ روزہ عربی جریدہ ''الرائد'' کے چیف اڈیٹر رہے، رجب ۱۳۹۹ھ / جون ۱۹۷۹ء میں ''البعث الاسلامی'' بانی واڈیٹر مولانا محمد الحسنی (۱۳۵۴ھ-۱۹۳۵ء/ ۱۳۹۹ھ- ۱۹۷۹ء) کی وفات حسرت آیات کے بعد حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی دامت برکاتہم کے ساتھ شریک چیف اڈیٹر کی ذمے داری سنبھالی جس کو آخری سانس تک انجام دیا، البعث میں "صور واوضاع" کا کالم لکھتے تھے جو بہت مقبول تھا، اور قارئین ہر ماہ اس کے بہت مشتاق رہا کرتے تھے، اس کالم میں عالمی حالات پر تبصرے، تجزیے، امراض کی تشخیص، مسائل کے جڑوں کی تعیین، ان کے علاج کے لیے اسلامی اور عقلی وفکری نقطۂ نظر سے صحیح ''زوداثر'' اور شافی دواؤں کی تجویز ہوا کرتی تھی۔

ان تحریروں میں وہ ایک صاحب بصیرت تجزیہ نگار، ایک دوررس وسیع المطالعہ مؤرخ، مغربی تہذیب وسیاست واستعماری فکر کی مکاریوں، ریشہ دوانیوں، نفاق اور دوہرے پن کے دیدہ ور ناقد اور امت مسلمہ کے ایک روشن دماغ دانشور اور بیدار مغز اسلامی ادیب اور رائٹر کی حیثیت سے ابھرے، چنانچہ قدر شناسوں نے نہ صرف ذوق وشوق سے ان کی تحریروں کو پڑھا بلکہ انہیں بے پناہ دعائیں دیں کہ ان تحریروں کی خواندگی سے ان کے دل شاد اور ان کی آنکھیں ٹھنڈی

ہوئیں،فجزاه الله أحسن مايجزي عباده الصالحين المحسنين۔

نہ صرف ''صوروأوضاع'' کو بل کہ ''الرائد'' کے اداریوں سمیت ان کی ساری تحریروں کو پڑھنے میں ہر قاری کو بالخصوص باذوق قاری کو جس کو زبان وبیان واسلوب کی شناسائی ہوتی تھی، بہت مزا آتا تھا ،کیوں کہ ان کی عربی تحریروں میں وہی بے ساختگی ، برجستگی اور بلا کی شیرینی بلکہ جادوگری ہوتی تھی جو ان کے ہی برادرنسبتی و ماموں زاد بھائی مولانا محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد کسی عربی اہل قلم کے یہاں نہیں ملتی ،یہ راقم کہہ سکتا ہے کہ مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کی عربی تحریریں ان کی شخصیت کی عکاس ہوتی تھیں کہ جیسی ان کی ذات' فطرت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی تھی ،ان کی نگارشات بھی طبعی، بے ساختہ اور آورد کی ساری خرابیوں سے منزہ ہوتی تھیں، اسی لیے وہ حد درجہ دل ربائی اور بے پناہ محبوبیت کی ساری خوبیوں سے لب ریز ہوتی تھیں اور جیسے وہ خود سبھوں کے لیے نرم، آسان اور بہ سہولت میسر آجانے والے تھے ، ان کی تحریریں بھی اسی کا پرتو تھیں کہ وہ لفظیات وتعبیر وادا، ہر اعتبار سے آسان، آمد کا نمونہ اور قاری کے لیے اخذ واستفادہ وتحصیل کے حوالے سے من پسند ہوتی تھیں۔

ان کی عربی تحریروں کی ایک قابل ذکر خوبی یہ بھی تھی کہ وہ تمام تر ''عصری اسلوب'' کی حامل ہوتی تھیں، عالمانہ طرز نگارش کی بجائے ان کے ہاں ادیبانہ، صحافیانہ ،انشاپردازانہ طرز ہی معمول بہ ہوتا تھا اور ان کی ہر تحریر میں یہی رنگ شوخ اور نمایاں ہوتا تھا، اسی لیے ترادف وتکرار، درازنفسی اور کسی خیال کو کئی ہم رنگ جملوں میں ادا کرنے سے انھیں مکمل پرہیز تھا، ایسی تحریریں قاری کے لیے قدرتی طور پر بہت پرکشش ہوتی ہیں اور وہ ان سے کسی حال میں اوبتا نہیں ہے، بلکہ تکان، مشغولیت اور الجھن کے وقت بھی وہ ان سے استفادہ کرنے کے لیے بہ خوشی و بہ رغبت تیار رہتا ہے، بلکہ بہت سے ضروری کاموں کو مؤخر کرکے انہیں بروقت مکمل پڑھ جانے کے لیے اپنے کو مجبور پاتا ہے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی یہی نرم روی وسہولت کاری وشفقت ان کی تدریسی خصوصیات کا بھی حصہ رہیں، اسی لیے طلبہ ان سے بہت مانوس رہتے تھے ، انہیں ان سے استفادہ کرنے، ان سے رجوع ہونے اور کسی طرح کی کوئی بات کسی بھی وقت ان سے معلوم کرلینے میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی تھی، طلبہ کو ان سے پدرانہ شفقت، اپنائیت اور ہمہ گیر مخلصانہ برتاؤ ملا، اسی لیے انھیں ان سے بہت فائدہ پہنچا اور ان کی آمد اور تدریسی سلسلے میں انسلاک کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں گویا ایک نئے باب کا اضافہ ہوا، اس راقم کی وہاں کی تدریسی زندگی کے دوران جو کئی سالوں پر محیط رہی، طلبہ میں ان کی انشاء وترجمہ ومضمون نویسی کی تدریس کا بہت چرچا ہوا، طلبہ میں یہ بات ہر ایک کی زبان پر تھی کہ مولانا واضح رشید صاحبؒ کا انداز بڑا آسان ہے، زبان میں جدیدیت ہے، غلطی پر زیادہ روک ٹوک نہیں کرتے، اسی لیے ہم لوگوں کو ان سے دوبارہ سہ بارہ کوئی بات معلوم کرنے میں کوئی تکلف نہیں ہوتا، ان میں استاذانہ کروفر نہیں، معلمانہ وقار کا زائد از ضرورت احساس نہیں، بڑے بے نفس ہیں، ہم طلبہ کے ساتھ ان کا برتاؤ ساتھیوں جیسا محسوس ہوتا ہے، اسی لیے ہم لوگ ان سے بہت گھلے ملے رہتے ہیں۔

طلبہ کا وہ تاثر ان کی شخصیت کا غماز تھا اور یہی تاثر سارے اساتذہ وملازمین کا تھا، مولانا کی عمر ہمارے اکثر اساتذہ کی تھی لیکن وہ اس راقم سے ہمیشہ اس طرح پیش آتے جیسے ہم عمر، ہم عمر سے، اسی لیے دارالعلوم ندوۃ العلماء کی زندگی میں یہ راقم مولانا محمد الحسنی رحمۃ

اللہ علیہ کے بعد انہی کا رہینِ شفقت رہا، اور اول الذکر کے بعد انہیں سے دلی قربت اور قریبی قرابت جیسی یگانگت محسوس کرتا رہا، انسان کی فطرت ہے کہ وہ کسی انسان سے کثرت علم وکمال کی وجہ سے اتنا متاثر نہیں ہوتا جتنا اس کے حسن اخلاق، تواضع، انکسار اور اپنائیت سے، یہی عنصر انسانوں کے دلوں کو سب سے زیادہ جوڑتا ہے اور جس میں جتنا زیادہ پایا جاتا ہے، وہ اتنا ہی خدا اور خلق خدا کے یہاں محبوب ہوتا ہے، مولاناؒ کی محبوبیت میں جہاں ان کے علم وکمال کو دخل تھا، وہیں ان کی بے نفسی وبے تکلفی وخوش مزاجی ونیکی کے غالب ونمایاں عنصر کو بھی جو ان کی علم وکمال وعالی نسبی کی شخصیت کا قیمتی گہنہ تھا۔

مولاناؒ سے روزانہ کئی کئی بار ملنا ہوتا، اکثر "الرائد" کے اور کبھی کبھی "البعث الاسلامی" کے دفتر میں، درس گاہوں میں آمد ورفت کے دوران، مہمان خانے میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ کے اس میں قیام کے دوران جو اکثر ہوا کرتا تھا، دو پہر اور رات کے کھانوں کی مجلسوں میں جن میں یہ راقم بھی ضرور شریک ہوتا تھا اور ہر دو چار روز کے بعد مکارم نگر میں حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی دام ظلہ کے دولت کدے پر سبھوں کے محبوب اور آنکھوں کے تارے اور مولانا اعظمی کے جگری دوست مولانا محمد الحسنی رحمۃ اللہ کے ساتھ بالعموم دوسرے یا تیسرے گھنٹے کے شروع یا آخر میں چائے کی خوب صورت، کیف آور مخلصانہ وبے تکلفانہ اور یادگار وپُر بہار مجلس میں جس کی لذت ادیبانہ وظریفانہ جملوں اور اردو عربی کے حکمت ریزو چاشنی سے لبریز اشعار کے تبادلے کی وجہ سے ناقابل بیان حد تک دوبالا ہوجاتی تھی۔ راقم کو ان بے مثال مجلسوں کا لطف تا حیات فراموش نہ ہوگا، "بے مثال" اس لیے کہا گیا کہ چائے کی یا خورد نوش کی مجلسیں تو کہیں بھی کسی وقت بھی وہاں دار العلوم ندوۃ العلماء میں برپا ہوتی رہتی تھیں اور آج بھی ہوسکتی ہیں، اور ہوتی رہتی ہوں گی، لیکن شرکائے مجلس میں ہر ایک کا دل ہر ایک کے لیے اس قدر شفاف ہوا اور اس میں کسی کی غیبت کسی پر بے جا تنقید نہ ہوا اور صرف علمی وادبی دائرہ اور قہقہہ خیز اور مسرت انگیز جملوں وخیالات واشعار کے تبادلے پر اکتفا کیا جاتا ہو، ایسا شاذ ونادر ہوتا ہے۔

کبھی کبھی مولانا محمد الحسنیؒ، مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ کے دست یاب نہ ہونے کی صورت میں اس راقم کو فرماتے: بھئی! مجھے کچھ ضروری چیزیں لکھنی ہیں، آپ اپنی دماغ چلانے والی چائے پلائیے، وہ لپٹین گرین لیبل دارجلنگ کی دم کی چائے کو جو یہ راقم استعمال کرتا تھا "دماغ چلانے والی چائے" سے تعبیر کرتے تھے، ان کے ساتھ مولانا محمد واضح رحمۃ اللہ علیہ ضرور ہوتے تھے، دونوں فرشتوں کو یہ راقم اپنے کمرے میں پاکر اور ان کی معمولی سی خدمت کرکے فرحت و انبساط کے جذبات سے سرشار ہوجاتا تھا، کیوں کہ اسے بہ خوبی اس کا احساس رہتا تھا کہ یہ گراں مایہ نعمت ان بزرگوں سے محرومی کے بعد پھر اس کو میسر نہ ہوگی بلکہ ایسی صحبت کے لیے اس کو زندگی بھر تڑپتا رہنا پڑے گا۔

مولانا محمد واضح رشید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی پدرانہ شفقت کی وجہ سے ذی استعداد طلبہ کی متعد بہ تعداد کو زبان وادب کا متوالا اور اس میدان میں باکمال بننے کا موقع فراہم کیا، کیوں کہ وہ طلبہ کی حوصلہ افزائی کی صفت میں بھی ممتاز تھے، بہت سے اساتذہ تدریس میں لائق وفائق ہونے کے باوجود طلبہ کی تعریف وہمت افزائی کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتے، اس لیے افراد سازی کا انتہائی نتیجہ خیز ومفید عمل ان کے ذریعہ بروئے کار نہیں آپاتا، طلبہ اگر ذہین اور محنتی ہوں تو ان کی خوابیدہ صلاحیتوں کو حوصلہ افزائی وتعریف کے ذریعہ ابھارنا بھی

احساس ذمہ داری کے حامل اساتذہ کے فرائض منصبی میں داخل ہوتا ہے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ تو قدرتی طور پر رفیق وشفیق واقع ہوئے تھے، خوشی کی بات ہے کہ وہ طلبہ کی ہمت کو مہمیز کر کے علم وفضل کی شاہ راہ پر دوڑنے کے لائق بنادیتے تھے، جو تازہ واردان بساط تصنیف وتالیف اپنی کسی قلمی کاوش اور نتیجہ مطالعہ وتحقیق کو تحریری شکل میں ان کے سامنے پیش کرتے تو وہ ساری ناہمواریوں سے جو نو واردوں سے ناتجربہ کاری اور راہِ علم وفضل پر کم سفری کی وجہ سے ضرور صادر ہو جاتی ہیں، مکمل چشم پوشی کرتے ہوئے صرف قابل تعریف پہلوؤں کو خوب خوب سراہتے، داد دیتے اور تحسین آفریں کلمات زبانی تو پیش کرتے ہی، بعض دفعہ تحریری شکل میں بھی عطا فرماتے اور ان نوخیزوں کے دل باغ باغ ہو جاتے تھے۔

تدریس وتحریر کے بے پایاں مشاغل کے ساتھ ساتھ وہ کئی علمی وادبی وانتظامی ذمے داریوں سے بہ حسن وخوبی عہدہ برآ ہوتے رہے اور کسی جگہ کسی خامی کو راہ نہیں پانے دی، وہ عالمی رابطۂ ادب اسلامی کے نائب جنرل سکریٹری اور اس کے شعبۂ برصغیر ومشرقی ممالک کے جنرل سکریٹری رہے، ندوۃ العلماء کی مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کے جنرل سکریٹری رہے، نیز دار عرفات رائے بریلی کے نائب صدر اور تینداورائے بریلی کے مدرسہ فلاح المسلمین کے ناظم کی ذمے داریوں کا بوجھ بھی آپ ہی کے کندھے پر رہا۔

انھوں نے اپنے سے بڑے بھائی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی زید مجدہم کی مشارکت وسرپرستی میں دار العلوم ندوۃ العلماء کی نصابی ودرسی کتابوں کی تیاری وترتیب کی ذمہ داری انجام دی، اسی کے تحت انھوں نے تاریخ النقد للأدب العربی ،مصادر الأدب العربی ،تاریخ الأدب العربی: العصر لجاهلی ، تاریخ الأدب العربی: العصر الاسلامی ، أعلام الأدب العربی فی العصر الحدیث وغیرہ تالیف کیں، نیز زیادہ تر عربی میں اور کچھ اردو میں بہت سی چھوٹی بڑی گراں قدر کتابیں ان کے خامۂ پراثر وپرُ درد سے معرض وجود میں آئیں جن میں چند یہ ہیں: نحو نظام عالمی جدید ، الامام أحمد بن عرفان الشهید، الدعوۃ الاسلامیه ومناهجها، من صناعة الموت الی صناعة القرارات، حرکة التعلیم الدینی وتطور المنهج، مختصر الشمائل المحمدیه، حرکة رسالة الانسانیة.

ان کی چند اردو تالیفات یہ ہیں:

مسئلہ فلسطین، ٹیپو سلطان شہید-ایک تاریخ ساز قائد وشخصیت، نظام تعلیم وتربیت-اندیشے تقاضے اور حل، اسلام مکمل نظام زندگی (حدیث نبویؐ کی روشنی میں)، ندوۃ العلماء ایک رہ نما تعلیمی مرکز اور تحریک اصلاح ودعوت وغیرہ۔

انھوں نے متعدد کتابوں کے اردو سے عربی میں ترجمے کیے جیسے الدین والعلوم العقلیة اورفضائل الصلاۃ علی النبی۔ ان کی خامہ آرائی کے نتیجے میں جو مقالات وتجزیے ''البعث الاسلامی''اورالرائد'' کی زینت بنے، انھیں یک جا کر کے کتابی شکل میں شائع کیا جائے، جس کی شدید ضرورت بھی ہے، تو کئی کتابیں بہت مفید اور بصیرت افروز بان وبیان آموز وجود میں آجائیں گی۔

مولانا سید محمد واضح رشید ندوی رحمۃ اللہ علیہ ۳؍شعبان ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۱؍نومبر ۱۹۳۳ء کو اپنے آبائی گاؤں تکیہ کلاں متصل شہر رائے بریلی اتر پردیش میں اس جہاں آب وگل میں آئے، تکیہ کلاں حسنی

اور صحیح النسب سادات کی چھوٹی سی بستی ہے، شہر رائے بریلی سے جانب غرب میں بہ مشکل ایک کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، سید احمد بن عرفان شہید جوانہیں کے خاندان کے نامور بزرگ اور مجاہد وصاحب عزیمت داعی ومربی تھے، نے یہیں آنکھیں کھولیں، نشوونما پائی اور سارا جہادی کورس یہاں ہی تیار اور برپا کیا۔ دور آخر میں مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے عالی مقام ماموں ومفکر وداعی ومصنف اور عالم گیر شہرت کے حامل عالم باعمل مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ العزیز نے اپنی علمی وفکری وتالیفی وتربیتی سرگرمیاں اسی چھوٹے سے خاموش وپرسکون و روحانیت سے لبریز اور حسنیت کی روشنی سے منور گاؤں میں انجام دیں، اس عظیم مرد خدا کے نفس گرم کی تاثیر کی وجہ سے آج یہ چھوٹی سی آبادی علم ودین کا مرکز اور اسلامی بیداری کا ایک استعارہ بن گئی ہے جس کے روح رواں حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے جانشیں ،ندوۃ العلماء کے موجودہ ناخدا مرد صالح، آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کے صدر عالی وقار مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم ہیں جن کی سرپرستی میں اس گاؤں میں ان کے خاندان کے کئی نوجوان وحوصلہ مند وپرجوش ودین دار وشب بیدار علماء، تعلیم وتربیت، تصنیف وتالیف اور مطالعہ وتحقیق کے ساتھ دعوتی سرگرمیوں میں جٹے ہوئے ہیں جن میں سرفہرست مولانا سید بلال حسنی ندوی بن مولانا محمد الحسنی بن ڈاکٹر عبدالعلی حسنی ہیں جو حضرت مولانا سید ابوالحسن حسنی ندوی قدس سرہ العزیز کے پوتے بھی ہیں۔

اسی بابرکت گاؤں میں مولانا سید محمد واضح ندوی نے نشوونما پائی اور ابتدائی تعلیم یہیں حاصل کی، پھر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا رخ کیا اور سارے تعلیمی مراحل طے کیے، ۱۹۵۱ء میں یہیں سے تخصص ادب عربی کیا، بعدہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے عربی میں ایم اے کیا۔ عملی زندگی کا آغاز جیسا کہ عرض کیا گیا آل انڈیا ریڈیو نئی دہلی کے شعبۂ عربی میں اناؤنسر اور مترجم کی حیثیت سے کیا، ۱۹۷۳ء سے اپنی زندگی کے آخری لمحے تک دارالعلوم ندوۃ العلماء کی ہمہ گیر خدمت میں گزارے اور اپنی ہر دل عزیزی کا نقش دوام ہر خاص وعام کے دل پر ثبت کر گئے وہ دنیا سے خدائی سنت کے مطابق چلے تو گئے لیکن دلوں کی دنیا میں وہ ہمیشہ حیات رہیں گے کیوں کہ انھوں نے ہر دل میں گھر کر لیا تھا

ابوالفیض فیضی دکنی کیا خوب کہہ گئے ہیں۔

اے ہم نفسان محفل ما
رفتید ولے نہ از دل ما

اللہ انھیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اور سارے پس ماندگان کو صبر جمیل واجر جزیل سے نوازے، آمین۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے پس ماندگان میں ایک بیٹا مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی جو اب ان کے بعد ''الرائد'' کے ایڈیٹر ہیں، اور عربی واردو کے کہنہ مشق اہل قلم ہیں نیز تین پوتے مولوی سید خلیل حسنی ندوی، مولوی سید امین حسنی ندوی اور مولوی سید عبدالحی حسنی جو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں درجہ تخصص کے طالب علم ہیں نیز ایک پوتی کے علاوہ علم وفضل ودین داری وتقویٰ شعاری سے معمور بھرا پرا خاندان عالی شان چھوڑا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ یہ خانوادہ اسی طرح علم ودین، اور ملک وملت کی خدمت کرتا رہے اور ملت اسلامیہ کی رہنمائی کرتا رہے۔

❁ ❁ ❁

فکرِ بوالحسن سے استفادہ
اور اسکی ترجمانی

مولانا محمد جاوید اختر ندوی (معاون مدیر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ)

عالم اسلام کے معروف عربی ادیب وصحافی، مفکر وباخبر عالم دین مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً نصف صدی تک دنیا کے چپہ چپہ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اٹھنے والے فتنوں، سازشوں اور ناانصافیوں کے خلاف پوری قوت وہمت کے ساتھ اپنی خداداد ذہانت وصلاحیت کے ذریعہ قلمی جہاد کیا، اور پھر اپنے مالک حقیقی کے حضور حاضر ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنے دین حنیف کی پاسبانی کا عظیم کام لیا، اور ان کی والدہ ماجدہ رحمہا اللہ (ہمشیرہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ) کی دعاؤں کو ان کے حق میں حرف بحرف قبول فرمایا، مولاناؒ کے برادر مکرم مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ نے ان دعاؤں کو اشعار کے پیکر میں بعنوان ''والدہ صاحبہ کی زبان میں'' اس طرح ڈھالا ہے کہ:

محمد ثانی، رابع اور واضح میرے لڑکے ہیں
الٰہی ان سبھوں کو سرخرو دونوں جہاں کردے
توان کی زندگی میں صحت وایماں میں برکت دے
الٰہی علم میں تو ان کو بحر بے کراں کردے
الٰہی آج تیرا دین ہے نرغے میں اعداء کے
خدایا اپنے سچے دیں کا ان کو پاسباں کردے

چنانچہ ایسا ہی ہوا، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا قلب وذہن عالم اسلام کے سیاسی، سماجی اور تہذیبی مسائل سے کبھی فارغ نہیں رہتا تھا، وہ ہمہ وقت وہاں کی دینی ودعوتی تحریکوں کی سرگرمیوں، ان خطوں میں بسنے والے مسلمانوں پر مغربی وسامراجی ممالک کے ظلم و استبداد اور خود مسلمانوں کے اندر پائی جانے والی کوتاہیوں اور کمیوں کا بغور جائزہ لیتے، اور نت نئے حالات وواقعات کا تجزیہ کرتے، عرب ممالک کے جرائد ومجلّات، لٹریچر اور نئے رسائل وکتابوں کا بنظر غائر مطالعہ کرتے اور ان سے نتائج اخذ کر کے دینی واسلامی نقطۂ نظر سے قیمتی رائے اور حل پیش کرنے کا خاص ملکہ رکھتے تھے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف عالم اسلام وعالم عرب بلکہ دنیا کے اقوام وملل کی تاریخوں، تہذیبوں، مختلف تحریکوں اور مادی و غیر مادی دعوتوں وسرگرمیوں اور خاص طور پر مغربی تہذیب و ثقافت سے اس حد تک واقفیت رکھتے تھے جیسے وہ ان چیزوں کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کر چکے ہوں، ان کے جملہ عیوب ونقائص اور فنون وکمالات ان کی نگاہوں کے سامنے ہوں اور صاف اعلان کر رہے ہوں کہ:

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کریگی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہوگا

مولانا رحمۃ اللہ علیہ انگریزی زبان سے بھی بخوبی واقف تھے،اور براہِ راست اس زبان میں اسلام دشمن تحریکوں ،ان کی سرگرمیوں ،مضامین و مقالات اور اخبارات وجرائد کا مطالعہ ان کے معمول میں شامل تھا،انگریزی خبروں کوعربی میں منتقل کرواکر "الـرائـد " میں چھاپتے،اوراسلام دشمن عناصر کی خباثتوں سے مسلمانوں کوواقف کراتے ،مجلّہ "البعث الاسلامی" میں عالم اسلام کے مسائل وحالات پران کے بےلاگ کالم "صـــور و أوضـاع" اور "الرائد" کے مبصرانہ اداریوں سے ان کی قابلیت کا اندازہ کیا جاسکتاہے، یہاں تک کہ پورے عالم اسلام میں وہ باخبرو صاحب نظرمسلم صحافیوں میں اہم ترین فردشمار کیے جاتے تھے،ان کی تحریروں کا قارئین کوشدت سے انتظار رہتا تھا،مواد ومعلومات کے ساتھ صحافتی اسلوب کی چاشنی اوراس کی فصاحت وبرجستگی نے پڑھے لکھے حضرات کے دلوں میں ایک خاص جگہ بنالی تھی۔

ملک ہندوستان ہی نہیں،دنیا بھر کے مسلمانوں کے حالات ومسائل کی فکرمندی،مغربی تہذیب کی متعفن روح سے واقفیت اوراس کی مکاریوں وچالبازیوں کا مدلل علم،واقعات کے تجزیہ میں فکرسلیم اور راہِ اعتدال کی دعوت وعمل،اور پھر تمام مشکلات کے حل کے لیے قرآن مجید،حدیث شریف وسیرت نبویؐ کی طرف رجوع ،سیرتِ خلفائے راشدین،صحابہ کرامؓ ، تابعین ،سلف صالحین ، قدیم وجدید فرقوں و جماعتوں کی گہری معلومات اوراس قلمی جہاد کے لیے سب سے اہم سرمایہ اخلاص وللّٰہیت اورمحض رب کریم کی خوشنودی کی نعمت بے بہا کی تحریک و تشویق اوراسوہ ونمونہ انہیں کن کی مثالی شخصیت میں ملا؟

ظاہر ہے کہ اس کا جواب مشکل نہیں ،مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ناموروصاحب فکرونظرخال معظم مفکراسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی آغوش علم وعمل میں تربیت پائی ،اوراہل خاندان کی طرف سے گویا صاف ہدایت کردی گئی کہ تمہیں انہی جیسا بننا اور انہی کی طرح علم ودعوت کی فکرکو مقصد زندگی بنانا ہے،مگراس کے لیے پہلے توان کی تربیت میں رہ کراپنے آپ کو تیار کرنا اور علوم وفنون کے محاسن سے اپنے آپ کو آراستہ کرنا ہے،اور ہونہار بھانجہ نے ایسا ہی کیا، چنانچہ انہوں نے مفکراسلام علیہ الرحمہ کی تربیت میں رہ کران کے علم وفکر کے سمندر میں غوطہ زنی کی،اوروہاں سے آبدار موتی نکالے،سیرت کی تشکیل وتعمیر،کردار کی پختگی،علمی وادبی استعداد کی نشوونما کے ساتھ مناسب وقت پر مناسب کتابوں کا مطالعہ کرتے رہے،اس طرح خوب سے خوب تر اور زیبا سے زیبا تر کا سفر جاری رکھا،اورمفکراسلام علیہ الرحمہ کی علمی وروحانی تربیت ہی کا اثر تھا کہ بجز قرآن مجید کے کسی کتاب سے ان کو سیری نہیں ہوتی تھی، بکثرت تلاوت قرآن مجید،ان کا معمول تھا،آخرعمر میں جب اس کی استطاعت نہیں رہی تو قرآن مجید سننے کا معمول اسی مقدار میں جاری رکھا۔

مفکراسلام علیہ الرحمہ کی صحبت وتربیت میں انہوں نے سیکھا کہ کامیاب انسان ایک جامع اور متوازن شخصیت کا حامل ہوتا ہے،وہ گروہی عصبیت ،مسلکی منافرت اورنظریاتی کشمکش سے بالاتر ہوتا ہے،اس کی نظروں میں دین اسلام کی خدمت وقت کے

تقاضے کے مطابق انجام دینا ایک عبادت ہے، انہوں نے ایک طرف اپنے مربی حکیم سے یہ سیکھا تھا کہ ایک معلم وداعی جہاں ایک طرف علم وفضل، زہد وورع، فقر واستغناء اور حکمت ودانائی کی بیش بہا دولت سے مالا مال ہوتا ہے تو دوسری طرف اس زہد وتقویٰ کے ساتھ راہِ خدا میں ہر طرح کی قربانی پیش کرنے کو تیار، چنانچہ ان کی رگوں میں ان کے جدامجد حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کا خون اپنی پوری حرارت وقوت کے ساتھ دوڑ رہا تھا، جس طرح مفکر اسلام علیہ الرحمہ کو تیر چلانے، تلوار اٹھانے اور نیزہ مارنے کی نوبت نہیں آئی اور یہی جہاد انہوں نے زبان وقلم کے ذریعہ انجام دیا، اسی فکر سے استفادہ کرتے ہوئے مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے لادینیت، اباحیت، مغربیت، قومی، نسلی وجاہلی عصبیت اور دین اسلام کی اساس پر سامراجی حملوں کے خلاف قرطاس وقلم کے ذریعہ ہر نئے وپرانے محاذ پر اسی طرح سینہ سپر اور سیل رواں کے سامنے سد سکندری بنے رہے جس طرح حضرت سید احمد شہیدؒ نے میدان جہاد میں ڈٹ کر دشمنوں کا مقابلہ کیا تھا، اور اپنے ہر بن مو کو راہِ خدا میں قربان کر دیا تھا۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کو تصنیف وتالیف، ادب وصحافت اور احوالِ امت سے متعلق مضامین ومقالات کی تیاری میں جن عزیزوں پر کامل اعتماد وبھروسہ تھا، اور ان کے اسلوب وطرز تحریر کی جو حضرات مکمل پابندی کر لیتے تھے، اس میں ان کے خانوادہ کے تین اعزہ پیش پیش تھے، پہلے ان کے عزیز ترین برادرزادہ مولانا سید محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ (بانی مجلّہ "البعث الاسلامی" ورسالہ "تعمیر حیات") تھے، جن کی شکل و شباہت ہی نہیں بلکہ اسلوب وطرز تحریر اپنے مایۂ ناز چچا جان سے کس قدر مماثل اور قلم سے قلم ملا ہوا تھا، اس کی تفصیل خود حضرت مفکر اسلامؒ کی زبانی سن لیجیے، لکھتے ہیں:

"......دنیا میں اگر (اپنی ساری کامیوں اور کمزوریوں کے احساس کے ساتھ) میرا کوئی مثیل بلکہ "صورت مثالی" ہوسکتا ہے، تو محمد میاں ہی ہوسکتے ہیں، وہ جب بچے تھے تو ان کی والدہ مرحومہ دعا کرتی تھیں کہ وہ اپنے چچا کے بالکل مثیل ہوں، اور اردو کے زنانہ کے محاورہ کے مطابق "اپنے چچا کو پڑیں" اور انہی کا نمونہ ہوں، اللہ نے جن کو دو پیدا کیا ہے، وہ دو ہی رہتے ہیں، پورے طور پر ایک کبھی نہیں ہوسکتے، لیکن دو میں جو زیادہ سے زیادہ وحدت، مماثلت اور مشابہت ہوسکتی ہے، وہ ہم دونوں چچا بھتیجے میں تھی، اس کا گواہ خاندان کا ایک ایک فرد ہے......"۔

حضرت مفکر اسلام علیہ الرحمہ نے ان کی تعلیم وتربیت پر مکمل توجہ دی، اور ان کی آغوش محبت میں پل کر جب قلم پکڑنا شروع کیا تو دونوں کی زبان وقلم، فکر وذوق، قلب ونظر حتی کہ رسم خط وطرز ادا میں ان دونوں چچا وبھتیجے میں ایسا حسین، ایسا جمیل اور ایسا دلکش امتزاج پیدا ہو گیا تھا کہ دونوں یک جاں دو قالب بن کر رہ گئے تھے۔

اس کی چند مثالیں بھی لائق وفاضل بھانجہ کے قابل صد فخر چچا جان نے دی ہیں، جنہیں بیان کرنے کا یہ محل نہیں، انہوں نے مختلف کتابوں اور رسائل کے عربی واردو میں ترجمے کیے، اگر مترجم کا نام مخفی رکھا جائے تو کسی کو شک تک نہ ہوسکے کہ تحریریں حضرت مفکر اسلام علیہ الرحمہ کی نہیں۔

مولانا سید محمد الحسنیؒ کے ساتھ اور خاص طور پر ان کی وفات

کے بعد حضرت مفکر اسلام علیہ الرحمہ کو اسی خانوادۂ حسنی کے دو اور لائق وقابل فرزندوں سے دینی، دعوتی، علمی اور ملی امور ومسائل میں سب سے زیادہ مدد ملی، وہ ان ہی کے خواہر زادہ، عربی ادب وصحافت کی ممتاز صلاحیت رکھنے والے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ اور حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ہیں، ان دونوں مثالی بھائیوں نے اپنے خال معظم کو ہر طرح سے ان کے علمی، ادبی، تصنیفی اور ملی مشغولیات میں تعاون بہم پہونچایا، ندوہ میں عربی زبان وادب کے نصاب کی تیاری، "البعث الاسلامی"، "الرائد" اور "تعمیر حیات" میں قابل قدر مضامین ومقالات کے ذریعہ بھرپور ترجمانی کرتے رہے، ان دونوں حضرات کے تعلق سے بھی حضرت مفکر اسلامؒ کی شہادت پڑھتے چلئے، "مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش" کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں:

"...... بالآخر اس کو یہ کام اپنے ان عزیزوں اور سعادت مند رفقائے کار کے سپرد کرنا پڑا، جن کا مطالعہ تازہ، اور جن کی واقفیت ان ممالک سے قریبی اور براہِ راست معلومات کے ذریعہ ہے، چنانچہ ان تغیر پذیر ممالک پر اس کے ان عزیزوں نے نوٹ لکھے اور مصنف نے ان پر نظر ڈال کر ان کو کتاب میں شامل کیا، یہ کام اس کے ان تین عزیزوں نے انجام دیا جو اس کے علمی وتصنیفی کاموں میں معاون رہا کرتے ہیں، یعنی برادر زادۂ عزیز سید محمد الحسنی مدیر رسالہ "البعث الاسلامی" (عربی) اور خواہر زادگان عزیز مولوی سید محمد رابع حسنی ندوی اور مولوی سید محمد واضح حسنی ندوی (مدیران "الرائد" سلمہما اللہ تعالیٰ)، مصنف ان عزیزوں کا شکر گذار اور ان کے حق میں دعا گو ہے، اور اب اس کو یہ اطمینان ہوگیا ہے کہ یہ کتاب ان ممالک کے بارے میں اپٹوڈیٹ (Uptodate) ہے، ولعل اللہ یحدث بعد ذلک أمرا"۔

جب کتاب کے اندر "مصر انور السادات کے عہد میں" کا ذیلی عنوان آتا ہے تو اختتام پر حضرت مفکر اسلام حاشیہ میں لکھتے ہیں: "مصر کی موجودہ صورت حال کا یہ جائزہ مولوی واضح رشید ندوی استاذ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور مدیر "الرائد" کے قلم سے ہے، جو انہوں نے مصنف کی فرمائش پر کتاب کے نئے ایڈیشن کے لیے لکھا"۔

مثل ہے کہ: "أهل البيت أدرى بما فيه" حضرت مفکر اسلامؒ سے نہ جانے ہزاروں لاکھوں نے کسب فیض کیا، اور ان کے افکار وعلوم سے اپنے قلوب کو منور کیا اور آج دینی ودنیاوی دونوں جہتوں سے مفید خدمات انجام دے رہے ہیں، تو ایسا کیسے ممکن تھا کہ سمندر کے قریب رہنے والے پیاسے رہ جائیں، چنانچہ ان حضرات نے خوب سیر ہو کر پیا، اور خال معظم کی متوازن ومعتدل فکر، ذوق ونظر، اور احساسات وخیالات کو اپنے قلب وذہن اور دل ودماغ میں سمولیا، مولانا مرحوم کو حضرت مفکر اسلامؒ کے ساتھ ملک کے اندر اور باہر کئی طویل سفروں میں بھی ساتھ رہنے کا موقع ملا، جن میں سفر حج اور پانچ ملکوں (کویت، سعودی عرب، اردن، یمن اور پاکستان) کا ایک طویل علمی ودعوتی دورہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

مولانا مرحوم نے فکر بوالحسن کی کامل ترجمانی کی اور اسی زبان واسلوب میں تادم مرگ دین حنیف کی خدمت میں اپنے آپ کو لگائے رکھا، اور حضرت مفکر اسلامؒ کے افکار ونظریات کی عکاسی اس

طرح کی کہ اہل علم ونظر برسوں ان کی تحریروں سے مستفیض ہوتے رہیں گے، مولانا مرحوم نے "الرائد" میں ان کی فکر کے متعدد گوشوں کی ترجمانی کی اور اس طرح ان کے افکار کی تشریح کی کہ قاری بس عش عش کرتا رہ جائے، ان عربی مقالات پر مشتمل "الشيخ أبو الحسن علي الندوي :قائداً حكيماً" اور "أبو الحسن علي الحسني الندوي و منابع فكره و منهجه" کے نام سے اور اردو میں ''مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ: فکر و عمل کے آئینہ میں'' کے نام سے منظر عام پر آچکی ہیں، ان کتابوں میں انہوں نے حضرت مفکر اسلامؒ کے طریقۂ کار اور منہج کی کما حقہ ترجمانی کی ہے، حق تو یہ تھا کہ الگ الگ سب پر سرسری ہی سہی، روشنی ڈالی جاتی، مگر یہاں خصوصی شمارہ کے صفحات اس کی اجازت نہیں دے رہے ہیں، اس لیے محض عناوین اور نمونہ کے طور پر صرف ایک اقتباس پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں، عناوین کچھ اس طرح ہیں:

''حضرت مولاناؒ کا فکری و دعوتی پس منظر، میدان عمل کی وسعت، مغربی تہذیب کے متعلق حضرت مولانا کا موقف، پوری انسانیت کی فکرمندی، مولاناؒ کی جامع اور عبقری شخصیت کا راز، معاصر اسلامی تحریکوں کا تجربہ اور مولاناؒ کا موقف، جماعت تبلیغ سے مولاناؒ کا تعلق اور موقف، مصر کی جماعت اخوان المسلمین اور حضرت مولاناؒ کا موقف، حکمرانوں اور سیاسی قائدین کے ساتھ مولاناؒ کا رویہ اور ان سے گفتگو کا انداز، ملک فہد بن عبدالعزیز کے نام خط، حضرت مولاناؒ اور ملی مسائل، تحریک پیام انسانیت، مسلم سماج کی اصلاح کا طریقہ کار، افہام وتفہیم اور پرامن گفتگو کی تلقین، ملی فکرمندی''۔

مولانا مرحوم اپنے مربی ومحسن کی ہشت پہل شخصیت کا تذکرہ اس انداز میں کرتے ہیں:

''حضرت مولانا کا میدان کار بڑا وسیع اور متنوع تھا، علماء اور دعوت اسلامی کے مختلف میدانوں میں کام کرنے والوں کو مخاطب کرتے تو انہیں بحث وتحقیق اور تعمیری نقد پر ابھارتے، علم جدید اور نئے طریقہائے عمل سے فائدہ اٹھانے کی دعوت دیتے، قلعہ بند ہونے کے بجائے نئے نئے خطرات اور چیلنجز کا سامنا کرنے کی ترغیب دیتے، عقل وقلب اور جذبہ وتفکر کو جمع کرنے اور انابت الی اللہ کے ساتھ عملی جدو جہد کی تلقین کرتے، اس تنوع کے اعتبار سے حضرت مولانا کی شخصیت جامعیت کی حامل تھی، وہ باحث ومحقق بھی تھے اور داعی وقائد بھی، عملی زندگی کے میدان کے شہسوار بھی، ایک طرف ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل سے دلچسپی لیتے تو دوسری طرف دنیائے انسانیت کی فکرمندی آپ کو بے چین کیے رہتی، دنیا کے حالات پر نظر رکھتے، خطرات کی نشاندہی کرتے، امراض کی تشخیص کرتے، مسائل کا حل پیش کرتے، دنیا کے کسی بھی حصہ میں پیش آنے والے واقعات، حوادث، آفات، اور سانحوں پر تڑپ اٹھتے اور آواز بلند کرتے، ضمیر انسانی کو جھنجھوڑتے، اسی طرح سیاسی مسائل کے حل کا مولانا نے ایک خاص منہج اختیار کیا تھا، وہ عالم ربانی اور مرشد امت تھے، زندگی بڑی سادہ اور تکلفات سے دور تھی، حق بات کہنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کرتے، وہ ایک ہی وقت میں سماجی مصلح بھی تھے اور دینی مرشد ورہنما بھی، اس اعتبار سے مولاناؒ کی شخصیت ہشت پہل تھی''۔

❁ ❁ ❁

خوشگوار زندگی اور قابل رشک موت

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی (نائب مدیر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ)

۸/جمادی الاولی ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۵/جنوری ظہر کا وقت نماز ظہر ادا کی جا چکی تھی، حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندوی نے معمول کے مطابق قرآن مجید سننا شروع کیا، وہ صبح دوپہر شام تینوں وقت قرآن مجید سنا کرتے تھے، گھر پر تھے، آپ کے بڑے پوتے مولوی خلیل احمد نے قرآن کریم کی سورہ آل عمران شروع کی، آخری آیات کہیں یا آخری رکوع عجیب کیفیت ان پر طاری ہوئی، وجد سا آ گیا، فرمانے لگے؛ سب کچھ اس میں کہہ دیا گیا، سورہ ختم ہوئی تو فرمایا: جی چاہتا ہے آخری ان آیات کو آویزاں کر دیا جائے، یہ آیات تھیں: "لایغرنك...... تفلحون"۔

اہل دنیا، اہل کفر و نفاق کے دور دورے، غلبہ و اقتدار، طاقت و شکوہ سے دھوکہ میں نہیں آنا چاہیے، یہ تو ان کی دنیا چاہی پر بہت تھوڑا اور فوراً ختم ہو جانے والا مل رہا ہے، اہل ایمان کو اس میں دل نہیں لگانا چاہیے، یہ سب جو بڑے نام ٹرمپ وغیرہ آتے ہیں، ان کی کوئی حیثیت نہیں، ان کا انجام تو خراب ہی ہے، ہاں ایمان والے اور اللہ والے لوگ جو ہیں، انہیں جو ملے گا وہ باقی رہنے والا اور بہت خوب ملے گا، اہل ایمان کے لیے ان آیات میں جو پیغام دیا گیا ہے وہ صبر کا اور تقوی کا ہے، اور اہل ایمان کی ترقی اور کامیابی اسی سے جڑی ہوئی، کیا معلوم تھا کہ انہیں اپنا ملنے والا اعزاز، دائمی ارتقاء، حقیقی بالکل نظر آ رہا تھا، اور وہ گویا اپنی آنکھوں سے اس کا نظارہ کر رہے تھے جو انہیں چند گھنٹوں کے بعد دن گزرنے کے ساتھ رات گزرتے ہی اس استقبال کے ساتھ ملنا تھا جو اہل ایمان، اہل صبر و تقوی کے ساتھ ہوتا ہے، جب وہ اپنے رب کے حضور حاضر ہوتے ہیں، مدینہ منورہ سے مسجد نبوی کی جدید تعمیرات کے نگراں انجینئر عبدالرشید صاحب حیدرآبادی کی دعوت گھر میں مدینہ پاک کی نسبت سے کی تھی، مدینہ پاک سے انہیں عشق تھا، اور یہ دعا بھی حرم پاک میں کی تھی کہ بقیع ان کا مدفن بنے، مگر آدمی جاتا وہیں ہے جہاں سے جانا لکھ دیا گیا ہے: "لاتدری نفس بای ارض تموت" ہاں اگر قلبی تعلق مضبوط اور سچا ہوتا ہے تو وہ اندر ہی اندر وہاں پہنچا دیا جاتا ہے، یہ عجیب مناسبت تھی کہ مدینہ پاک کی مبارک ہستی ان کے استقبال کے لیے لکھنؤ میں موجود تھی، اور ان کے وقت آخر میں بھی رات گزرتے وقت بھی ان کے پاس موجود تھی، سب سے پہلے انہیں نے ان کی طرف سے صدقہ کیا کہ صحت ہو جائے، اور شفا عاجل حاصل ہو جائے، اور اس سے بلند طریقہ سے ان کا یہ عمل مقبول ہوا کہ تمام کدورتوں، دنیوی آلائشوں کے افکار و ہموم، امراض و اعذار، سبھی سے مکمل شفا حاصل ہو گئی ہے، اور ایک بہترین انداز

سے وہ اپنے مالک حقیقی سے جاملے، جب فجر کی اذان شروع ہوچکی جوانہیں کوقرآن مجید سنانے والے مولوی عبدالصمد ندوی دے رہے تھے، لیس شریف مولوی سید سحبان ندوی پوری کر چکے تھے، صاحبزادہ احب واعز مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی بھی انہیں اعمال خیر تلاوت وغیرہ میں مشغول تھے، اورانہیں کے گود میں عظیم باپ کا مبارک ومقدس سر تھا، آس پاس ہم لوگ بھی تھے، وہ فرماتے تھے: ایسے حالات ہوں تو دعا نماز میں مشغول ہوجانا چاہیے، ان کی اپنے لیے وصیت اور ان کی مناسبت سے بھی بہترین موقع سمجھ کر میں نماز میں مشغول ہوگیا، معلوم ہوا بڑی سہولت سے روح پرواز کرگئی، چار بجے جب وہ اٹھے تھے تو حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی سے پوچھا تھا: ''چھوٹے بھیا کیا بجا ہے؟''، فرمایا: ''چار بجے ہیں''، انہوں نے اٹھ کر شب بیداری کی تیاری شروع کی، وضو کرکے آنے کے بعد سینہ میں تکلیف بڑھی اور بڑھتی گئی، فرمایا: ''محمود! پڑھ کر دم کرو''، سات بار سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا، کانوں میں سینہ میں دم کیا، پھر حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ کی مرتبہ دعاء سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ پڑھی اور مولوی خلیل حسنی نے بھی پڑھی، مولوی عین الحسن نے تلقین کلمہ سے اپنا عمل جاری رکھا، مولوی سحبان بھٹکلی نے ان کو سہارا دے کر پڑھنا پڑھانا جاری رکھا، اور قریب ہی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اپنی تمام تر توجہات باطنی وظاہری سے متوجہ اور مشغول تھے، اور اپنے تجربات سے بہت کچھ محسوس کر چکے تھے، ڈاکٹر سید عرفان قدیر کو لینے کے لیے مصباح بھائی نے ڈرائیور ناظم کو بھیجا، مگران کے ندوہ کے کمپاؤڈر جو مولانا کے دفتر

کے ملازم بھی ہیں پہلے پہنچے اور وہ جان جان آفریں کے سپرد کر چکے تھے، ڈاکٹر عرفان قدیر صاحب نے تصدیق کی: انا للّٰہ وانا الیہ راجعون. ہجری سنہ کے اعتبار سے آپؒ نے اٹھاسی سال اور عیسوی سنہ کے مطابق چھیاسی سال کی عمر پائی۔ اس لحاظ سے آپؒ نے عمر میں اپنے مشفق ماموں مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی علیہ الرحمہ کی مشابہت پائی۔

حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندویؒ نے ایسی کامل توجہ اللہ کے ساتھ اپنے رب کے حضور حاضری دی جس کی اولیاء اللہ تمنا کرتے رہے ہیں، اور وہ "طاب حیا طاب میتا" کا مصداق بنے، ان کی جوانی بھی قابل رشک تھی اور بڑھاپا بھی قابل رشک تھا۔ ۱۹۶۳ء کی بات ہے کہ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری کا سفر پاکستان تھا جو سفر آخرت بھی ہوا، رائے پور میں مجمع امنڈ پڑا تھا، کہتے کہ: میں وہاں مولانا محمد ثانی حسنی کے ساتھ حاضر تھا، دعا کے لئے کہا اور پھر ملاقات کی خواہش ظاہر کی، فرمایا: ''یہاں کی ملاقات کیا، اصل ملاقات تو وہاں کی ہے (یعنی جنت کی)''۔ اس چیز نے مولانا کا حال عجیب بنادیا تھا، انہوں نے از شباب تا شیخوخت ہر دن آخری دن، ہر رات آخری رات سمجھی اور ان کا دل دنیا میں کبھی نہیں لگا، اللہ سے لقاء کا شوق ہمیشہ غالب رہا، جنت کا ان کو یقین حاصل تھا، اپنے بڑے مناسبت والے اور بے تکلف بھائی (ماموں زاد) و برادر نسبتی مولانا سید محمد الحسنی جو آپ سے صرف پونے دو سال چھوٹے تھے، کہنے لگے کہ: ہم میں تم میں جسے زیادہ اونچا مقام حاصل ہو وہ دوسرے کو اپنے ساتھ اوپر بلا لے کہ وہاں بھی تم ہم ساتھ ہی رہیں گے۔ عجیب بات یہ ہوئی کہ ان کے

انتقال سے پہلے یہ خواب دیکھا بھی گیا کہ حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کہہ رہے ہیں کہ: ''واضح کو محمد میاں کے پاس ٹھہراؤ''، انتقال کے بعد راقم نے خواب دیکھا کہ وہ معتکف ہیں، اور راقمِ سطور سے بات کرکے ایک تبلیغی اجتماع سے آنے کا تذکرہ کررہے ہیں کہ وہاں مولانا محمد الیاس صاحب بھی آئے تھے، ان کا تبلیغ میں قابل رشک حد تک وقت لگا۔ اکابر تبلیغ مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی، مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی کے ساتھ وقت لگا تھا، اور دونوں کی ہی بہت توجہ ان کو حاصل تھی، حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی کے دردوسوز، فکروتڑپ کے بڑے قائل تھے اور حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی کی خموشی، توجہ الی اللہ، اور علمی رسوخ کے بہت قائل رہے۔ ایک بار راقم سے کہا: ''مجھے دو لوگوں کے علمی تبحر وتوسع نے خاص طور پر بہت متاثر کیا، ایک ماموں جی حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی اور ایک حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی''۔ جب انہوں نے دہلی کے قیام پر لکھنؤ کے قیام کو ترجیح دینے کا فیصلہ لیا اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کو لکھا تو حضرت شیخ نے ان کو لکھا کہ: ''علمی مشغلہ معمولی دنیوی نقصان کے ساتھ ہی نہیں، بڑے دنیوی نقصان کے ساتھ بھی اختیار کرلینا چاہیے'' اور ساتھ ہی حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی کو خط لکھا کہ: ''واضح نے میرے کہنے سے اتنا بڑا فیصلہ لیا ہے، تم دعا کرو کہ وہ کسی آزمائش میں نہ پڑیں''، اور واقعی اللہ نے ہر آزمائش سے بچایا اور دوسرے کا انہیں محتاج نہیں بنایا، یہاں تک کہ اپنے ذاتی کام بھی خود ہی کرتے کراتے دنیا سے گئے، جس کے ہم سب خدام شاہد ہیں، خدمت لینا انہیں ہمیشہ گرانبار رہا، نہانا ہوتا تو بالٹی خود بھرتے، کپڑے میں کچھ لگ جاتا تو خود دھوتے، اس رات بھی آپ ہی کیا۔

۱۹۷۳ء میں جیسے ہی دہلی سے لکھنؤ آئے اللہ نے حج کا غیب سے انتظام فرمایا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے ساتھ حج کو گئے، حضرت مولانا محمد منظور نعمانیؒ بھی تھے، ان کے ساتھ ان کے صاحبزادے مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی ندوی بھی، اور قربانی ان دونوں نے منی میں خود کی، فرماتے تھے: ''اللہ نے بڑی حفاظت فرمائی، چھری اور جانوروں پر سے گذرنا آسان نہ تھا، اسی حج میں منی میں ایک نشست شاہ فیصل شہید نے اعلام عالم اسلام کی رکھی تھی، شیخ بن بازؒ اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی اپنے پہلو میں ہی نشست رکھی تھی، تو مولانا واضح رشید حسنی ندویؒ کے ساتھ بھی یہ تکریم فرمائی کہ وہ حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ کے ساتھ بطور مرافق آئے تھے، اور بینائی بہت متاثر تھی، حضرت شیخ کے حکم سے حضرت شاہ اسماعیل شہید کی کتاب ''تقویۃ الایمان'' کا عربی میں ترجمہ ''رسالۃ التوحید'' کے نام سے مسجد نبوی میں شروع کیا تو مولانا واضح حسنی ندوی علیہ الرحمہ کو املا کرا کر شروع کیا۔

انہوں نے بڑی تنخواہ چھوڑ کر چھوٹی تنخواہ پر محض لوجہ اللہ قناعت واکتفا کیا پھر جب معتمد تعلیم کے منصب پر فائز ہوئے اور تدریسی گھنٹے آخر تک رہے مگر تنخواہ ترک کردی، یہ عرصہ بھی دس بارہ سال گذرا، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ نے بشارت دی تھی کہ واضح سے ندوہ کو فائدہ پہنچے گا اور وہ پوری ہوئی اور ندوہ نے ان کی توجیہات میں بڑی ترقی کی اور وہ اس کے

بڑے مناصب پر فائز ہوئے۔ بیت اللہ شریف میں داخلہ کی سعادت بھی حاصل کی، کعبۃ اللہ کے اندر کچھ تعمیراتی کام اور کھدائی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانہ کی کھدائی تک ہوئی تھی، یہ ۱۹۹۵-۱۹۹۶ء کی بات ہے، بھائی عبدالرشید صاحب مہندس کی کوشش کارگر ہوئی اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ، ان کے بڑے بھائی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اور ان کے تاعمر خادم سفر وحضر الحاج عبدالرزاق صاحب مرحوم بھی تھے اور وہ عظیم سعادت وشرف حاصل کیا کہ قدیم بناء ابراہیم میں ان کے قدم مبارک پہنچے، اور خوب دعا مناجات کی، نماز پڑھی، تضرع اور الحاح وزاری کی۔

باتیں لکھنے کی تو ہزار ہیں، مگر یہ بات آخری دن کی ہے، ۸/ جمادی الاولی کا طلوع فجر ہوتا ہے، نماز کے بعد مولوی عبد الصمد ندوی مؤذن مسجد ندوۃ العلماء سے قرآن مجید سنا، جو جب سے آنکھ کا آپریشن کرایا تھا' ان کا روز کا معمول تھا، جسے مختلف سالوں میں مختلف لوگ کرتے آرہے تھے، مولوی سحبان ندوی سے آغاز ہوا پھر اس قافلہ میں مولوی دانش، مولوی سید احسان اللہ، مولوی مرفاد بھٹکلی، مولوی سفیان بھٹکلی، مولوی معاذ عثمانی ندوی، مولوی سعد مہاراشٹری، مولوی محمد ثانی بھٹکلی، رائے بریلی کے قیام میں مولوی عبدالسمیع، اور گھر میں ہوتے تو مولوی محمد میاں حسنی، مولوی سعید حسنی، مولوی سید محمد امین حسنی، مولوی عبدالحی، مولوی حبیب، مولوی خبیب اور سب سے بڑھ کر نہایت عاشقانہ انداز اور والہانہ طریقہ سے تلاوت کرنے والے محبّ صادق مولوی محمد یوسف ندوی پنچ پیا کناڈا کا نام بھی ہے جنہیں سیری ہی نہ ہوتی اور مولانا بھی خوب لطف لیتے، ایک بار مولوی محمد اصطفاء الحسن کاندھلوی ندوی نے سنایا، خوش ہوئے اور تعریف کی۔ وہ قرآن مجید کے ماہر تھے، غلطی فورا پکڑتے اور تنبیہ کرتے تھے، ریڈیو میں بڑے بڑے قراء کا انتخاب کرتے تھے، ان کی اس خصوصیت کا علم بہت کم لوگوں کو ہے۔

معمول کے بعد دفتر بھی گئے، دفتر کے ملازم شریف کہتے ہیں کہ دنیا کی بے ثباتی، زندگی کی قیمت، موت کی حقیقت کے بارے میں باتیں کیں، ہم لوگوں کو تھوڑی حیرانی ہوئی کہ آج مولانا ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں، دفتر کے سکریٹری مولانا وثیق ندوی افسوس کہ سفر بحرین پر تھے، اور مولانا عثمان ندوی، عبد الکریم ندوی ان کی کمی پوری کرنے دفتر آجاتے تھے۔

انجینئر عبدالرشید صاحب مدینہ منورہ کے لیے دعوت کو اپنے صاحبزادے مولانا جعفر حسنی ندوی سے پہلے ہی کہہ چکے تھے، دفتر سے ظہر سے قبل ہی حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی اور راقم سطور' مولوی خلیل کے ساتھ گھر چلے گئے، جہاں ظہر بعد عبد الرشید صاحب ان کے بیٹے اور مصباح بھائی پہنچ گئے تھے۔

عصر بعد مولوی سفیان نے ندوہ میں قرآن مجید سنایا، اور یہ آخری سماعت تھی، باقی اپنے قرآنی معمولات اور دعا واذکار وغیرہ کے معمولات صبح، دوپہر، عصر، شام کے سب پورے کیے، ایک دو دن پہلے ارسلان سبزی والے کچھ بات وغیرہ کرنے لگے تو ان سے سبزی وغیرہ کے بارے میں پوچھنے لگے، پھر نصیحت کی، اور حدیث یاد کرائی "من غش فليس منا" (جو دھوکہ دھڑی

کرے وہ ہم میں سے نہیں!)اسی طرح حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی کی آڈیو کے بارے میں جو اسمارٹ فون کے بارے میں تازہ آیا تھا کہ جن کو اپنے اوپر کنٹرول نہ ہو ان کے لیے اس کا استعمال جائز نہیں اور دنیا کی تھوڑی زندگی کے لیے آخرت کی دائمی زندگی کا سودا کرنا کون سی عقل مندی ہے، یہ بات مولانا علیہ الرحمہ کو بہت پسند آئی اور اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد رابع حسنی کو سنائی کہ ہم لوگوں کو بھی اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ ہم سب کیسی غفلت میں ہیں۔

ایک معمول اوقات کے اعتبار سے سورتوں کی تلاوت کا تھا، فجر میں یس شریف، ظہر میں سورۂ فتح، عصر میں سورۂ نبا، مغرب میں سورۂ واقعہ، عشاء میں سورۂ ملک، وہ سب پوری استقامت سے تاعمر اور آج بھی پورے کئے، اور مغرب کے معمولات پھر رات کو سونے سے پہلے کے معمولات بھی حسبِ سابق پورے کئے اور کچھ اشارے بھی دیے جو دنیا سے اکتاہٹ اور لوگوں سے وحشت کے ساتھ اللہ کے ساتھ انس و تعلق اور الوداع کہنے کے تھے۔

دعاؤں کے تعلق سے ان کا یقین اس قدر بلند تھا کہ فرماتے: ''اللہ کا ہم پر یہ بڑا فضل ہے کہ ہم اپنی بیماری کا علاج دعاؤں سے کر لیتے ہیں''، مسنون دعاؤں کا ان کو بڑا اہتمام تھا، پورے یقین کے ساتھ معافی تلافی بھی کی، اپنے صاحبزادے مولانا جعفر صاحب سے کہا: ''مجھے معاف کرنا''۔ وہ طبی چیک اپ اور اسپتال وغیرہ سے بہت وحشت کھاتے تھے، اللہ نے ان کو اپنے پاس بلاتے وقت اسپتال کی منزل سے محفوظ رکھا، اپنے بستر پر ہی سفر آخرت کیا۔

خبر آناً فاناً ایسی پھیلی کہ بر اعظموں میں پہنچ گئی، ہم نے تو سب سے پہلے جا کر مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء مخدومی مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی کو مسجد میں جا کر اطلاع دی، وہ اسی وقت آنے لگے مگر نماز تیار تھی، وہ اس کے بعد حضرت کی خدمت میں آئے، مولانا عبد العزیز بھٹکلی نائب مہتمم ندوۃ العلماء صاحب مکہ مکرمہ میں تھے ان کو فون کیا، عمرے طواف فوراً شروع ہو گئے اور بعد میں خوب ہوئے، اور غائبانہ نماز جنازہ کی اطلاعات بھی جگہ جگہ سے آئیں، مولوی یوسف حسینی قطر میں تھے، بتایا کہ علامہ یوسف قرضاوی نے نماز جنازہ غائبانہ قطر میں پڑھائی، حضرت مولانا تقی الدین ندوی مصر گئے تھے، خبر دی کہ ان کی نماز جنازہ جامع ازہر میں پڑھائی گئی، دوسرے ملکوں سے بھی لوگ تعزیت میں حاضر ہوئے، حضرت مولانا عبید اللہ افغانی بلخ سے آ گئے مگر بعد میں پہنچے، محترمی جناب ضیاء عبد اللہ صاحب جدہ سے اسی دن پہنچ گئے، ملک بھر سے جنہیں فلائٹ مل گئی آ گئے، نظام الدین مرکز کا قافلہ شریک جنازہ ہوا، حضرت مولانا محمد ولی رحمانی امیر شریعت بہار، حضرت مولانا احمد لاٹ ندوی گجرات، اگرچہ اسی دن چل دیے مگر شریک جنازہ نہ ہو سکے، پھر تو تانتا بندھا رہا، کس کس کا نام لیا جائے، سبھی اہل تعلق نے تعلق کا خوب ثبوت دیا، جو نہیں آ سکے ان کے خط اور پیغام آئے۔

غسل اور تجہیز و تکفین دار الشفاء ندوہ میں ہوئی، مولانا جعفر حسنی اور ان کے صاحبزادگان مولوی امین، مولوی عبد الحی کے علاوہ مولانا بلال حسنی ندوی، ان کے ساتھ سید احسان اللہ،

مصباح الدین بھائی، سید سحبان ثاقب اور حافظ فضل الرحمٰن صاحب شریک تھے، جناز تیار ہوا، ان کے بھتیجے مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی بھی وہاں موجود تھے، اور انہیں کے ساتھ سب سے پہلے لوگوں نے اٹھایا۔

پھر اخیر میں دیدار والوں کا تانتا بندھا رہا، سیاسی جماعتوں کے لوگ بھی آتے رہے، علماء، قائدین، عمائدین اور خواص و عوام، اہل دین اور اہل دنیا سبھی نے عقیدت کے پھول نچھاور کیے، حقیقی پھول نہیں ......اس لیے کہ وہ بدعت کی رسم ہے...... محبت وعقیدت کے جذبات جن سے روکا نہیں جاسکتا سنت کے دائرہ اور شریعت کے سایہ میں رہ کر۔نماز جنازہ بڑے مجمع کو بڑے میدان میں مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی نے ادا کرائی، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی پہلے ہی رائے بریلی قافلہ کے ساتھ روانہ ہو چکے تھے، برابر وہاں لوگوں کی آمد تھی، عصر بعد جنازہ مولد وموطن تکیہ شاہ علم اللہ پہنچا، پروانہ وار لوگ ٹوٹ پڑے، مگر احترام اور سنت کا پاس سبھوں نے ملحوظ رکھا، جذبات تھے کہ ۔

عاشق کا جنازہ ہے ذرا شان سے نکلے

باہر بھی برابر دیدار کے لیے مجمع امڈ پڑ رہا تھا، آخری دیدار حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے کیا، اور پھر بڑے کثیر مجمع کو نماز جنازہ پڑھائی، اور حضرت مولانا سید عبد اللہ حسنی کے پہلو میں دفن کیا گیا۔قبر میں اترنے والوں میں محبوب صاحبزادے مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی صاحب اور محبوب بھتیجے مولانا سید بلال حسنی ندوی تھے، جنازہ کو عین سنت کے مطابق داہنی کروٹ قبر میں رکھا گیا، بڑی سہولت سے یہ سنت ادا ہوئی، جس میں عموماً لوگ دشواری میں پڑ جاتے ہیں، قبر میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے حافظ قرآن پوتے مولوی محمد امین حسنی ندوی اور سید احسان اللہ تھے جن کا قرآن مجید سنانے کا ایک پورے سال معمول رہا تھا، آس پاس اور اہل تعلق افراد خاندان اور ہم سب لوگ تھے، مجمع کسی طرح کم نہیں ہو رہا تھا، یہاں تک کہ عشاء کی اذان ہوئی، فجر کی اذان کے ساتھ انہوں نے آخری سانس لی تھی اور عشاء کی اذان کے ساتھ آخری مٹی دی گئی، اور سپرد خاک ہوئے، اذان کی دعا کے ساتھ مستجاب وقت میں وہاں ہم باقی بچے لوگوں نے رفعِ درجات اور مغفرت وقبولیت اعمال کی دعا کی۔

اللّٰھم اغفر لہ وارحمہ واحشرہ مع النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن أولئك رفیقاً۔

اللّٰھم تقبل حسناتہ وخدماتہ لاعلاء کلمتك ولنصرۃ دینك ولمقاومۃ أعدائك مجاھدا و ساعیا فی الغزو الفکري مدافعا للاسلام والمسلمین۔

ان کے قلم نے دشمنان اسلام کے اسلام مخالف حقائق، مسلمان کے خلاف دسیسہ کاریوں، سازشوں کو بے نقاب کیا، اور پوری واقعیت کے ساتھ بار بار پیش کیا، یہ یہودی دماغ، عیسائی وسائل کس طرح ......اور عربوں کے خلاف اپنا حقد نکالنے میں لگے ہیں وہ جاگ رہے ہیں اور ہم سو رہے ہیں۔

فانتبھوا یا أولی الابصار.

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل

مولانا سید سبحان ثاقب ندوی (دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

بروز بدھ ۱۶؍جنوری کی وہ رات ہم لوگوں کے لیے حادثہ عظیم لے کر آئی تھی، جس کی صبح نے ہمارے ہر دلعزیز استاد، ہر وقت کے ساتھ رہنے والے مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کو ہم لوگوں سے جدا کر دیا، وہ عالم اسلام کے لیے ایک دھڑکتا ہوا دل رکھتے تھے، ان کے جانے سے علماء ربانیین کی صف میں ایک بڑا خلا پیدا ہو گیا، اور یہ ایسا عظیم ملی و دینی خسارہ ہے جسے برابر محسوس کیا جائے گا۔

حضرت مولاناؒ خاندان علم اللہی کی اس شاخ سے تعلق رکھتے تھے جس کے اجداد میں امیر المومنین حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے عالی مرتبت خلیفہ حضرت مولانا سید محمد واضح صاحب خیر المسالک تھے۔ مولانا اصلاً حضرت رائے پوری سے بیعت تھے، اور اکثر ہم لوگوں کو اپنی آخری ملاقات کا واقعہ بیان کیا کرتے تھے، جس میں وہ حضرت رائے پوری سے ملنے گئے اور اس وقت حضرت رائے پوریؒ پاکستان کے آخری سفر پر روانہ ہونے والے تھے، اور دیکھنے والے دیکھ رہے تھے کہ حالات ایسے ہیں کہ شاید واپسی اب ناممکن ہو، ایسے میں مولانا نے حضرت رائے پوری سے فرمایا کہ دعا کریں، پھر جلد ملاقات ہو۔ حضرت رائے پوری نے جواباً فرمایا: ملاقات تو آخرت کی ملاقات ہوتی ہے، دنیا کی ملاقات کوئی چیز نہیں۔

حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندوی اپنی عربی لیاقت وصلاحیت میں ہندوستان میں فاضل بے بدل تھے، اس کے ساتھ ان کے اخلاق کریمانہ، خاندانی شرافت اور انسان دوستی کے وہ اوصاف تھے کہ مولانا سے ملنے والا اور ان کی صحبت اٹھانے والا ان کا گرویدہ ہو جاتا تھا، حضرت مولانا رابع صاحب مدظلہ کی خدمت و رفاقت کی وجہ سے راقم کو مولانا کے ساتھ مرافقت و مصاحبت کا شرف رہتا تھا، جس کی وجہ سے مولانا بھرپور شفقتوں اور محبتوں سے نوازتے تھے، اور برملا اس بات کا اظہار کرتے، کہ ہم تم میں اور اپنے پوتوں میں فرق نہیں کرتے، اور جب کبھی ہم گھر جانے کی بات کرتے، اور ایسا اتفاق اس رفاقت کے دوران بہت کم پیش آیا، تو مولانا کئی بار اس کا اظہار کرتے کہ آپ گھر جا رہے ہیں، آپ سے انسیت اور طبیعت مانوس ہے۔

کچھ سال پہلے مولانا کی آنکھ کا آپریشن ہوا، جس کی وجہ سے مولانا کو پڑھنے میں دشواری پیش آنے لگی تھی، اور وہ چھوٹے حروف پڑھ نہیں پاتے تھے، مولانا کو اس بات کا بڑا قلق تھا کہ وہ قرآن کی تلاوت نہیں کر پا رہے ہیں، مولانا کا روزانہ دو تین پارے پڑھنے کا معمول تھا، مولانا کی بے چینی دیکھ کر ہم نے مولانا سے درخواست کی، کہ آپ چاہیں تو ہم آپ کو قرآن سنایا کریں، اس سے ہمیں بھی ثواب ملے گا، اور آپ کے معمولات بھی پورے ہوں گے، مولانا بخوشی راضی ہو گئے، اور ہم نے مولانا کو قرآن سنانا شروع کیا، بعد میں اور لوگ بھی اس سنانے میں

شریک ہوتے گئے، لیکن مولانا ہم سے بار بار فرمائش کر کے سنتے اور ہر دور کے ختم پر کچھ ضیافت بھی کرتے تھے، اسی طرح روزانہ مولانا کا معمول تھا، کہ مغرب بعد ہم متعلقین کے لیے کچھ نہ کچھ کھانے پینے کی چیزیں منگوا کر ضیافت کرتے تھے، مولانا سے بے تکلفی کی وجہ سے بہت انسیت اور قربت محسوس ہوتی تھی، سفر و حضر میں بھی مولانا کا معمول باقی رہتا تھا۔

مولانا کو حرمین حاضری کا بڑا شوق رہتا تھا اور بڑے شوق و جذبہ سے وہاں کی یادوں کا تذکرہ کرتے، اور ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ کوئی ساتھی مل جائے تو ہم عمرہ ادا کرنے کے لیے جائیں، وقتاً فوقتاً ہم لوگوں کو اپنے پیش آئے ہوئے واقعات سناتے، اور ایسی دعاؤں کی تاثیر کے واقعات سناتے جو ان کی زندگی میں پیش آئے تھے۔

مولانا عالم اسلام کے لیے ہر وقت فکر مند رہتے، اور پیش آنے والے واقعات پر کڑھتے رہتے، عالم اسلام کے حالات پر گہری نظر رکھتے، اور کبھی کوئی اہم خبر عالم اسلام کے تعلق سے سنائی جاتی تو بہت خوشی کا اظہار کرتے، اکثر اسفار میں ایسا ہوتا کہ ہم سے کہتے کہ عالم عربی کا کوئی اخبار پڑھ کر سناؤ، چنانچہ ہم انٹر نیٹ سے مولانا کے مزاج کے مطابق خبریں سناتے۔

مولانا کی طبیعت میں نفاست پسندی بہت تھی، اور وہ سامان کی بدسلیقگی اور بے ترتیبی پسند نہیں کرتے تھے، کسی بے ترتیب چیز کو دیکھتے تو خود ہی اس کو ترتیب سے رکھتے، اپنے آفس جانے کے معمول میں کبھی ناغہ نہ ہوتا۔ الا یہ کہ بیماری یا کوئی اور بات ہو، اپنے متعلقین کے لیے فکر مندی، ان کی مزاج پرسی اور دیر تک غائب ہونے پر ان کے لیے بے چین ہونا مولانا کی طبیعت میں داخل تھا، مولانا میں ایک باپ کی شفقت تھی، ایک استاد کی محبت تھی، اور مزاج میں موانست تھی، متعلقین کے لیے انس و ہمدردی تھی، طلباء اور مقربین میں ہر دلعزیزی تھی۔

سردی کے ایام میں ہم لوگوں کا سفر کا معمول رہتا تھا اور سردیاں جنوبی ہندوستان کے مختلف علاقوں کے تقاضوں کو پورا کرنے میں گذارتے تھے، اس سال جب بھی سفر کا تذکرہ ہوا، تو مولانا نے اس کی مخالفت کی، اور کئی بار اس خدشہ کا اظہار کیا کہ خدا نخواستہ تم لوگ ہماری وجہ سے کسی مشکل میں نہ پڑ جاؤ، کوئی نہ کوئی بات ضرور پیش آئے گی، ہم لوگ مولانا کی طبیعت سے واقف تھے، چوں کہ ہر وقت مولانا موت کا استحضار رکھتے تھے اور اس دنیا سے جانے کی یہاں سے رخصت ہونے کی بات کرتے تھے، اس وجہ سے ہم لوگوں نے اس کو معمول کی بات سمجھا، لیکن کسے پتہ تھا کہ یہ اللہ کا بندہ جو کچھ کہہ رہا ہے اس پر کوئی بات منکشف ہوگئی ہے، اور عنقریب یہ ہم سے جدا ہونے والا ہے۔

مولانا کو انتقال سے ایک ہفتہ پہلے سینہ کی کچھ تکلیف شروع ہوئی، اور ان کو مہمان خانہ سے اپنے آفس تک جانے میں دشواری پیش آنے لگی، معالج خاص جناب ڈاکٹر نذر احمد صاحب سے صلاح ومشورہ سے کچھ دوائیں تجویز ہوئیں، چوں کہ دوائیں دینے کی ذمہ داری راقم کی تھی، اور مولانا کو دواؤں سے کوئی مناسبت نہیں تھی، مولانا ہمیشہ اسپتالوں اور ڈاکٹروں سے بچنے کی کوشش کرتے، اور بیماری و ناساز طبیعت کے باوجود دوا وعلاج میں سستی کرتے تھے، اور اس سے استغناء برتتے تھے، جب آخری ایام میں دوائیں بڑھ گئیں تو مولانا اس کو بہت محسوس

کرتے تھے اور کہتے رہتے تھے کہ: اتنی زیادہ دوائیں ہوگئیں۔

مولانا کا کچھ سال پہلے 'پتہ' نکالا گیا تھا جس کی وجہ سے انہیں گیس کی تکلیف رہتی تھی، اور اس سے سینہ پر جب دباؤ پڑھتا تھا تو مولانا بے چین ہوجاتے تھے، انتقال کی رات کو مولانا کی طبیعت کچھ خراب ہوئی اور انہیں تکلیف شروع ہوئی، جس کی وجہ سے مولانا گھبرا گئے، اور کہنے لگے: آج ہم نہیں سوئیں گے، سونے سے تکلیف ہوتی ہے، ہم نے مولانا سے کہا: ہم آپ کو آرام ہونے کی دوا دے رہے ہیں ان شاءاللہ آپ کو نیند آجائے گی اور تکلیف نہیں ہوگی۔

مولانا دوا کھا کر سوگئے، تہجد کی نماز کے لیے اٹھ کر ٹھنڈے یخ پانی سے وضو کیا، جیسے ہی باہر آئے پھر اسی طرح تکلیف شروع ہوئی، مولانا کے پوتے برادرم سید خلیل حسنی نے ہمیں آکر جگایا کہ ابا کو تکلیف ہے آپ دوا دے دیں، جا کر دیکھا تو مولانا بہت بے چینی محسوس کر رہے تھے، بار بار لیٹتے اور پھر اٹھ کر بیٹھ جاتے، مولانا کے صاحبزادے مولانا جعفر صاحب بھی ان ایام میں مہمان خانہ ہی میں قیام پذیر تھے، وہ بھی پاس ہی والد صاحب کی بے چینی دیکھتے ہوئے کھڑے تھے، مولانا کہنے لگے کہ: ڈاکٹر کو بلاؤ، کبھی مولانا نے اپنی بیماری میں یہ نہیں کہا تھا کہ ڈاکٹر کو بلاؤ، اس وقت مولانا کی زبان سے بے ساختہ ڈاکٹر کو بلانے کی بات نکلی، پھر وہ اپنے بستر پر بیٹھ گئے، مولانا رابع صاحب نے اپنی ایمرجنسی کی دوائیں نکال کر ہمیں دیں کہ انہیں کھلائیں، اور اشارہ کیا کہ ان کے سینہ کو سہلائیں، ہم نے اس وقت مولانا کو آخری بار دوا کھلائی، مولانا بیٹھے ہوئے تھے اور ہم سینہ سہلا رہے تھے، اسی میں اذان شروع ہوئی، تو مولانا کی بے چینی والی کیفیت ختم ہوئی، کچھ دیر کے بعد ہم نے بھائی جعفر صاحب سے کہا کہ مولانا کو شاید اونگھ آگئی ہے، ان کو لٹا دیتے ہیں، جیسے ہی لٹایا تو مولانا کے منہ سے جھاگ نکلنا شروع ہوا، اور آنکھیں پلٹنے لگیں، ہم نے یہ کیفیت دیکھ کر سورہ یاسین کی تلاوت شروع کی، دو تین منٹ کے اندر جیسے ہی سورت ختم ہوئی، مولانا کی روح بھی اسی کے ساتھ پرواز کرگئی۔

اس وقت مولانا نے کے کہے ہوئے جملے یاد آنے لگے، انہوں نے کئی بار کہا تھا کہ تم لوگ دیکھتے رہ جاؤ گے اور ہم اس دنیا سے رحلت کر جائیں گے، اس وقت وہی بات پیش آئی تھی، ان کو زندگی میں مختلف بیماریوں سے واسطہ پڑا، اور ان کو جسمانی عوارض رہتے تھے، لیکن موت کے وقت ان کو کوئی تکلیف نہیں ہوئی، ڈاکٹر عرفان قدیر صاحب نے آکر جب نبض ٹٹولا تو اس وقت تک کچھ نہیں بچا تھا، جن کے دم سے مجلسوں میں رونق تھی، وہ ان مجلسوں کو سونی کر کے چلے گئے تھے، اب ان کی باتیں اور یادیں ہیں وہ نہیں ہیں، ان کی شفقتیں اور محبتیں ہمیشہ یاد آتی رہیں گی۔

مولانا ایک خداترس، متقی اور پرہیز گار انسان تھے، عبادات میں منہمک رہنے والے، موت کا استحضار رکھنے والے تھے، مولانا کی تالیفات میں "ادب اھل القلوب" ایک جداگانہ حیثیت رکھتی ہے، اور اس کتاب کو ہم نے مولانا سے براہ راست پڑھا، مولانا بزرگوں کے واقعات کثرت سے سنایا کرتے تھے، ان کے انتقال سے علم وفضل کی ایک شمع بجھ گئی۔

اللہ تعالیٰ ان کو اضعافاً مضاعفۃ نیکیوں کا بدلہ نصیب فرمائے اور ہمیں ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے، آمین۔

❀ ❀ ❀

مولانا واضح رشید حسنی ندویؒ

عظیم خانوادے کے عظیم فرزند

.... ● مولانا راحت علی صدیقی قاسمی

سرزمین ہند علم وادب کا گہوارہ ہے، اس ملک کی مٹی میں علم کی خوشبو بسی ہوئی ہے، اس کی خوبصورتی، دلکشی وجاذبیت، اس کی جائے وقوع، موسم، آب وہوا کے باعث ہے، اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا، البتہ اس حقیقت کا اعتراف کرنا بھی ضروری ہے کہ ہندوستان علم وادب کا گہوارہ ہے اور بہت سی عظیم شخصیات نے اس ملک کی تاریخ کو تابناک بنایا ہے، بہت سے خانوادے ہیں جن کے باعث یہ ملک علم کے میدان میں مثال ہونے کا شرف رکھتا ہے، اور وہ خانوادے تاریخ کے اوراق پر ستاروں کی مانند چمک رہے ہیں اور اپنی خدمات جلیلہ کی بنیاد پر تاریخ ہند کا مرکزی کردار ہیں۔

خانوادۂ ولی اللہ جس نے علم حدیث وتفسیر میں نمایاں کارنامے انجام دیے، کفر والحاد پر کاری ضرب لگائی، باطل طاقتوں کو منھ توڑ جواب دیا، اسلام کی ترجمانی وتبلیغ اشاعت کے میدان میں تابندہ نقوش ثبت کئے، جو نشان منزل ہیں، ان پر قدم رنجہ ہوکر اس میدان میں کامیابی وکامرانی کی اعلی منازل طے کی جاسکتی ہیں، خانوادہ قاسمی نے درس وتدریس منطق وفلسفہ اور علم کلام میں نمایاں خدمات انجام دیں، علم وعقل کے دعویداروں اور مذہب اسلام پر نکتہ چینی کرنے والوں کو مسکت جوابات دئے، آج بھی اس بحر ذخار سے موتیاں چننے والے چن رہے ہیں، اور یہ دریا سکون وطمانیت کے ساتھ موجزن ہے، خانوادۂ انور شاہ نے علم حدیث اور زبان وادب کی بے پایاں خدمات انجام دیں، ختم نبوت کے تحفظ کے لئے سینہ سپر رہے، اور افراد سازی و رجال سازی کے قابلِ رشک نمونے پیش کئے، آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے، اور پتھروں سے ہیرے تراشے جارہے ہیں، خانوادۂ مدنی کے افراد نے نظم ونسق، سیاست وحکمت کے میدان نمایاں کارنامے انجام دیے ہیں، اور علم وادب کے گوشہ کو بھی تشنہ نہیں چھوڑا، اس خانوادہ کے فرزند آج بھی خدمت دین میں مشغول ہیں۔

سرزمین ہند میں ایک اور خانوادہ ہے، جس کا علمی وقار بلند وبالا ہے، جس نے قرآن وحدیث تفسیر بیان وخطابت دعوت دین اور اشاعت دین کے شعبوں کے ساتھ ساتھ عربی زبان و ادب کے شعبہ میں وہ خدمات جلیلہ انجام دیں کہ اہل زباں بھی متحیر ہوگئے، اور ان کے طرز نگارش کے گرویدہ ہوگئے، ان کی تخلیقات اور فکری بلندیوں کو دیکھ کر ان کی علمی قابلیت کے اسیر ہوگئے، ساری کائنات کے باشندوں کو عجم خیال کرنے والے، اس خانودہ کی گفتار وخطابت سے محو حیرت ہوگئے، یہ خانوادہ

رائے بریلی تکیہ کلاں کا حسنی خانوادہ ہے، جس کا ہر فرد بشر آسمان علم وادب کا آفتاب و ماہتاب ہے، زبان دانی وقوت بیانی میں بے مثل ہے، قلم سے موتی اگلنے میں یکتا ومنفرد ہے، جن کے الفاظ قلوب کی دنیا پر حکومت کرتے ہیں، اور لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا کردیتے ہیں۔

اس عظیم خانوادہ کا ایک عظیم فرزند ہمارے درمیان سے رخصت ہو گیا، اس کا رخصت ہونا یقینی طور پر ملت اسلامیہ کے لئے رنج والم کی بات ہے، تکلیف کے آثار ہر چہرے پر نمایاں ہیں، غموں و اندوہ ملت اسلامیہ کا ہر فرد بشر محسوس کررہا ہے، البتہ اہل ندوہ کے لئے ایسی صورت حال ہے جس کو لفظوں میں سمونا مشکل کام ہے، جیسے کسی گھر کا بڑا رخصت ہوجائے، کسی بچہ کا مشفق ومربی دنیا چھوڑ جائے، اس طرح کی صورت حال اہل ندوہ کے لئے ہے، چونکہ دار العلوم ندوۃ العلما کے معتمد تعلیم جناب مولانا واضح رشید ندوی دنیا سے رخصت ہو گئے۔

مولانا واضح رشید ندوی عربی زبان وادب کے عظیم خدمت گاروں میں سے ایک تھے، انہوں نے زبان وادب کی مختلف زاویوں سے نمایاں خدمت انجام دی، میدان صحافت کو اپنے قلم کی طاقت سے خوبرو کیا۔ البعث الاسلامی، اور الرائد میں اس دعوے کے دلائل بکثرت موجود ہیں، اداریہ اور صور واوضاع کے عنوان سے تحریر کئے گئے ان کے مضامین جہاں ان کے طرز نگارش کی یکتائی اور انفرادیت کی جانب مشیر ہیں، وہیں ان کی فکری بلندی کو بھی محیط ہیں، انہوں نے عالم اسلام کے مسائل ان کے اسباب وعلل کو بخوبی اپنی تحریروں میں پیش کیا، مغرب کی اسلام دشمنی کی وجوہات واسباب پر روشنی ڈالی، مغربی تہذیب و ثقافت کے کھوکھلے پن کو عیاں کیا، یورپ کی فکری آزادی اور بے راہ روی کو موضوع گفتگو بنایا، اس کی صحیح صورت حال سے قارئین کو باخبر کیا، آزادی رائے کے کھوکھلے دعوے کی حقیقت کو اپنے ایک مضمون "موقفان متناقضان لحریۃ الرأی" میں عالم آشکار کیا، اور مغرب نے جو متضاد آزادی رائے کا ڈھونگ رچ رکھا ہے، اس کو عیاں کیا، بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں مغرب کا یہی طرز ہے اس جانب بھی روشنی ڈالی، رقم طراز ہیں: " فان لها معيار الحرية التعبير يختلف عن معيار مخترعي هذا المصطلح، و يوجد هذا التناقض في كل مجال من مجالات الحياة" صور و أوضاع "۔ (البعث الاسلامی اکتوبر 2018)

سرزمین ہند میں ایک اور خانوادہ ہے، جس کا علمی وقار بلند وبالا ہے، جس نے قرآن وحدیث تفسیر بیان و خطابت دعوت دین اور اشاعت دین کے شعبوں کے ساتھ ساتھ عربی زبان وادب کے شعبہ میں وہ خدمات جلیلہ انجام دیں کہ اہل زباں بھی متحیر ہو گئے، اور ان کے طرز نگارش کے گرویدہ ہو گئے۔

وہ عظیم صحافی تھے، انہیں صحافت کے میدان میں درک حاصل تھا، جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ

وہ 1953 سے 1973 تک آل انڈیا ریڈیو میں بحیثیت ترجمان اور اناؤنسر ملازمت کیا کرتے تھے اور غیر معمولی عزت و عظمت کے حامل تھے، ان کی خوبی یہ تھی کہ انہیں انگلش عربی اردو تینوں زبانوں میں مہارت حاصل تھی، اور تینوں زبانوں میں ان کا قلم سیال تھا، اگرچہ عربی میں زیادہ لکھتے تھے، راشٹریہ سہارا میں بھی ان کے مضامین نگاہوں سے گزرے ہیں، جن میں ان کی فکری بلندی تجزیہ کی قوت عالم اسلام کے احوال پر نظر، عیاں ہوتی تھی، اور الفاظ کی سادگی و شائستگی بھی ان کی سادہ شخصیت کی جانب اشارہ کرتی تھی۔

آپ محض صحافت ہی تک محدود نہیں رہے، بلکہ آپ نے حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی کے مشورہ کے مطابق درس وتدریس کو بھی اپنا مشغلہ بنایا، اور کامیاب مدرس ثابت ہوئے، بی بی سی کی ملازمت کو ترک کر کے دارالعلوم ندوۃ العلما کے شعبۂ تدریس سے وابستہ ہو گئے، آپ نے ادب عربی کی تدریس کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنایا، کلیۃ اللغۃ العربیہ کے عمید ہوئے، جو صلاحیت ان کے پاس تھی، اسے طلبہ میں منتقل کرنا شروع کیا، طلبہ میں زبان و بیان کی قدرت پیدا کی، انہیں مضمون نگاری وانشا پردازی کی باریکیاں سکھائیں، اور ایک بڑا طبقہ اس بات کا معترف ہے کہ انہوں نے بڑی تعداد میں قلم کے شہسوار تیار کئے، جو عظیم ترین خدمت ہے، زبان وادب کے ساتھ ساتھ اسلامی افکار ونظریات کو آپ نے تدریس کا موضوع بنایا، طلبہ کو اسلام کے افکار ونظریات کی حکمتوں اور باریکیوں پر مطلع کیا، اور فکر ونظر کی بالیدگی کے واضح ترین نمونے پیش کئے، جس کا اعتراف ان افراد کے جملوں سے ہوتا ہے، جو آپ کے درس میں شریک رہے، آپ کے ایک عظیم شاگرد اکرم ندوی اس سلسلے میں رقم طراز ہیں:

"مولانا کے درس کی اہم خصوصیت افادہ ونفع رسانی ہے، مولانا کے ہر درس میں عقل ودماغ کو نئے مواد ملتے، ہر مجلس میں علم وادب کی نئی معلومات حاصل ہوتیں" (مضمون ایک مثالی معلم کی کہانی ایک شاگرد کی زبانی، ڈاکٹر اکرم ندوی)

> "اس عظیم خانوادہ کا ایک عظیم فرزند ہمارے درمیان سے رخصت ہو گیا، اس کا رخصت ہونا یقینی طور پر ملت اسلامیہ کے لئے رنج والم کی بات ہے، تکلیف کے آثار ہر چہرے پر نمایاں ہیں، غم واندوہ ملت اسلامیہ کا ہر فرد بشر محسوس کر رہا ہے، البتہ اہل ندوہ کے لئے ایسی صورت حال ہے جس کو لفظوں میں سمونا مشکل کام ہے، جیسے کسی گھر کا بڑا رخصت ہو جائے، کسی بچہ کا مشفق و مربی دنیا چھوڑ جائے، اس طرح کی صورت حال اہل ندوہ کے لئے ہے، چونکہ دارالعلوم ندوۃ العلما کے معتمد تعلیم جناب مولانا واضح رشید ندوی دنیا سے رخصت ہو گئے۔"

مولانا نے تصنیف وتالیف کے میدان میں بھی عظیم ترین خدمات انجام دی ہیں، تاریخی، تنقیدی، فکری موضوعات پر آپ کا قلم رواں دواں تھا، تاریخ الادب العربی، العصر الجاہلی، عربی زبان وادب کی تاریخ آپ نے تحریر فرمائی، جس میں عرب اور

اہل عرب، عربی زبان وادب کی روایت، شعر اور نثر اور اس کے ساتھ ساتھ عظیم ترین ادبا آپ کے زیر قلم تھے، تاریخ یونہی مشکل ترین فنون میں سے گردانا جاتا ہے، اور عربی زبان وادب کی تاریخ مرتب کرنا کس درجہ مشکل ترین کام ہے، اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے، کتاب کا مطالعہ اس بات کو عیاں کردے گا کہ مولانا نے تاریخ نگاری کا حق ادا کیا ہے، اور اسی پر بس نہیں بلکہ مولانا نے جدید عربی زبان وادب کو بھی موضوع گفتگو بنایا، اور دور حاضر عربی ادب کی صورت حال پر روشنی ڈالی، جدید دور کے ادباء کی خدمات کا ذکر کیا، ان کی تصنیفات پر بھی قلم اٹھایا۔

اس سلسلے میں "أعلام الادب العربی فی العصر الحدیث" آپ کی معرکۃ الآرا تصنیف ہے، مصادر العربی پر بھی آپ کی کتاب موجود ہے، اس میدان کو بھی آپ نے تشنہ نہیں چھوڑا، عربی زبان و ادب میں مولانا کی خدمات بے مثل ہیں۔ مولانا نے شخصیت نگاری، سوانح وسیرت نگاری کے میدان بھی بلند ترین خدمات انجام دیں، وہ ایک عظیم سوانح نگار تھے، انہوں نے اردو اور عربی دونوں زبانوں میں سوانح لکھیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کو سپرد قرطاس کرنے کا فریضہ بھی انجام دیا، اور شمائل نبویؐ کے ذریعہ بھی اپنے قلم کی آب وتاب میں اضافہ کیا، حضرت مولانا علی میاں کی زندگی اور ٹیپو سلطان شہید کی زندگی کو بھی سپرد قرطاس کیا۔

مولانا محض دارالعلوم ندوہ کے معتمد تعلیمات نہیں تھے، بلکہ وہ ماہر تعلیم تھے، موجودہ نظام تعلیم اور اس کی قباحتیں ومضرتیں، قدیم نظام تعلیم اور اس کی خوبیاں وخصوصیات، مغربی پرستی، نظام تعلیم میں مغرب کی اندھی تقلید اور مغربی نظام تعلیم کی خامیاں اور اس نظام کا مقصد ان تمام پہلوؤں پر آپ بخوبی مطلع تھے، اور اپنی کتاب "نظام تعلیم وتربیت اندیشے، تقاضے اور حل" میں انہوں نے اس کو بھرپور طریقے سے بیان کیا ہے، اور میدان تعلیم میں مسلمانوں کی مکمل طور پر رہنمائی کی ہے۔ مولانا نے اسلامی زندگی کے تمام پہلوؤں کو روشناس کرایا، اور واضح کیا کہ دورِ حاضر میں کس طرح عوام وخواص بے ضابطگی کی زندگی میں مبتلا ہیں، اور اسلامی زندگی جس توازن کی حامل ہے، اس سے کوسوں دور ہیں، اس جانب تاکید کرنے کے لئے انہوں نے وہ حدیثیں مرتب کیں، جو زندگی کے توازن اور اسلامی طرز زندگی کو عیاں کرتی ہیں۔ انہوں نے عالمی مسائل کو بھی موضوع گفتگو بنایا، اور فلسطین جیسے حساس مسئلہ پر اپنی کتاب "مسئلہ فلسطین" میں سیر حاصل بحث کی ہے، اسرائیل اور اس کی دسیسہ کاریوں کا پردہ فاش کیا، اور مسئلہ فلسطین کی حقیقت کو امریکی وبرطانوی دستاویزات کی روشنی میں بیان کیا، جو ان کی عالمی مسائل پر نگاہ اور تحقیقی مزاج کی بین دلیل ہے۔

مولانا کی شخصیت کے ان تمام پہلوؤں پر تحقیق وتجزیہ کے لئے وقت اور محنت شاقہ درکار رہے، آنے والا وقت آپ کی شخصیت کے مزید پہلوؤں کو نمایاں کرے گا۔

آپ ملت اسلامیہ کے عظیم فرزند تھے، خدا کرے کے آنے والی نسل ان خصوصیات کی حامل اور خانوادہ حسنی کی روایتوں کی امین ہو، جس طرح آپ کے بچے تصنیف وتالیف کے کام میں مشغول ہیں، اس سے یہ واضح امکان ہے کہ اس خانوادے کا فیضان اسی آب وتاب کے ساتھ آئندہ بھی جاری رہے گا۔

آہ! حضرت مولانا سید واضح رشید حسنی ندویؒ

...........● مولانا سید آصف ندوی

آج صبح جب صدیق محترم مولانا محمد صدیق ندوی نے اس اندوہناک خبر صاعقہ اثر کی اطلاع دی تو مجھے اپنے کانوں پر یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ میرے استاد محترم، عالم اسلام کی بزرگ ترین علمی وروحانی شخصیت، خانوادۂ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے گُل سرسبد، عربی زبان وادب کے جری شہسوار وماہر ترین نقاد، صحافی وادیب، متعدد عربی وارد و کتابوں کے بلند پایہ مصنف، ماہنامہ الرائد کے قابل فخر ومایہ ناز مدیر، مجلہ البعث الاسلامی کے شریک ادارت، جنرل سکریٹری رابطہ ادب اسلامی، برصغیر کی نہایت ہی ممتاز و بافیض دینی درسگاہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیمات، بیدار مغز، ہوش مند، مدبر ومفکر، عالم دین اور مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کے برادر خورد وخلیفۂ مجاز حضرت مولانا سید محمد واضح رشید ندویؒ نے آج بروز بدھ مؤرخہ ۹ جمادی الاول ۱۴۴۰ھ ۱۶ جنوری ۲۰۱۹ کو نماز فجر سے کچھ قبل اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کردی اور ہمیں داغ مفارقت دے کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی و کل شئ عندہ باجل مسمی۔

۱۹۹۵ء کا سال ہے اور میں بہت خوش ہوں کہ میں عالم اسلام کی انتہائی بافیض اور عظیم ترین دینی درسگاہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلے کے اہلیتی امتحان میں کامیاب ہو چکا ہوں، آخر خوشی کیونکر نہ ہوتی کہ داخلہ ندوۃ العلماء میں ہوا ہے اور جن مؤقر ترین اساتذۂ ندوہ کا نام ندوہ پہنچنے سے پہلے ہی سن رکھا تھا اور جن کی محبت وعظمت میرے دل میں محبت وعظمت کے شعور و ادراک سے پہلے ہی جاگزیں ہو چکی تھی، آج مجھے ان ہی محبوب ترین شخصیات کی زیارت کرنے اور ان میں سے بعض کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کی سعادت نصیب ہونے جا رہی تھی، مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی، حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی وغیرھم۔ دارالعلوم میں تعلیم کا پہلا دن ہے، تفسیر وحدیث کے ابتدائی دو گھنٹوں کے بعد تیسرا گھنٹہ ادب عربی کا ہے جو حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کے ذمہ ہے، جیسے ہی تیسرے گھنٹے کی گھنٹی بجی، حضرت مولانا تشریف لے آئے، انتہائی سادہ، متواضع، مجسم شرافت، آپ کی پُرنور صورت، متواضع چال ڈھال اور متشرع وضع قطع کو دیکھتے ہی دل آپ کی طرف کھنچتا چلا گیا، بہت ہی آہستہ اور دھیمی آواز میں کانوں میں رس گھولتے رہے اور میرا دل حضرت کی محبت وعظمت سے بھرتا چلا گیا اور آج تک بھی الحمدللہ اس عظمت ومحبت میں کوئی فرق نہیں

آ پایا۔

حضرت مولانا واضح رشید ندوی صاحب نہایت ہی خاموش طبع انسان تھے، باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عربی اور اردو دونوں ہی زبانوں پر یکساں قدرت ومہارت تامہ عطا فرمائی تھی، پھر بھی آپ کی زبان وقلم سے کبھی کسی کے خلاف ہرزہ سرائییا خامہ فرسائی اور تیز وتندلب ولہجہ میں کسی پر تبصرہ وتنقید تو درکنار کوئی خفیف بات یا ہلکا سا جملہ بھی نہیں نکلا کرتا تھا۔ آپ انتہائی سادہ، متواضع، خلیق، خاموش مزاج، کم گو، کم آمیز، عابدوزاہداور متقی انسان تھے، لیکن نرے زاہد خشک بھی نہیں تھے کہ کبھی کسی سے خندہ پیشانی سے پیش ہی نہ آئے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ ملنسار طبیعت، صلح جوئی اور بے طمعی عطا فرمائی تھی، آپ ہر ایک کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملا کرتے تھے، جو ایک مرتبہ آپ سے مل لیتا وہ تادم حیات آپ کا گرویدہ ہوجاتا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اس وقت نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالم اسلام میں ایک سے بڑھ کر ایک بزرگ، عالم دین، خادم قوم وملت، مدبر ومفکر اور صاحب فکر ونظر قلمکار، صحافی وادیب ایسے ایسے موجود ہیں جو سب ہی ہمارے دلوں کے سرور اور آنکھوں کے نور ہیں لیکن حضرت مولانا کی شخصیت ان تمام میں سب سے نرالی، سب سے انوکھی اور اپنی مثال آپ تھی۔

عالم میں تم سے لاکھ سہی، تم مگر کہاں

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

حضرت مولانا کی ولادت اپنے آبائی وطن رائے بریلی میں حضرت سید رشید احمد حسنیؒ جیسی بے حد قابل احترام شخصیت کے گھرانے میں ہوئی، جو گھرانہ ہر اعتبار سے ''ایں خانہ ہمہ آفتاب است'' کا مصداق تھا، جہاں ہمہ وقت اللہ اللہ اور الا اللہ کی صدائے دل نواز کی بازگشت ہوا کرتی تھی۔ آپ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے حقیقی بھانجے اور مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے خورد سال برادر حقیقی تھے، آپ کی والدہ ہمشیرۂ مفکر اسلام محترمہ سیدہ امۃ العزیز صاحبہ نہایت ہی عابدہ وزاہدہ اور ولی صفت خاتون تھیں، مفکر اسلامؒ نے اپنی شاہکار تصنیف پرانے چراغ میں تحریر فرمایا ہے کہ'' مرحومہ کا بیعت واصلاح کا تعلق حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ، سہارنپور سے تھا، ان کے مشفقانہ خطوط جن میں کہیں کہیں ''ہمشیرہ صاحبہ'' سے خطاب ہے اکثر محفوظ ہیں''۔

> انتہائی سادہ، متواضع، مجسم شرافت، آپ کی پُرنور صورت، متواضع چال ڈھال اور متشرع وضع قطع کو دیکھتے ہی دل آپ کی طرف کھنچتا چلا گیا، بہت ہی آہستہ اور دھیمی آواز میں کانوں میں رس گھولتے رہے اور میرا دل حضرت کی محبت وعظمت سے بھرتا چلا گیا۔

حضرت مولانا پر اللہ تعالیٰ کا یہ عظیم انعام تھا کہ اس نے انہیں فاضل یگانہ، نابغۂ عصر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تربیت وصحبت اور رہنمائی ورہبری نصیب فرمائی، چنانچہ آپ کی ابتدائی تعلیم اپنے ماموں جان مفکر اسلام ہی کے زیر

نگرانی خاندانی مکتب مدرسہ الٰہیہ، تکیہ کلاں، رائے بریلی میں ہوئی، اس کے بعد آپ کو اعلیٰ دینی تعلیم کے لئے عالم اسلام میں علوم اسلامی اور تعلیم دین کے عظیم ترین مرکز دار العلوم ندوۃ العلماء میں داخل کیا گیا جہاں سے آپ نے ۱۹۵۱ء میں سند فراغت حاصل کی۔ حضرت مولانا نے دار العلوم ندوۃ العلماء میں اپنے دور طالبعلمی کے دوران جن اساتذہ کرام کا جلوۂ جہاں آرا دیکھا اور جن کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا ان میں سرفہرست آپ کے ماموں جان مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، حضرت مولانا محمد ناظم ندوی، حضرت مولانا عبدالحفیظ بلیاوی نور اللہ مراقدہم جیسے ماہرین زبان وادب اساطین علم تھے جنہوں نے آپ کے اندر عربی زبان وادب کی محبت اور اس میں خامہ فرسائی کا ذوق پیدا کیا۔ آپ نے دار العلوم ندوۃ العلماء میں علوم نبوی اور معارف واسرار ربانی کے حصول اور درسیات کی تحصیل ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ عصری علوم کے بحر ذخّار میں بھی غوطہ زنی کی، چنانچہ آپ نے دار العلوم ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ سے انگریزی میں بی اے کیا۔

حضرت مولانا نے ندوہ میں تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد ۱۹۵۳ء سے ۱۹۷۳ء تک تقریباً بیس سال آل انڈیا ریڈیو دہلی میں بحیثیت مترجم واناؤنسر خدمت انجام دی۔ اس کے بعد سے مستقل تادم حیات تقریباً نصف صدی دار العلوم ندوۃ العلماء میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ عربی زبان وادب میں آپ کی قدرت ومہارت کے پیش نظر آپ کو دار العلوم ندوۃ العلماء میں کلیۃ اللغۃ العربیۃ وآدابہا کا عمید (Dean of the Faculty of Arabic Language and Literature) مقرر کیا گیا۔ ۲۰۰۶ء میں استاد محترم حضرت مولانا عبداللہ عباس ندوی نور اللہ مرقدہ (سابق معتمد تعلیمات دار العلوم ندوۃ العلماء) کی وفات کے بعد سے آپ دار العلوم ندوۃ العلماء میں معتمد تعلیمات کے نہایت ہی اہم ترین اور ذمہ دارانہ منصب پر فائز تھے۔ آپ ندوۃ العلماء میں تدریسی خدمات کے ساتھ ہی ساتھ مدرسہ فلاح المسلمین، رائے بریلی کے ناظم اعلیٰ اور دارِ عرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی کے نائب صدر بھی تھے۔

> سچی بات تو یہ ہے کہ اس وقت نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالم اسلام میں ایک سے بڑھ کر ایک بزرگ، عالم دین، خادم قوم وملت، مدبر ومفکر اور صاحب فکر ونظر قلمکار، صحافی وادیب ایسے ایسے موجود ہیں جو سب ہی ہمارے دلوں کے سرور اور آنکھوں کے نور ہیں لیکن حضرت مولانا کی شخصیت ان تمام میں سب سے نرالی، سب سے انوکھی اور اپنی مثال آپ تھی۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کو بڑا احساس دل دیا تھا، آل انڈیا ریڈیو دہلی میں بحیثیت مترجم خدمات انجام دینے کے دوران آپ کو انگریزی زبان وادب اور اس کے ذریعہ مغربی ممالک کی بلاد اسلامیہ سے متعلق مکروہ سیاست، متعصّبانہ ذہنیت اور استعماری عزائم کو پڑھنے اور سمجھنے کا خوب موقع ملا جس نے

آپ کے اندر مغربی اور لادینی افکار پر گہری نظر اور وسعت فکر پیدا کردی اور حالات حاضرہ پر اس گہری نظر اور گردو پیش سے اس مکمل آگہی نے آپ کو بے چین اور آپ کے قلم گوہر بار کو مضطرب کردیا، چنانچہ آپ اپنے اس دردو کڑھن اور بے چینی و اضطراب کو گزشتہ نصف صدی کے دوران تقریباً ہر ماہ الرائد اور البعث الاسلامی کے اوراق پر بکھیرتے رہے اور اپنے مخصوص انداز اور اسلوب نگارش میں مغربی ممالک کو للکارتے اور بلاد اسلامیہ کو جھنجھوڑتے رہے۔ اس کے علاوہ حضرت مولانا نے عربی واردو دونوں ہی زبانوں میں متعدد کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں اور وہ تمام ہی تصانیف اس قدر مقبول ہوئیں کہ ہر کتاب کے تقریباً متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ چند اردو کتابوں کا تذکرہ کردینا نامناسب نہیں ہوگا:

1۔ محسن انسانیت ﷺ:

اس کتاب میں اسلام دشمن عناصر کی جانب سے اسلام اور اسلامی تعلیمات کے خلاف پیدا کردہ اس غلط فہمی بلکہ الزام کہ اسلام اپنی بہترین تعلیمات کی بنیاد پر نہیں بلکہ تلوار اور نیزہ کے زور پر پھیلا ہے کا جواب انتہائی خوبصورت طریقہ سے حقائق کو واضح کرکے اور سیرت نبوی ﷺ کے روشن وتابناک پہلوؤں کو اجاگر کرکے دیا گیا ہے اور سیرت طیبہ سے متعلق پیدا شدہ غلط فہمیوں کو ختم کرنے کی کامیاب ترین کوشش کی گئی ہے۔

2۔ مسئلہ فلسطین، سامراج اور عالم اسلام:

اس کتابچے میں قضیۂ فلسطین کی اہمیت ونوعیت، سامراجی ممالک کی اس میں دلچسپی کی وجوہات، یہودیوں کے اس سے متعلق ناپاک عزائم، اسرائیل و عالم عرب کی اصل صورت حال جیسے بہت ہی اہم اور حساس ونازک مسائل کو پیش کیا گیا ہے۔

3۔ سلطان ٹیپو شہید، ایک تاریخ ساز قائد شخصیت:

اس کتاب میں سلطان ٹیپو شہیدؒ کے حالاتِ زندگی، ان کے طرزِ حکمرانی اور ملی وقومی قیادت اور ناقابلِ فراموش کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

4۔ نظام تعلیم وتربیت، اندیشے تقاضے اور حل:

یہ کتاب دراصل تعلیم وتربیت سے متعلق حضرت مولانا کے لکھے ہوئے مختلف مضامین پر مشتمل ہے جس میں آپ نے پوری دیانت داری کے ساتھ قدیم وجدید دونوں ہی نظام تعلیم کے حسن وقبح کی نہ صرف نشاندہی کی ہے بلکہ انہیں مزید بہتر اور مفید بنانے کے مشورے بھی دیئے ہیں۔

حضرت مولانا کا شمار اس دور کے صف اول کے علماء میں ہوتا تھا، آپ کی وفات پورے عالم اسلام کے لئے علم وادب کا ایک ناقابل تلافی نقصان ہے، خصوصاً دارالعلوم ندوۃ العلماء اور ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی مدظلہ العالی کو جو صدمہ اور کرب آپ کی وفات سے پہنچا ہے اس کا خیال آتے ہی دل مغموم ہوا جاتا ہے۔ دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ استاد محترم کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے، زلّات کو حسنات سے مبدل فرمائے، ان کے برادرِ بزرگ حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی مدظلہ العالی اور صاحبزادہ حضرت مولانا سید جعفر حسنی ندوی اور تمام ہی پسماندگان ولواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

آہ! مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

علم کا شناور صداقت کا داعی

● مقصود احمد ضیائی ....

چمنستان علم وفن کے دیدہ ور، شبستان فضل ومعرفت کے گوہر شب تاب، ممتاز اسلامی اسکالر معروف عالم دین، عربی زبان وادب کے عظیم شناور، انشاء پرداز اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیمات مولانا سید محمد واضح رشید حسنی الندوی بتاریخ ۱۶/جنوری ۲۰۱۹ء بوقت اذان فجر اس دنیائے فانی سے کوچ کر گئے۔ اناللہ واناالیہ راجعون

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی الندوی کی پیدائش رائے بریلی میں ہوئی' آپ نے ندوۃ العلماء لکھنؤ سے عالمیت اور فضیلت کی سند حاصل کی، علی گڑھ یونیورسٹی سے انگریزی زبان وادب میں B,A کیا، آپ عربی زبان وادب کے ماہر تھے، چنانچہ عربی زبان میں ۲۰/ اور اردو میں ۱۰/ سے زائد کتابیں اور سیکڑوں کی تعداد میں مقالات ومضامین تحریر فرمائے، آپ عربی رسالہ ''الرائد'' کے چیف ایڈیٹر اور عربی زبان کے معروف مجلہ ''البعث الاسلامی'' کے معاون مدیر تھے۔ عربی زبان وادب کی خدمات کے اعتراف میں آپ کو صدر جمہوریہ ایوارڈ سے بھی نوازا گیا۔ آپ نہایت سلیس زبان میں لکھتے تھے، آپ کئی ملی تنظیموں اور اداروں کے رکن بھی تھے۔ مرحوم کا شمار عصر حاضر میں ان علمائے رُبانیین میں ہوتا تھا جن کی مقبولیت عالم عرب میں بھی ہے۔ آپ ایک دردمند اسلامی اسکالر تھے۔ دراصل ہندوستان علم وفضل اور مردان راہ دان پیدا کرنے میں اپنی مثال آپ ہے۔ آپ کی خصوصیت یہ بھی تھی کہ عالمی حالات پر گہرا مطالعہ تھا، فکری موضوعات پر آپ کی لگ بھگ دو درجن کتابیں ہیں۔ آپ یورپ کے تعلیمی نظریات سے بھی واقف تھے اور اقوام یورپ کے عروج وزوال کی تاریخ کا خاص کر آپ نے خوب گہرا مطالعہ کیا تھا۔ آپ کے وصال ابدی سے علمی دنیا اور جہانِ اردو ادب میں بڑا خلا پیدا ہوا۔ قابل ذکر ہے کہ بھارت فروغ اشاعت علم دین کے حوالے سے ایک ایسی زرخیز سرزمین ہے جہاں مختلف علوم وفنون کا غلغلہ ہے، جہاں دینی علوم ودانش کے ستارے تاریخ کے ہر دور میں چمکتے نظر آتے ہیں، جہاں فروغ علم اور اشاعت دین عوام وخواص میں مقبول ہیں۔ انہی خادمانِ دین وملت کے قافلے کے ساتھ مولانا محمد واضح رشید ندویؒ بھی آبلہ پائی کرتے رہے اور اپنے رشحاتِ قلم سے ایک دنیا کو سیراب کرتے رہے۔ چونکہ زبان وادب سے صحافت کا رشتہ چولی دامن کا رہا ہے، موصوف نے بھی اس قدیمی رشتے کو نبھاتے

ہوئے رسائل وجرائد کی ادارت سے انہیں چار چاند لگائے۔ آپ کی ادبی کاوشوں کی برسات سے قارئین بالتمکین کی فکر ودانش کو تازگی، افکار نو کی بوقلمونی، لسانی شعور اور مذہبی فہم و فراست کی عطر بیزی حاصل ہوتی رہی۔ مولانائے مرحوم نے ہمیشہ اہل نظر اور اربابِ شوق کو اپنے جاندار علم اور شاندار قلم سے مستفید فرمایا۔ درحقیقت ایسے جامع الکمالات اور مردان میدان آج کل کم ہی پیدا ہوتے ہیں، اس لئے ایسے ہی علماء پر ''موت العالم موت العالم'' کا مقولہ صادق آتا ہے۔ قحط الرجال کے اس دور میں ایسے باکمال لوگوں کے اُٹھ جانے پر جس قدر بھی افسوس کیا جائے وہ کم ہے۔ مولانا محمد واضح رشید ندویؒ کو قدرت نے جو علم وکمال عطا کیا تھا، آپ کی گرانمایہ تحریریں اس کا وافر ثبوت ہیں۔ آپ کا لکھا ہوا ہر ہر لفظ قاری کو اپنا گرویدہ بنانے والا ہوتا اور بولا ہوا ہر ہر جملہ آپ کے داعیانہ خلوص، ہمہ دانی اور جذبۂ اصلاح کا آئینہ دار ہوتا۔

۲۰۱۸ء ماہ اکتوبر میں مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ کاپودرویؒ کی حیات اور کارنامے سے معنون دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر گجرات کے زیر اہتمام بین الاقوامی سیمینار منعقد ہوا تھا۔ اس تاریخی سیمینار میں ملک و بیرون ملک سے کثیر تعداد میں اربابِ علم ودانش نے شرکت فرمائی تھی جن میں مولانا سید محمد واضح رشید ندویؒ بھی تھے۔ آپ کی تحریروں کو اخبار رسائل وجرائد میں پڑھا تھا مگر دیکھنے اور سننے کا اتفاق اسی موقع پر ہوا۔ برسبیل تذکرہ یاد آیا کہ سیمینار کے دو مقالہ نگار حضرت مولانا عبدالرشید بستوی اور ملک وملت کے بےلوث خادم مولانا اسرار الحق قاسمیؒ بھی تھے جو چند ماہ قبل واصل بحق ہوگئے۔ علمی ودینی حلقے ان کی وفات کا ابھی سوگ ہی منا رہے ہیں کہ مولانا سید محمد واضح رشید ندویؒ نے موت کی صورت میں دائمی فرقت کا داغ دیا۔ آپ کی موت بلاشبہ ملت کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے۔ مرحوم کے ساتھ بالمشافہ ملاقات سال گزشتہ کے اسی مفکر ملت سیمینار میں ہوئی تھی۔ وہ لمحات زندگی بھر یاد رہیں گے۔ آپ کی گفتگو کا انداز انتہائی جاں گداز تھا، مختلف موضوعات اور مسائل پر آپ سے جی بھر کر باتیں ہوئیں۔ دنیائے علم وتحقیق کے اس بحر ذخار شخصیت سے وابستہ یادوں کو میں اپنے لیے سرمایۂ افتخار سمجھتا ہوں۔ آپ اردو عربی زبان وادب کے نہ صرف منجھے ہوئے ادیب تھے بلکہ مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی الندویؒ کے علوم وافکار اور

آپ کی خصوصیت یہ بھی تھی کہ عالمی حالات پر گہرا مطالعہ تھا، فکری موضوعات پر آپ کی لگ بھگ دو درجن کتابیں ہیں۔ آپ یورپ کے تعلیمی نظریات سے بھی واقف تھے اور اقوام یورپ کے عروج وزوال کی تاریخ کا خاص کر آپ نے خوب گہرا مطالعہ کیا تھا۔ آپ کے وصال ابدی سے علمی دنیا اور جہان اردو ادب میں بڑا خلا پیدا ہوا۔ قابل ذکر ہے کہ بھارت فروغ اشاعت علم دین کے حوالے سے ایک ایسی زرخیز سرزمین ہے جہاں مختلف علوم وفنون کا غلغلہ ہے۔

تصانیف کے وارث وامین بھی تھے۔آپ مفکر اسلام کے فکری اساسوں کا جائزہ لیتے اور صحیح معنوں میں اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی صلاحیت سے مالا مال تھے۔دورِ حاضر کے ادباء وعلماء کا تعارف کرانے میں آپ مشاق تھے۔آپ کے قلم سے خاندانی شرافت کا پرتو جھلکتا، یہ تحریریں تہذیب وشائستگی ،تقویٰ وطہارت اور اخلاص وللّٰہیت کی مظہر ہوتیں۔اس لئے یہ کہنا بجا ہوگا کہ آپ کی موت ایک فرد کی موت نہیں، بلکہ ایک تحریک کی موت ہے۔آپ کے علم و مطالعہ کی گہرائی وگیرائی اور پختگی فکر کا نقش ہر کتاب سے دل میں ثبت ہوتا ہے۔آپ صرف زبان وادب کے لذت آشنا اور اسیر ہی نہیں بلکہ علمی اور دعوتی دنیا کے ممتاز سفیر بھی تھے۔ دنیائے علم وادب میں آپ نے اپنا مطالعہ کسی ایک فکر وخیال یا کسی ایک مخصوص تہذیب وتمدن تک محدود نہ رکھا بلکہ خذ ما صفا ودع ما کدر کی حکمت پر عمل پیرا ہوکر علم کے گلستان کی خوشہ چینی کی۔آپ نے عصری تقاضوں کے مطابق تحقیق وتنقید کے نئے زاوئیے متعین کرکے میدان علم وادب کو شہ پارے دئے۔مرحوم کے مضامین ومقالات ''الرائد'' اور'' البعث الاسلامی'' اور دیگر معیاری رسائل وجرائد کی زینت بن کران کے علمی معیار میں اضافہ کا سبب بنتے رہے۔اپنے تبحر علمی کی طرح آپ حسن اخلاق کا پیکر بھی تھے اور آپ کی شخصیت میں بڑی دل آویزی تھی۔مختصراً آپ ایک ایسی عظیم علمی شخصیت اور بلند پایہ انسان تھے کہ جس کے انتقال نے علم وفکر کا جہان سُونا سُونا چھوڑ دیا ہے۔بہرحال! مولانائے مرحوم نے زندگی بھر راہِ مستقیم اپنائی اور علمی دنیا میں ناقابل فراموش یادگاریں چھوڑی ہیں، وہ آنے والے ہر زمانے میں داعیان دین ، اصلاح کاروں اور عامۃ الناس کے لیے مشعل راہ ثابت ہوں گی۔دعا ہے کہ رب کریم دنیائے اسلام کے عالم کبیر و بےنظیر ادیب و مصلح علامہ سید محمد واضح رشید ندویؒ پر اپنا خصوصی رحم وکرم فرمائے ،انہیں صدیقین کا مقام ومرتبہ عطا فرمائے، بہشت بریں میں ان کے درجات بلند فرمائے، اپنے نیک بندوں میں شامل فرمائے اور پوری امت کی جانب سے انہیں جزائے خیر عطا فرمائے اور مولانائے مرحوم کے پسماندگان میں سلسلۂ خیر وبھلائی جاری وساری رکھے۔آمین یارب العالمین۔

> قحط الرجال کے اس دور میں ایسے باکمال لوگوں کے اُٹھ جانے پر جس قدر بھی افسوس کیا جائے وہ کم ہے۔مولانا محمد واضح رشید ندویؒ کو قدرت نے جو علم وکمال عطا کیا تھا، آپ کی گرانمایہ تحریریں اس کا وافر ثبوت ہیں۔ آپ کا لکھا ہوا ہر ہر لفظ قاری کو اپنا گرویدہ بنانے والا ہوتا اور بولا ہوا ہر ہر جملہ آپ کے داعیانہ خلوص، ہمہ دانی اور جذبۂ اصلاح کا آئینہ دار ہوتا۔

❁ ❁ ❁

حضرت مولانا سید واضح رشید حسنی ندویؒ

مولانا عبدالمتین منیری بھٹکلی

عموماً دیکھا جاتا ہے کہ خاندانوں کے کئی ایک بزرگ خاموش سے رہتے ہیں، ان کی آواز کم کم ہی کانوں میں پڑتی ہے، لیکن جب وہ اس دنیا سے اُٹھ جاتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ کوئی قیامت سی ٹوٹ پڑی ہے، یہ زمین اپنی تمام وسعتوں کے باوجود تنگ داماں ہوگئی ہے، ایک ویرانی سی چاروں طرف فضاؤں میں بکھرتی نظر آتی ہے اور دور تک خلا سا محسوس ہونے لگتا ہے۔ حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کی خبر ۱۶ جنوری کی صبح کو جب ملی تو کچھ ایسا ہی لگا۔ ایک خاموش، لیکن عظیم شخصیت کے دنیا سے اچانک اس طرح رخصت ہونے کا گمان بھی نہیں تھا، لیکن قدرت کی ہونی کو کون ٹال سکتا ہے، مرنے کا ایک وقت مقرر ہے، ہم جیسے کورے دماغ اسے اچانک سمجھ بیٹھتے ہیں۔

آپ نے عمرِ عزیز کی ۸۵ بہاریں اس دنیائے فانی میں دیکھیں، ۱۹۳۳ء میں سید احمد شہید کی بستی ''تکیہ کلاں، رائے بریلی'' میں آنکھیں کھولی تھیں۔ والد ماجد سید رشید حسنی صاحب زمیندار تھے، مؤرخِ ہند علامہ حکیم عبدالحی حسنی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے نانا تھے، جن کی چھوٹی بیوی محترمہ خیر النساء بہتر رحمۃ اللہ علیہا آپ کی نانی تھیں، اس رشتے سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے سگے ماموں تھے، آپ کا مکان ننھیال سے لگا ہوا تھا، لہٰذا آپ نے اپنی نانی صاحبہ اور خالہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کی آغوشِ تربیت میں بچپن کا دور گزارا۔

اس گھر کا ماحول اگر دینداری کا نمونہ نہ ہوتا تو آخر اور کونسا گھر ہوتا؟ گھرانے کے سبھی لوگ مروت اور اخلاق کے پتلے اور اسلاف کی سیرت کے اعلیٰ نمونے، اس گھرانے سے جڑے ہوئے تھے۔ بچپن ہی سے نماز کی پابندی کا اہتمام ہوتا، اس میں تاخیر کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ گھر کا ماحول زمیندارانہ ہونے کے باوجود کہیں احساسِ برتری کو اُجاگر ہونے کی جگہ نہ تھی، خادمائیں اور خالائیں بھری پڑی تھیں، لیکن اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا تھا کہ کسی کا دل نہ دُکھنے پائے، زبان سے کسی کی تحقیر کا کوئی جملہ نہ نکلے۔ اگر کبھی زبان درازی تک نوبت پہنچی اور ہاتھ اُٹھا تو پھر والدین معافی مانگنے کو کہتے، خالہ نے جو خود بہترین عالمہ اور مصنفہ تھیں، قرآن پڑھایا، گیارہ سال کی عمر تک گاؤں ہی کے قریب ''مدرسہ الٰہیہ'' میں ابتدائی تعلیم مکمل ہوئی، جب شعور پروان چڑھنے لگا تو سامنے حضرت مولانا علی میاں اور ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی دو ماموؤں کی زندگی نمونہ بنی، حالانکہ آپ کے ددھیالی رشتے کے افراد عصری تعلیم کی طرف مائل تھے، آپ کے چچا احمد برطانیہ سے بیرسٹری کی ڈگری لے کر لوٹے تھے۔

مکتب کی تعلیم مکمل ہونے کے بعد ان دونوں کے مشورے

سے ۱۹۴۵ء میں داخلہ ندوۃ العلماء کے درجہ عربی اول میں ہوا، اس وقت یہاں علامہ سید سلیمان ندوی ''معتمدِ تعلیمات'' کے منصب پر فائز تھے، اور مولانا محمد عمران خان ندوی مہتمم تھے، شیخ التفسیر مولانا محمد اویس نگرامیؒ ترجمۂ قرآن پڑھاتے تھے۔

علامہ عموماً درجات میں آتے تو طلبہ سے بات چیت ضرور کرتے، ان کی باتیں ہمیشہ کتابوں کے بارے میں ہوتی تھیں کہ فلاں کتاب پڑھی ہے یا نہیں؟ اکابر عموماً علم و کتاب ہی کی باتیں کیا کرتے تھے۔

اس وقت ندوہ میں عربی میڈیم کا تجربہ کیا جارہا تھا، اساتذہ میں سے مولانا محمد عمران خان اور مولانا محبوب الرحمٰنؒ ازہر شریف سے پڑھ کر آئے تھے۔ یہ دونوں طلبہ سے عربی ہی میں بات چیت کیا کرتے تھے، طلبہ سے کہتے کہ عربی ہی میں بولو۔ کچھ نہیں تو الف لام ہی ہر لفظ پر لگالو۔ کورس کے لیے کتابیں دستیاب نہیں تھیں، ''المحاورۃ العربیۃ، قصص النبیین، القراءۃ الراشدۃ'' وغیرہ ابھی تصنیف نہیں ہوئی تھیں، لے دے کے عربی ریڈروں میں مصر کی ''القراءۃ الرشیدۃ'' تھی۔

مولانا محبوب الرحمٰن صاحب ''المحاورۃ العربیۃ'' عملی انداز میں بغیر کتاب کے زبانی یاد کرواتے تھے، باغ میں لے جاتے، ٹوکری میں سیب اور کیلے رکھے ہوتے، کہتے: ''ہٰذا موز، ہٰذا تفاح، ہٰذا حجر، ہٰذا شجر، ہٰذا نہر، سمک یسبح فی الماء'' آپ فرماتے تھے کہ: زبان آنے کے لیے اس سے محبت ہونی چاہیے، ''حب اللغۃ'' ہی بنیاد ہے، اساتذہ کے پڑھانے کا انداز دلچسپ ہوتا تھا اور سوالات کے ذریعہ زبان اس طرح سکھائی جاتی تھی کہ آپ کو عربی کتابوں سے محبت سی ہوگئی، لہٰذا اُردو سے زیادہ عربی کتابیں آپ کے مطالعہ میں رہیں۔ مولانا عمران صاحب عربی میں قصے سناتے تھے، حضرت مولانا علی میاں اس وقت تدریس چھوڑ کر تصنیف اور دعوتی کام سے وابستہ ہوچکے تھے، لیکن درجات میں حاضری ضرور دیتے تھے، سوالات بلیک بورڈ پر لکھتے اور جوابات پوچھتے اور جملے بنانے کی مشقیں کیا کرتے تھے، مولانا مصطفیٰ بستوی نحو زبانی پڑھاتے تھے، تجوید کے استاذ مولانا قاری محی الدین صاحب تھے، قاضی عین القضاۃ فرنگی محلی کے شاگرد مولانا اسباط صاحب بھی یہاں تھے، ابوداؤد اور ہدایہ ان کے ذمہ تھی، شیخ الحدیث مولانا محمد اسحاق سندیلوی کا شمار بڑے اساتذہ میں ہوتا تھا، ندوہ ابھی مختصر تھا، آپ کا سبھی اساتذہ کے ساتھ احترام کا تعلق قائم رہا، لیکن استاذِ ادب مولانا عبدالحفیظ بلیاوی مصنفِ

> اس گھر کا ماحول اگر دینداری کا نمونہ نہ ہوتا تو آخر اور کونسا گھر ہوتا؟ گھرانے کے سبھی لوگ مروت اور اخلاق کے پتلے اور اسلاف کی سیرت کے اعلیٰ نمونے، اس گھرانے سے جڑے ہوئے تھے۔ بچپن ہی سے نماز کی پابندی کا اہتمام ہوتا، اس میں تاخیر کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ گھر کا ماحول زمیندارانہ ہونے کے باوجود کہیں احساسِ برتری کو اُجاگر ہونے کی جگہ نہ تھی، خادمائیں اور خالائیں بھری پڑی تھیں۔

''مصباح اللغات'' سے آپ کے تعلقات کی نوعیت ہی جداگانہ تھی، آپ ان کی خلوت وجلوت میں شریک رہتے، مولانا بلیاوی علم وادب کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھے، جاہلیت کے اشعار انہیں بے تحاشا ازبر تھے، بیسیوں دواوین حافظے میں محفوظ تھے، آپ فرمایا کرتے تھے کہ: طالب علم کو موضوع سے مناسبت ہوجائے تو جی لگا کر پڑھنے میں پریشانی نہیں ہوتی، کامیاب استاذ وہ ہوتا ہے جو سبق کو آسان کردے، عالمیت میں آپ کے گیارہ اور فضیلت میں صرف دو ساتھی تھے۔

ان دنوں حضرت مولانا نائب معتمدِ تعلیمات تھے، طلبہ میں آپ کے خطابات ہوا کرتے تھے، جن میں دینی ماحول کے قیام پر آپ کی توجہ زیادہ تر مرکوز رہتی تھی۔ اس زمانے میں نصابِ تعلیم مسلسل تبدیل ہوا کرتا تھا، جس کی وجہ سے کبھی کبھار ایک ہی درجہ میں دو دو سال رہنا پڑتا تھا، ندوہ شہر سے دور تھا، شام گئے سناٹا چھا جاتا تھا، کل ملا کر شبلی ہاسٹل کی پہلی منزل، مین بلڈنگ، یہی کل کائنات تھی، طلبہ کی تعداد ڈیڑھ سو کے قریب رہی ہوگی، پچاسی سالہ جشن کے بعد طلبہ کی تعداد بڑھنے لگی، اب عالمیت میں طلبہ کی تعداد سات سو کے قریب ہونے لگی ہے۔

اس زمانے میں کتب خانہ سے استفادہ پر زور دیا جاتا تھا، اساتذہ سے خارج اوقات میں بھی سیکھنا آسان تھا، مولانا بلیاوی سے الگ سے بھی کتابیں پڑھنے کا موقع ملا، آپ سے کافیہ، شافیہ، اوضح المسالک، المفصل اور شرح ابن عقیل حرف بہ حرف پڑھیں، جس کی وجہ سے نحو آپ کا محبوب ترین مضمون بن گیا تھا۔

مولانا بلیاوی کو آپ سے اتنی محبت تھی کہ گھر میں کوئی خاص چیز پکتی تو ضرور یاد کرتے۔ آپ ہی نے ایامِ عرب سے بخوبی واقفیت کے لیے قبائلِ عرب سے واقفیت پر توجہ دلائی تھی، کیونکہ اس کے بغیر حماسہ وغیرہ سمجھنا ممکن نہیں ہوتا، اس کے لیے مولانا واضح صاحب نے قبائل کے انساب کے باقاعدہ چارٹ بنادیئے تھے، ندوہ سے آپ کی فراغت ۱۹۵۱ء میں مکمل ہوئی۔ رمضان کی تاریخیں قریب تھیں، آپ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہاں سے حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں اور یہیں بیعت وسلوک کا تعلق آپ سے قائم ہوا، یہ رمضان آپ نے مسوری میں گزارا۔

شوال میں آپ دہلی روانہ ہوئے، جہاں آپ کے عزیز مولانا ابوبکر حسنی آل انڈیا ریڈیو سے وابستہ تھے، اس زمانے میں ریڈیو میں زیادہ تر عرب صحافی کام کیا کرتے تھے، جو خبروں کا ترجمہ لکھ کر چلے جاتے تھے، لہٰذا براڈ کاسٹرس کی اسامیاں خالی ہوگئی تھیں، اس وقت مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی مرحوم عربی سروس کے سربراہ تھے، وہ ندوہ میں پڑھ کر ازہر شریف گئے تھے، ان کے مولانا ابوالکلام آزاد سے بہت زیادہ قریبی روابط تھے، وہ ''ثقافۃ الہند'' کے مدیر بھی تھے، انہوں نے آپ کا انٹرویو لیا، آواز کا ٹیسٹ لیا گیا اور تقرری کی منظوری میں کوئی دیر نہیں لگائی۔ یہی وہ زمانہ تھا جب آپ کو صحافت کے میدان سے وابستہ عرب اہلِ قلم کے ساتھ رہنے اور ان سے عالمِ عرب کے حالات گہرائی سے

جاننے، سمجھنے اور جدید عصری زبان پر عبور حاصل کرنے کا موقع مل گیا، ریڈیو میں آپ نے اکیس سال گزارے۔

مولانا نے جب ریڈیو سے وابستگی اختیار کی تھی تو یہ بڑا ہنگامہ خیز دور تھا۔ مشرقِ وسطیٰ میں نہر سویز کی جنگ چھڑ رہی تھی اور جنرل جمال عبدالناصر عربوں کے ہیرو بن کر اُبھر رہے تھے۔ عرب قومیت کا نعرہ اپنی بلندیوں کو چھو رہا تھا۔ سوریہ اور مصر کے مابین اتحاد قائم ہو رہا تھا۔ ہندوستان میں پنڈت جواہر لال نہرو کی وزارتِ عظمیٰ کا بھی یہی زمانہ تھا۔ عرب دنیا نہرو جی کا بڑا احترام کرتی تھی اور ان کے مشوروں کو بڑی اہمیت دیتی تھی، جس کی وجہ سے عرب رہنماؤں سے آپ کے بڑے گہرے روابط استوار تھے، جس سے ہندوستان میں عرب رہنماؤں کی آمد تواتر سے ہونے لگی تھی، بڑے تزک واحتشام سے ان کا استقبال ہوتا تھا، اسٹیڈیموں میں ان کی تقاریر رکھی جاتی تھیں، مصر کے جنرل ناصر آئے، شام کے شکری القوتلی آئے، جمعہ کی نماز ساتھ ہی میں پڑھی، مولانا کو مختلف پروگراموں میں ان قائدین سے قریب ہونے اور اسٹیج کے پاس ہی رہنے کا موقع ملتا تھا۔ ریڈیو ٹاک اور انٹرویو لینے کے لیے آپ ہی کو فوقیت دی جاتی تھی، اس دوران سعودی فرماں روا ملک سعود بن عبدالعزیز بھی آئے جن کا ریڈیو ٹاک آپ ہی نے رکھا تھا۔ لال قلعہ میں جو سربراہانِ مملکت کا استقبالیہ رکھا جاتا تھا، اس میں آپ کی شرکت لازمی ہوتی تھی۔ مصری قاریوں کی بھی اس زمانے میں بڑی مانگ تھی، یہ حضرات بھی ریڈیو کی دعوت پر آتے اور اپنی تلاوتیں ریکارڈ کرواتے تھے۔

ریڈیو کی ذمہ داریوں سے فارغ ہو کر ہر جمعرات کو حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت جی مولانا انعام الحسن رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں جانے کا مولانا اہتمام کرتے تھے، حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ گجرات اور بھوپال سفر کرنے کا بھی آپ کو موقع ملا۔ دہلی میں حضرت شیخ بھی تشریف لاتے تھے، انہی دنوں آپ نے ''فضائلِ صلاۃ'' اور ''فضائلِ درود'' کا عربی میں ترجمہ مکمل کیا، حضرت شیخ الحدیث سے دلی لگاؤ تھا اور آپ سے تجدیدِ بیعت کی آپ کی خواہش تھی، لیکن حضرت شیخ جن لوگوں کا حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری سے بیعت کا تعلق ہوتا تھا، ان سے بیعت نہیں لیتے تھے، لیکن آپ سے تربیتی تعلق آخر تک قائم رہا۔

۱۹۷۳ء میں جب حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ سفرِ حج بیت اللہ پر روانہ ہو گئے تھے اور وطن میں نہیں تھے، گرمی کا زمانہ تھا، اس دوران ایک مہینے کی چھٹی پر آپ ندوہ آ گئے، مولانا محب اللہ لاری ندوی رحمۃ اللہ علیہ مہتمم تھے، آپ نے سوچا کیوں نہ واضح صاحب کی خدمات سے فائدہ اُٹھایا جائے؟! لہٰذا آپ کو ادبِ عربی کے گھنٹے لگا دیئے گئے، تعطیل جب ختم ہو گئی اور واپسی کا وقت آیا تو ندوہ کی مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ دل پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی، یہاں مسجد میں بیٹھ کر ندوہ کے فراق میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے، اس وقت آپ کے دل پر فراغت کے وقت سے زیادہ مادرِ علمی سے فراق کا غم تھا، اسی وقت آپ نے فیصلہ کیا کہ اب ریڈیو اسٹیشن واپس نہیں جانا ہے،

حضرت شیخ سے مشورہ کیا تو جواب آیا کہ تمہیں تو ندوہ کو چھوڑ کر پہلے ہی نہیں جانا چاہیے تھا، ندوہ تمہاری اصل جگہ تھی، استعفیٰ پر ریڈیو انتظامیہ کو حیرت ہوئی، کیوں کہ وہاں پر بڑی تنخواہ ملتی تھی، دیگر سہولتیں الگ تھیں، پانچ مہینے انکوائری چلی کہ کہیں دوسرا بہتر کام تو نہیں ملا؟ اس طرح آپ نے آنکھوں کو خیرہ کرنے والی ان سہولتوں کو چھوڑ کر ندوہ کی ملازمت کا آغاز کیا۔ حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب نے اس بڑے فیصلے پر اختلاف نہیں کیا، گھر والوں نے بھی آسائشوں اور سہولتوں کی قربانی کو ہنسی خوشی قبول کیا۔

یہی زمانہ تھا جب مولانا سید واضح رشید ندوی صاحبؒ کا نام پہلے پہل اس ناچیز کے کانوں میں پڑا تھا، ہوا یہ تھا کہ ہمارے عزیز مولوی عبدالصمد قاضی نے جو اس وقت ندوہ میں عالمیت کے درجے میں پڑھ رہے تھے، تعطیلات میں بھٹکل آئے تو بتایا کہ ندوہ میں ایک ماہر عربی استاذ کی تقرری ہوئی ہے، جنہیں جدید عربی زبان لکھنے اور بولنے پر زبردست عبور حاصل ہے، اس وقت جی بہت للچایا اور اس محرومی کا احساس بھی بہت ستایا، دراصل جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے قیام سے یہاں سے طلبہ عربی چہارم مکمل کر کے ندوہ میں داخلہ لیتے تھے، ۱۹۶۹ء کی اسٹرائیک کی وجہ سے جو حالات پیدا ہوئے، اس کے معاً بعد جس درجہ کو ندوہ جانا تھا، وہ وہاں نہ جا سکا تھا، اس درجے میں سے صرف مولانا ناصر الاسلام ندوی ہی اکیلے طالب علم تھے جو بعد میں یہاں داخلہ لے سکے تھے، ناصر صاحب کے والد محمد باشا شرالی مرحوم، حضرت مولاناؒ کے بڑے عقیدت مند تھے، حضرت مولانا بھی آپ کو بہت چاہتے تھے، گرمیوں میں جب بھٹکل آتے تو کبھی کبھار آپ ہی کے گھر پر ہنگاموں سے دور چند دن سکون سے تصنیف وتالیف میں گزارتے تھے۔ جامعہ میں ندوہ کا کورس جاری تھا، طلبہ کو اس ادارے سے اور یہاں کے اساتذہ سے بہت اُنس تھا، وہ یہاں کے حالات سے باخبر رہتے تھے، طلبہ میں اس تعلق کو قائم کرنے میں نئے نئے نامزد ہمارے استاذ مولانا ملا محمد اقبال ندوی صاحب کا بھی بڑا ہاتھ تھا، اسٹرائیک کے بطن سے ایک نئے ندوہ نے جنم لیا، مولانا واضح صاحب کی ندوہ سے وابستگی بھی اس کی

مولانا نے جب ریڈیو سے وابستگی اختیار کی تھی تو یہ بڑا ہنگامہ خیز دور تھا۔ مشرقِ وسطیٰ میں نہر سویز کی جنگ چھڑ رہی تھی اور جنرل جمال عبدالناصر عربوں کے ہیرو بن کر اُبھر رہے تھے۔ عرب قومیت کا نعرہ اپنی بلندیوں کو چھو رہا تھا۔ سوریہ اور مصر کے مابین اتحاد قائم ہو رہا تھا۔ ہندوستان میں پنڈت جواہر لال نہرو کی وزارتِ عظمیٰ کا بھی یہی زمانہ تھا۔ عرب دنیا نہرو جی کا بڑا احترام کرتی تھی اور ان کے مشوروں کو بڑی اہمیت دیتی تھی، جس کی وجہ سے عرب رہنماؤں سے آپ کے بڑے گہرے روابط استوار تھے۔

نشاۃ ثانیہ کا آغاز تھی، جس کی برکتیں آج تک محسوس کی جارہی ہیں۔

۱۹۷۴ء میں جامعہ اسلامیہ بھٹکل کی منتقلی جامعہ آباد کے ویرانے میں ہوئی، افتتاح سرپرستِ جامعہ حضرت مولانا علی میاں کے ہاتھوں ہوا، یہ ہاتھ ایسے بابرکت ثابت ہوئے، دعاؤں نے ایسا اثر دکھایا کہ یہ ''وادیِ غیر ذی زرع'' لہلہاتے باغ میں تبدیل ہوگئی، یہی موقع تھا کہ مولانا واضح صاحب پہلی مرتبہ یہاں تشریف لائے تھے، لیکن آپ کی موجودگی کو اس وقت محسوس نہیں کیا گیا، عوامی جلسوں میں بولنے اور خود کو اُجاگر کرنے کی جو عادت ان میں نہیں تھی، اس سے پہلے ۱۹۶۷ء میں جامعہ آباد کے سنگِ بنیاد کے موقع پر آپ کے بھائی سید محمد الحسنی مرحوم بانی مدیر ''البعث الاسلامی'' بھی تشریف لائے تھے، وہ بھی ایسے ہی خاموش، لیکن تھے قلم کے دھنی، شاید ان کے والد ماجد نے ان دونوں بیٹوں کو اپنی خاموشی ورثے میں دی تھی۔ اس وقت واضح کی زیارت نصیب میں نہیں لکھی تھی۔ لیکن ''الرائد'' کے ذریعہ آپ کی تحریروں سے دماغ کو روشنی اور دل کو ٹھنڈک مل رہی تھی۔ مولانا جدید عربی صحافت کے لب و لہجے کو جس طرح برتتے تھے، وہ آپ ہی کا خاصہ تھا، اس وقت اس کی دوسری مثال برصغیر میں نہیں ملتی تھی، آپ نے جلیل القدر ماموں جان کے نقشِ قدم پر چل کر عربوں سے جی جان کر محبت کی اور انہیں اسلام سے وابستہ رہ کر ماضی کی عظمتوں تک لوٹانے کی ہمیشہ فکر کرتے رہے اور اس کے لیے اپنی بھرپور صلاحیتیں صرف کیں۔ بحیثیت مربی و معلم ندوہ سے وابستگی کے آخری ۴۵ سالوں میں آپ نے اپنی توجہات، فکر، علم و تجربے سے اس چمن کی آبیاری کی اور آپ کی رہنمائی میں یہاں سے اس دوران ایک ایسی نسل پروان چڑھی جس پر یہ ادارہ بجاطور پر فخر کرسکتا ہے۔

مولانا سے اس ناچیز کا پہلا باقاعدہ رابطہ ۱۹۸۰ء میں قائم ہوا، ہوا یوں کہ جب بھٹکل میں تدریسی خدمات انجام دے رہا تھا تو عرب دنیا کے مجلّات میں مختلف خطیبوں کے کیسٹوں کے اشتہارات پڑھنے کو ملتے تھے، اس وقت تو اتنی استطاعت نہیں تھی کہ اس سلسلے کو شروع کیا جائے، لیکن دل میں اس کام کے شروع کرنے کی ایک اُمنگ تھی، اللہ تعالیٰ نے جب ذریعۂ معاش دبئی میں رکھ دیا تو یہاں پر قدیم مدرسہ احمدیہ کے ایک کمرے میں قائم لائبریری میں احباب کے ساتھ مل کر اکابرین کے کیسٹوں کی لائبریری کا قیام عمل میں لایا گیا، اس کے لیے یہاں کی ''وزارۃ الاعلام'' سے باقاعدہ لائسنس بھی حاصل کیا گیا اور پیغامِ اسلام کیسٹ سیریز کے نام سے اپنی نوعیت کا اولین سلسلہ شروع کیا گیا، اس سلسلے میں اس زمانے کی بڑی شخصیات حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ اور مفکرِ اسلام حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی خطوط لکھے گئے، جن میں پہلا ہمت افزا جواب حضرت مولانا سید محمد واضح رشید رحمۃ اللہ علیہ کا تھا، مولانا نے نہ صرف حضرت مولانا کی طرف سے جواب دیا، بلکہ اس وقت جتنے کیسٹ دستیاب تھے وہ سب فراہم کردیئے، اخراجات کے لیے جو معمولی سی رقم بھیجی گئی تھی، اس

میں سے سو پچاس روپے شاید بچ گئے تھے، ایک عرصہ تک جب بھی ملاقات ہوتی رہی، تذکرہ کرتے رہے کہ کچھ رقم بچی ہے، وہ لے جائیں، ہمت افزائی اور حساب کتاب میں اس باریکی کی مثالیں اب شاید ہی مل سکیں۔

جب وہ بھٹکل آتے تو سب سے پہلے جامعہ کے کتب خانے میں جاتے اور نئی کتابوں کا پوچھتے، اس کتب خانے سے انہیں بڑا لگاؤ تھا، دراصل ۱۹۸۱ء میں جناب محی الدین منیری نے ناظم جامعہ بننے کے بعد کتب خانے کی بلڈنگ کی تعمیر پر توجہ دی اور ۱۹۸۵ء میں جب اس کی عالی شان عمارت تکمیل کو پہنچی تو اس میں کتابوں کی صرف دو ایک الماریاں ہی پڑی تھیں، مرحوم نے مجھے ہدایت کی کہ یہ تمہارا میدان ہے، اس کی ذمہ داری اپنے سر لو، اس وقت ہمارے ذہن میں اللہ نے بات ڈال دی کہ کتابوں کی کثرتِ تعداد کی زیادہ اہمیت نہیں ہے، طلبہ کی ضروریات کے ساتھ ساتھ فرضِ کفایہ ادا کرنے کی کوئی سبیل نکلنی چاہیے اور ایسے مواد کی فراہمی پر توجہ دینی چاہیے جس کی دوسرے کتب خانوں میں موجودگی کا امکان کم ہو، اللہ نے توفیق دی، راہیں کھل گئیں، ایسی کتابوں کی معقول تعداد کے ساتھ ساتھ مجلّات: المنار، الزہراء، المسلمون، حضارۃ الاسلام، الرسالۃ وغیرہ انیسویں صدی سے جاری اسلامی وادبی نشاۃِ ثانیہ میں کردار ادا کرنے والے مجلّات کی مکمل فائلیں یہاں اکٹھی ہوگئیں، ہیرے کی قیمت جوہری ہی جانے، یہاں آنے والے بزرگان میں حضرت مولانا علی میاںؒ، مولانا واضح رشید صاحبؒ اور مولانا نذر الحفیظ ندوی صاحبؒ کی جیسی دلچسپی اس میں دیکھی، ایسی کوئی اور نظر نہیں آئی، انہی حضرات کی نظرِ عنایت نے مزید ہمت دلائی۔

مولانا جب بھی بھٹکل آتے تو اس ناچیز کے بارے میں ضرور دریافت کرتے کہ یہاں پر موجود ہیں یا نہیں؟ فون پر بات ہوتی تو کہتے آپ کے یہاں آئے ہیں اور آپ نہیں ہیں، اس اپنائیت اور محبت سے دل کٹ کے رہ جاتا، لیکن کیا کرتے ملازمت کی بندشیں کچھ ایسی ہوتیں کہ بغیر ترتیب کے ان حضرات کی اچانک بھٹکل آمد پر حاضری نہ ہو پاتی اور دل مسوس کر رہ جاتا۔

میری کمزوری رہی ہے کہ بڑوں کے سامنے دلچسپی دیکھ کر ہی اپنے علمی وادبی ذخیرہ کا تعارف کرتا ہوں، بھٹکل میں اکابر آتے ہیں تو ایک بھیڑ بھڑکا رہتا ہے، اپنے شہر میں ہم اجنبی ہو جاتے ہیں۔

مولانا سے جب بھی بھٹکل یا لکھنؤ میں ملاقات ہوتی تو کہتے کہ آپ کے کتب خانے میں جو چیزیں ہیں وہ ہمارے یہاں نہیں ہیں، ندوہ کا بھی خیال رکھا کیجیے۔ تین سال قبل ہمارے عزیز مولوی عبدالمعز منیری نے اپنے نانا کے نام پر ندوہ میں دار المطالعہ قائم کیا تو بڑے خوش ہوئے، دلی دعائیں دیں۔ مولانا کم گو تھے، لوگ سمجھتے تھے کہ مولانا اُنہیں نہیں جانتے، لیکن ایسا نہیں تھا، وہ یہاں آتے تو جامعہ کی باریک باریک چیزوں پر آپ کی نظر ہوتی، وہ یہاں کی رگ رگ سے واقف تھے، یہاں پر جو لوگ شہرت اور ناموری کی خواہش سے بلند ہو کر خدمات انجام دے رہے ہیں، ان کی انہیں مکمل جانکاری ہوا کرتی تھی،

جس کا اندازہ مولانا سے بات چیت پر ہوا کرتا تھا۔

ندوہ میں ایک جان دو قالب ہونے اور نام ونمود سے بلند ہوکر اپنے رفقاء کی سربلندی کے لیے قربانی دینے والوں کی کئی ایک سنہری مثالیں موجود ہیں، ان میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کے ساتھی مولانا مسعود علی ندویؒ، حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے رفیق مولانا معین اللہ ندوی صاحبؒ اور پھر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی دامت برکاتہم کے بھائی اور رفیق مولانا سید محمد واضح رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، ایسی رفاقتوں کی مثالیں تاریخ میں شاذ و نادر ہی نظر آئیں۔ یہ یہاں کی تاریخ کا سنہرا ورق ہے۔

حضرت مولاناؒ کی سرپرستی اور مزاج کی ہم آہنگی نے آپ کو عالمِ اسلام کے لیے بڑا دردمند بنا دیا تھا، ساتھ ہی ساتھ ریڈیو کی طویل ملازمت نے آپ کو براہِ راست ساری دنیا سے جوڑ دیا تھا۔ رہنمائی کے ساتھ علم وفضل یکجا ہو جائے اور فکری صلاحیتیں بھی اپنی انتہاء پر پہنچی ہوں نورٌ علیٰ نور، یہ کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں کہ اس میدان میں حضرت مولانا کے صحیح جانشین آپ ہی تھے۔ عالمی صحافت پر ایسی نظر رکھنے والے کم ہی ہوں گے۔ لکھنؤ میں رہ کر انڈیپینڈنٹ برطانیہ کے کالم نگار روبرٹ فیسک وغیرہ عالمی تجزیہ نگاروں کے آپ مستقل قاری تھے۔

مولانا نے دنیا کی دستیاب آسائشوں کو ترک کرکے بڑی زاہدانہ زندگی گزاری، یہ صرف آپ پر کہاں موقوف، ان کے دادا حضرت حسن نے وحدتِ امت کے لیے خلافت قربان کی تھی۔ خاندانِ سادات کی اس شاخ کے بزرگوں نے بھی دنیا اور منصب کو پرِ کاہ کے برابر نہ سمجھنے کا نمونہ قائم کیا، اس گئے گزرے دور میں حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بھانجوں نے دنیا کو دکھا دیا کہ ایسے بھلے لوگوں سے دنیا ابھی خالی نہیں ہوئی۔

آپ نے ندوہ کے معتمد تعلیمات رہ کر یہاں کے تعلیمی اور تربیتی معیار کو بلند تر کرنے کے لیے اپنی توانائیاں صرف کیں۔ چالیس سال سے زیادہ عرصہ ''الرائد'' کی ادارت سے وابستہ رہے اور پینتیس سال سے زیادہ ''البعث الاسلامی'' کی ادارت سے، ان مجلّات کو آپ کی توجہات اور تحریروں سے بڑا وزن ملا اور دنیا نے ان سے رہنمائی پائی۔ آپ کی رحلت سے برصغیر میں ایک خلا پیدا ہوگیا ہے، وقت گزرتے گزرتے اس کی شدت کا احساس بڑھے گا، آپ نے اس دنیا میں ایک طبعی عمر گزاری، لیکن محسوس ہوتا ہے کہ عمر کے یہ پچاسی سال بہت کم تھے، زندگی کی اتنی ہی مہلت مزید ملتی تو بھی علم وفضل کا یہ کنواں خالی نہیں ہوتا، پیاسوں کی سیرابی کا سامان مزید ملتا۔ ہم خوش قسمت تھے جو کردار و اخلاق کی ایسی مثالیں اپنی آنکھوں سے دیکھنے کو ملیں، ایسی مثالیں ہی کانٹوں بھری راہوں میں چلنا آسان کر دیتی ہیں، اب اپنے اعمالِ حسنہ کے ساتھ مولانا اپنے خالق کی بارگاہ میں پہنچ چکے ہیں، ہم سب کو بھی دیر سویر وہاں جانا ہے، لیکن وہ بھی کیسے خوش قسمت تھے، جن کی زندگی آنے والوں کے لیے مشعلِ راہ بن گئی، جس کی روشنی میں رہتی دنیا تک رہنمائی ملتی رہے گی۔

حضرت مولانا سید واضح رشید حسنی ندویؒ

.... ● مولانا عبدالقادر عارفی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم، وبعد:

قال اللہ تعالی {یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ کَافَّةً} (البقرة: 208)

وقال اللہ سبحانہ وتعالی: {یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُم مُّسْلِمُونَ} (آل عمران: 102)

وقال تعالی: {إِنَّ الدِّینَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ} (آل عمران: 19) وَمَن یَبْتَغِ غَیْرَ الْإِسْلَامِ دِینًا فَلَن یُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِینَ} (آل عمران: 85)

مذکورہ آیات، اس کے علاوہ قرآن کریم کی مجموعی آیات اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ واحادیثِ مبارکہ سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ انسان کی فلاح وکامیابی کا راز، اس کی سربلندی اور دنیا وآخرت میں سرخ روئی دینِ اسلام پر مکمل عمل کرنے میں ہے، دین اسلام کیا ہے؟ وہ ایک مکمل نظام الٰہی ہے جو بشریت کی کامیابی اور سعادت کو بطور تحفہ لایا ہے، اس کے خالق اور پالنے والا خود اللہ تعالی کی ذات اقدس ہے، اللہ تعالیٰ جو چیز بناتا ہے وہ ہر لحاظ سے کامل، مکمل اور خلقت کے اعلی پیمانے پر ہوتی ہے، اس میں کسی بھی قسم کی کمی کا تصور بھی ممکن نہیں ہے، اس دین کے اصول اور مبادی قرآن میں محفوظ ہیں اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کے لیے انتظام فرمایا ہے اور اس کے تمام مراحل میں جس نظم اور احتیاط کا پہلو اختیار کیا گیا ہے اور عملی نمونہ کے ذریعے سے اس کی تشریح کا جس انداز سے اللہ تعالی نے انتظام فرمایا ہے، اس طرح کا انتظام دنیا کے کسی بھی سسٹم اور نظام کے لیے نہیں کیا گیا، خواہ وہ نظام الٰہی ہو یا بندوں کا بنایا ہوا نظام ہو۔

اللہ تعالی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خاتم النبیین، افضل الرسل، امام الانبیاء والمرسلین، سیدوُلدِ آدم، اَول من یدخل الجنۃ، شفاعت کرنے والا اور ان کی شفاعت کو شرفِ قبولیت کی خوشخبری سنا کر اور خصال وصفاتِ حسنہ کا حامل بنا کر اس کی تشریح کے لیے اور عملی نمونہ دکھانے کے لیے بھیجا ہے اور ان کی ہر ادا کو مقبولیتِ تامہ کی صفت سے ایسا نوازا ہے کہ جس کا تصور کسی اور ہستی کے بارے میں نہیں ہوسکتا۔ قرآن ہی میں ایسی جامع تعبیر سے مخاطب کر کے ان کا اعلان کرایا جو عقلِ بشری سے بہت اونچی اور نا قابل تصور ہے۔ اس بارے میں سورۂ احزاب آیت نمبر 21 میں با قاعدہ اعلان فرمایا ہے: **{لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن کَانَ یَرْجُو اللّٰهَ وَالْیَوْمَ الْآخِرَ وَذَکَرَ اللّٰهَ کَثِیرًا}**، یہ اعلان ایسا جامع و

مانع ہے جو کسی بھی آئین کے حامل اور لانے والے کے لیے نہیں ہوا ہے، حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قول اور عمل سے تمام مختلف زاویوں اور جوانب سے اس کی مکمل تشریح کر کے دکھائی اور ان کو شاگردوں کی وہ جماعت مل گئی جن کا تصور انبیاء علیہم السلام کے بعد پورے کرۂ ارض میں ممکن نہیں ہے۔ یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے اپنی زندگیوں کو اس دین کی آبیاری کے لیے اور اس پر سو فیصد عمل کرنے کے لیے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر ادا کو عمل میں لانے کے لیے فنا کیا، اہل وعیال، مال ومتاع کو ان کی ایک ایک ادا کے لیے فدا کر دیا اور وہ لوگ اپنی عزیز جانوں کو ان کے لیے ''نفديه بكل ما نملك'' اور اپنے والدین کو ''بأبي وأمّي'' کہہ کر ان کے نام پر فدا کرتے تھے، حضور اقدس کے دنیا سے رحلت فرمانے کے بعد بھی حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں یہ سلسلہ بڑی قوت کے ساتھ جاری رہا اور انہوں نے تمام شعبہ ہائے زندگی میں احکام الٰہی اور سنتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کو زندہ کر کے دکھایا اور انہی کی کوششوں، اخلاص وللّٰہیت کا نتیجہ ہے کہ آج تک یہ سلسلۃ الذہب جاری وساری ہے اور قیامت تک جاری رہے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ جن لوگوں نے اس کو اپنے لیے اسوہ بنایا اور عالمِ بشریت تک اس مبارک کام کو پہنچایا، انہوں نے بڑی امانت داری سے کام لیا ہے۔ تاریخ کے ہزاروں صفحات اس پر شاہد ہیں کہ انہوں نے احیائے دین کی راہ میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور اپنی زندگی کے بہترین لمحات اس کام کی انجام دہی کے لیے وقف کر دیے، مسلمانوں میں ایسے لوگ بھی پیدا ہوئے جو دین کے کسی ایک شعبہ سے متاثر ہوئے اور ان کی کم فہمی بلکہ کج فہمی سے اور بعض شعبوں میں ان کو نقص اور کمی نظر آئی مگر درحقیقت دین کے ان شعبوں میں نقص اور کمی نہیں تھی بلکہ وہ اپنے ماحول سے متاثر ہو کر اس کج فہمی کے شکار ہوئے، جبکہ دوسری جانب ایسے لوگ بھی میدان میں آئے جنہوں نے دین کے تمام شعبوں کو (فطرتِ سلیمہ سے کام لیتے ہوئے) صحیح سمجھ کر ان کی تشریحات قرآن وحدیث، سیرت اور سلف صالحین کی زندگی سے لے کر ان کے مطابق خود بھی عمل کیا اور دوسروں تک بھی ان کو امانت داری سے منتقل کیا۔

اس دور میں بھی اللہ تعالیٰ نے بہت سے دور افتادہ علاقوں سے دین کا بہت کام لیا ہے، یہ علاقے جغرافیائی اور ثقافتی لحاظ سے جزیرۃ العرب سے کوسوں دور بالکل الگ تھلگ ہیں مگر تاریخ پڑھنے والے جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ دین کا کام لینے کے لیے مخصوص طور پر کسی قوم وملت یا کوئی خاص زبان جاننے والے کے محتاج نہیں بلکہ وہ جس سے چاہتے ہیں کام لیتے ہیں، بڑے بڑے ائمۂ کرام، محدثین وفقہاء جو دنیا میں امامت کے حقدار بنے ان کا تعلق عجم کے علاقوں سے ہے اور برصغیر کا شمار بھی ان ہی دور دراز علاقوں میں ہوتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے اس سرزمین کو ایسا زرخیز وآدم خیز بنایا ہے کہ اس کے اطراف واکناف میں دین کے ایسے بڑے بڑے حامی ومددگار پیدا ہوئے جنہوں نے سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح دین کے دفاع کے جذبہ کو پیش کیا، گویا ان کی زبان حال سے ''أينقص الدين و أنا حيّ'' کا اعلان جاری رہا اور انہوں نے اپنے عمل سے بھی اس کو ثابت

کر کے دکھایا۔ انہی ہستیوں میں سے ''رائے بریلی'' کے حسنی خاندان کے چشم و چراغ بھی شامل ہیں جو تقریباً کئی صدیوں سے دین کی حمایت اور حفاظت میں سربکف ہیں، ان کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے دین کے تمام شعبوں کو صحیح طریقہ سے، سنت اور سلف صالحین کی تشریح دین اور ان کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے سمجھا، اس پر عمل کیا اور اس کو دوسروں تک منتقل کیا۔ ان کی یہ فہم اور عمل صرف ہندوستان تک محدود نہیں رہا، بلکہ انہوں نے دنیا میں بشریت کے مختلف طبقات تک اس کو بحسن وخوبی پہنچایا ہے۔

اسی خاندان کے ایک معزز اور مکرم فرد حضرت مولانا محمد واضح رشید ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ہیں، جنہوں نے دین کے مختلف شعبوں میں مختلف اور متنوع موضوعات پر انتہائی لگن اور شغف کے ساتھ کام کیا ہے۔ ان کے کام کی نوعیت بھی عجیب ہے جس کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ وہ اپنے جد امجد حضرت مولانا عبدالحی حسنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اور اپنے ماموں مولانا ڈاکٹر عبدالعلی حسنی رحمہ اللہ تعالیٰ اور علامہ سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے عکس تھے۔ ان کی تالیفات، تصنیفات، پر مغز باتیں اور پرنور مجلسوں کو دیکھ کر کر عربی کا مشہور مقولہ ہمیشہ سامنے رہتا تھا کہ ''حالفه التوفيق''۔

ایک طرف آپؒ فن ادب میں صرف ماہر ہی نہیں بلکہ صاحب نظر اور امام بھی تھے، دوسری جانب اگر دیکھا جائے آپؒ تربیت وسلوک، تصوف واحسان، نظام تعلیم، نظریاتی کشمکش، یورپ کے مختلف نظاموں اور سماجی و اجتماعی مسائل پر ان کی گہری نظر تھی۔ آپؒ اعلیٰ پایہ کے صاحب بصیرت انسان تھے؛ ان کی تالیفات وتصنیفات میں ایک نکتہ بہت نمایاں ہے کہ حضرتؒ اس تنوع اور مختلف موضوعات میں مہارت رکھنے کے باوجود سوادِ اعظم اور سلف صالحین کے راستے پر سو فیصد گامزن رہے۔ یہ وہ خصوصیت ہے جو ان کو خاندان کو وراثت میں ملی ہے، ورنہ بہت سارے ادباء اور ماہرینِ فن ایسے بھی گزرے ہیں جو فن ادب میں اس قدر منہمک اور مستغرق ہوئے کہ ان کی تحریریں ادب کے میدان میں بلا شک وشبہ ایک شاہکار ہیں لیکن ان کا فہم وادراک، مسلک ومشرب اور سوچنے کا انداز جمہور سے بالکل الگ تھلگ ہے، حتی کہ بعض ادیبوں کی کتابوں کے بارے میں تو علماء نے یہاں تک لکھا ہے

> مولانا کی ہر کتاب ''کوزے میں دریا'' کی مصداق ہے۔ آپؒ موضوع کو اختصار کے ساتھ پیش کرنے میں بلا مبالغہ مجتہد تھے۔ ان کی ایک مختصر کتاب ''اسلام کا مکمل نظام زندگی حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی روشنی میں'' احقر کے سامنے ہے۔ اس میں بظاہر معمولی سا کام ہوا ہے کہ چالیس حدیثوں کو جمع کیا گیا ہے، لیکن اس کے عنوانات کو بنظر غائر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس انتخاب اور چناؤ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں خاص توفیق سے نوازا ہے۔ مختلف شعبہ ہائے زندگی خصوصاً اخلاقیات پر انہوں نے ایسی احادیث جمع کی ہیں کہ ہر حدیث سمندر کی مانند نوادر سے مالا مال ہے اور ہر حدیث کی تشریح کے لیے عمر دراز درکار ہے۔

کہ ان میں ایسا زہر ہے جس کو پڑھ کر انسان فن لغت میں تو بہت ماہر بن جاتا ہے،لیکن دینی احکام اور اسلامی شعائر میں خسارے کا شکار ہو جاتا ہے۔

حضرت مولانا واضح رشید ندوی رحمہ اللہ جہاں ایک ماہر ادیب تھے اوران کی مایہ ناز تصنیفات خود اس بات کی گواہ ہیں جو عوام وخواص میں مرجع کی حیثیت رکھتی ہیں، وہیں آپؒ تربیت و اصلاح کے قافلہ کے شہسواروں میں شمار ہوتے تھے۔آپؒ اسلام کی سربلندی اور اس کو اس کے حقیقی لباس میں پیش کرنے میں جدوجہد کرنے والوں کے امام تھے۔ان کی ہر بات سے خلوص اور للّٰہیت ٹپکتی تھی اور ان کے انداز میں سلف صالحین کے سلیقہ و اعتماد کی روشنی نظر آتی تھی۔

مولانا کی ہر کتاب ''کوزے میں دریا'' کی مصداق ہے۔ آپؒ موضوع کو اختصار کے ساتھ پیش کرنے میں بلا مبالغہ مجتہد تھے۔ان کی ایک مختصر کتاب ''اسلام کا مکمل نظامِ زندگی حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی روشنی میں'' احقر کے سامنے ہے۔اس میں بظاہر معمولی سا کام ہوا ہے کہ چالیس حدیثوں کو جمع کیا گیا ہے،لیکن اس کے عنوانات کو بنظر غائر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس انتخاب اور چناؤ میں اللہ تعالی نے انہیں خاص توفیق سے نوازا ہے۔مختلف شعبہ ہائے زندگی خصوصاً اخلاقیات پر انہوں نے ایسی احادیث جمع کی ہیں کہ ہر ہر حدیث سمندر کی مانند نوادر سے مالا مال ہے اور ہر حدیث کی تشریح کے لیے عمر دراز درکار ہے۔

مؤلف رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کے مقدمہ میں اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہے۔انہوں نے چند جملوں میں اس کتاب کی اہمیت اور افادیت پر لکھا ہے اور اس میں ایسی باتوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جن کی طرف عام طور پر ہر انسان کا ذہن نہیں جاتا۔ مؤلف رحمہ اللہ کا پُرمغز مقدمہ خود اس دعوے کی واضح دلیل ہے، افادہ کے پیشِ نظر ذیل میں اس کا ایک اقتباس پیشِ خدمت ہے:

مولانا رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قرآن کریم کی ایک اہم آیت:

{الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا} (المائدۃ: 3)

آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین کے پسند کیا)

پر تلاوت کے وقت مجھے غور کرنے کی توفیق ہوئی،تو اس میں مجھے تین نکتے نظر آئے،جن کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے،ایک یہ کہ اسلام دینِ کامل ہے،یعنی زندگی کے سارے شعبوں پر مشتمل ہے اور اس میں ترمیم،تنسیخ یا اصلاح کے عمل کی کوئی گنجائش نہیں،وہ قیامت تک کے لیے ہے اور ہر دور کے تقاضوں کے مطابق ہے،دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس کو خدا نے اِتمامِ نعمت قرار دیا ہے اور تیسری یہ کہ اب اسلام ہی مذہب کی حیثیت سے قابل عمل اور قابل اعتماد ہے،اسی لیے دوسری جگہ ارشاد ہے،{وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ} (آل عمران: 85) جو کوئی اسلام کے سوا اور دین کو تلاش کرے گا سو وہ اس سے ہرگز

قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ شخص آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا)۔

تاریخ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر دور میں اسلام کو صحیح شکل میں قائم رکھنے کے لیے علماء اور مجتہدین پیدا ہوئے اور انہوں نے اپنے عہد کے انحراف اور غلط تشریحات کا مقابلہ کیا، جن کی کوششوں سے اسلام اب بھی صحیح شکل میں قائم ہے۔

حدیث میں ایک واقعہ آتا ہے کہ یہودیوں نے جب اس آیت کو سنا تو کہا کہ اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس کو جشن کے طور پر مناتے۔

اسلامی تاریخ کی ایک ٹریجڈی یہ ہے کہ مختلف ادوار میں علماء اور مفکرین نے اسلام کے بعض اجزاء پر زیادہ زور دیا کہ وہی اسلام سمجھی جانے لگے اور بعض حضرات نے دوسرے اجزاء پر زور دیا کہ بس وہی اس فرقہ کے لیے اہمیت کے حامل ہو گئے۔

اسی طرح اعمال و احکام میں تناسب کا خیال نہیں رکھا گیا، اپنے ذوق اور علم کی بنیاد پر بعض کی اہمیت پر زیادہ زور دیا اور بعض پر کم، اسی لیے مسلم سماج میں توازن قائم نہیں رہا، اس کی ایک مثال قرآن کی آیت ہے جس میں جہاد پر زور دینے کے بعد کہا گیا ہے: {**فَلَوْلَا نَفَرَ مِن كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُونَ**} ([التوبة: 122] سو یہ کیوں نہ کیا کہ ہر ایک جماعت میں سے چند اشخاص نکل جائیں تا کہ دین کا علم سیکھیں اور اس میں سمجھ پیدا کریں اور جب اپنی قوم کی طرف واپس آئیں تو ان کو ڈرائیں تا کہ وہ محتاط رہیں)۔

خود حدیث شریف میں جو قرآن کی شرح ہے، اس کی متعدد مثالیں ملتی ہیں؛ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی طرف بڑھا اور کہا: میں آپ سے ہجرت اور جہاد پر بیعت کرنا چاہتا ہوں اور اللہ سے اس کے اجر کی امید رکھتا ہوں۔ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے پوچھا: کیا تمہارے والدین میں کوئی زندہ ہے؟ اس نے کہا: ہاں دونوں زندہ ہیں۔ آپ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا: تم اللہ سے اجر چاہتے ہو؟ کہا: ہاں! فرمایا: جاؤ ان کی خدمت کرو۔ (متفق علیہ)

اس عہد کا اصل مرض اسلام کی من مانی تشریح اور عمل میں عدم توازن یا جزوی عمل ہے اور یہی مسلمانوں کی زبوں حالی کا سبب ہے۔

سورۂ مائدہ کی اس آیت پر غور کر کے میرے ذہن میں ایک نقشہ آیا جو خود قرآن کریم کی آیت سے ماخوذ ہے: {**أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ**} (ابراہیم: 24،25) (کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کیسی (اچھی) تمثیل کلمہ طیبہ کی بیان کی کہ وہ ایک پاکیزہ درخت کے مشابہ ہے جس کی جڑ (خوب) مضبوط ہو اور اس کی شاخیں (خوب) اونچائی میں جارہی ہوں، وہ اپنا پھل ہر فصل میں اپنے پروردگار کے حکم سے دیتا رہتا ہو)۔

میں نے اسلام کو ایک شجر (درخت) تصور کیا پھر اس کی

تعلیمات کو جو زندگی کے مختلف شعبوں کے متعلق ہیں شاخیں تصور کیا اور اس کا نقشہ بنایا اور اس کے مطابق حدیثوں کو جمع کیا جو زندگی کے سارے شعبوں سے متعلق ہیں، اب اگر ان سارے شعبوں کو جمع کیا جائے اور اسلام کامل وجود میں آجائے تو اس کی مثال اس شجر کی طرح ہوگی جو ہر دور میں خدا کی مدد اور حکم سے پھل دے گا اور ''**تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا**'' کا مصداق ہوگا۔

اس دور میں ہماری کوششوں اور اسلامی تحریکات کی ناکامی کا سبب اسلام کامل کا نمونہ پیش کرنے میں تقصیر (کوتاہی) ہے۔ ہم نے چالیس احادیث کا انتخاب اسی تصور کی بنیاد پر کیا۔ (اسلام مکمل نظامِ زندگی حدیث نبوی کی روشنی میں: ص10)

اس مقدمہ کے پڑھنے سے یقیناً قارئین کے دلوں میں اس کتاب کو دیکھنے اور پڑھنے کا شوق اجاگر ہو جاتا ہے، اس لیے کہ جس مقدمہ کو مؤلفِ کتاب خود لکھے اور خاص طور پر وہ مؤلف جو کاغذ کی سیاہی اور تکثیر اوراق کے چکر میں نہ ہو، بلکہ اس کا مقصد اپنے دل کی بات مختصر الفاظ میں پیش کرنا ہو، تو وہ مقدمہ کتاب کا خلاصہ اور موضوع کا نچوڑ ہوگا۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے ایک مرتبہ احقر سے فرمایا: بعض مؤلفین، کتاب کے مقدمہ میں بہت کامیاب ہیں، وہ پوری کتاب کا خلاصہ اور اس کے اہم نکات (پوائنٹس) کو مقدمہ میں ذکر کرتے ہیں۔ پھر انہوں نے حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ ''مولانا اپنی کتابوں کا عام طور پر مقدمہ خود لکھتے تھے اور اس میں خاص طور پر اس بات کا خیال فرماتے تھے کہ کتاب کا خلاصہ مقدمہ میں آجائے، اس لیے کہ جس کو پوری کتاب پڑھنے کا موقع نہ ملے اور وہ ان جیسے حضرات مؤلفین کی کتابوں کا مقدمہ پڑھ لے، تو صرف مقدمہ پڑھنے سے اس کتاب کا خلاصہ اور موضوع کا نچوڑ اس کے ذہن میں آجاتا ہے۔''

حضرت مولانا واضح رشید صاحب رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے لکھنے پڑھنے میں بہت اعلیٰ مقام تک پہنچایا تھا۔ آپؒ اپنی کتابوں پر خود مقدمہ لکھتے تھے، جس سے قارئین کو کتاب کا خلاصہ سمجھنے میں بہت مدد ملتی تھی۔

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا رحمہ اللہ کی کاوشوں کو اخلاص کے ساتھ قبول فرما کر ان کو بہترین اجر عطاء فرمائیں اور ان کی اولاد، تلامذہ و محبین اور متعلقین کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین

بشکریہ ''تعمیر حیات'' ترجمان ندوۃ العلماء لکھنؤ

غلام قوم کے معیار بھی عجیب ہوتے ہیں، شریف کو بے وقوف، مکار کو چالاک، قاتل کو بہادر اور مالدار کو بڑا آدمی سمجھتے ہیں۔

مولانا عبیداللہ سندھی

اربابِ فضل وکمال کا قافلہ

● مولانا بدرالحسن القاسمی (کویت)

گزشتہ چند ماہ کے واقعات وحوادث پر نظر ڈالی جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ارباب فضل وکمال کا قافلہ بڑی تیزی سے نظروں سے اوجھل ہوتا جارہا ہے اور ہر جانے والا اپنے بعد اپنے علمی دینی ودعوتی حلقے میں ایسا خلا چھوڑ کر جارہا ہے جس کا پر ہونا بظاہر اسباب ممکن نظر نہیں آتا جس سے تشویش کا پیدا ہونا طبعی ہے، شیخ الحدیث مولانا محمد یونس جونپوریؒ، مولانا محمد اسلم قاسمیؒ، مولانا محمد سالم قاسمیؒ کے بعد مولانا اسرارالحق قاسمیؒ، مولانا حسیب الرحمٰن قاسمیؒ (شیخ الحدیث دارالعلوم حیدرآباد) کے بعد اب مولانا زبیر احمد قاسمیؒ (شیخ الحدیث دارالعلوم سبیل السلام) پھر نامور ادیب و باوقار عالم مولانا سید واضح رشید ندوی کی وفات کے واقعات اس طرح پے درپے پیش آئے کہ بجا طور پر یہ اندیشہ پیدا ہونے لگا ہے کہ قرب قیامت کی علامتوں میں جو پیشینگوئی کی گئی ہے کہ:

"إن اللہ لا یقبض العلم انتزاعاً ینتزعہ من العباد ولکن یقبض بقبض العلماء حتی إذا لم یبق عالم اتخذ الناس رؤساً جہالاً فسئلوا فافتوا بغیر علم فضلوا وأضلوا"۔ (رواہ البخاری)

(اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہیں اٹھائیں گے کہ اسے لوگوں کے سینوں سے نکال لیں لیکن علم کو علماء کے ختم ہونے کے ذریعہ اٹھایا جائے گا یہاں تک کہ جب کوئی عالم نہیں رہ جائے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا رہنما بنالیں گے ان سے سوال کریں گے اور وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے)۔

اندیشہ یہ ہوتا ہے کہ شاید امت کے لئے وہی آزمائش کا لمحہ تو شروع نہیں ہوگیا ہے اور بعض دینی جماعتوں کے سربراہوں اور دیگر دین کے نام پر دنیا کمانے والوں کے جاہلانہ اور گمراہ کن بیانات سے اس اندیشہ کو اور تقویت ہوتی ہے، کہ علماء کی جگہ جاہل لوگ لیتے جارہے ہیں۔

اس لئے بڑے دینی وعلمی مراکز کی ذمہ داری بڑھ گئی ہے کہ اچھے بابصیرت اور خوف وخشیت رکھنے والے علماء کی تیاری کی طرف زیادہ توجہ دی جائے اور دینی وجاہت کے حصول کے لئے نااہلوں کی طرف سے کی جانے والی کوششوں کی حوصلہ افزائی نہ کی جائے، دینی دعوت کے اصول میں حق کی تائید کا جذبہ کارفرما ہونا چاہئے، محض نسبت اور صاحب زادگی کی بنیاد پر نااہل طالع آزماؤں کے تصرف میں بڑے دینی ادارے نہ دیئے جائیں ورنہ وہی ع زاغوں کے تصرف میں عقابوں کا نشیمن چلا جائے گا اور اس کے نقصانات کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے۔ پچھلے چند ہفتوں میں جو نامور علماء اس دنیا سے رخصت ہوئے ہیں ان میں بعض یہ ہیں:

ا۔مولانا حبیب الرحمٰن قاسمیؒ

گزشتہ تین دہائیوں سے دارالعلوم حیدرآباد میں شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے وہ اپنی نوعیت کے منفرد عالم اور فن تدریس کے نامور شناور تھے۔

میں نے ان سے اس زمانہ میں استفادہ کیا تھا جبکہ وہ جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر میں استاذ تھے اور میں اپنی عمر کے ابتدائی مرحلہ میں قدوری، شرح تہذیب اور ابن حاجب کی کافیہ وغیرہ پڑھ رہا تھا اور مولانا مرحوم کے یہاں کافیہ کا درس تھا اور مولانا نیاز احمد رحمانی، غیاث الاسلام رحمانی، فخر العالم دلاور پوری اور ضیاء اللہ ہزاری باغ وغیرہ میرے رفقائے درس تھے اور میری عمران سبھوں سے کم تھی۔اب تو ان میں سے بھی کئی اللہ کو پیارے ہوگئے ہیں۔

مولانا کے طرز کی نقالی کا شوق بھی ہم لوگوں کو تھا جس کا مظاہرہ تکرار کے دوران ہوتا جب چند ساتھی باہم پڑھے ہوئے اسباق کا اعادہ کرتے یا امتحان کی تیاری کرتے ہوتے۔

جامعہ رحمانی اس زمانہ میں حضرت امیر شریعت رابعؒ مولانا سید منت اللہ رحمانی کی قائدانہ اور مؤثر شخصیت کی وجہ سے بقعۂ نور بنا ہوا تھا اور بڑے باکمال اور ماہر اساتذہ ہم لوگوں کی تعلیم وتربیت پر مامور تھے جن میں مولانا اکرام علی صاحب (سابق شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل) مولانا فضل الرحمٰن قاسمی (سابق استاذ حدیث دارالعلوم سبیل السلام) مولانا مفتی محمد یحییٰ (سابق مفتی امارت شرعیہ واستاذ حدیث دارالعلوم حیدرآباد)۔

مولانا سید ابواختر صاحب، مولانا شمس الحق صاحب اور صاحب تذکرہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب یہ ایسے قابل اور لائق وفائق اساتذہ تھے جن کی مثال ملک کے بڑے تعلیمی اداروں میں بھی بمشکل ہی مل سکتی ہے خاص طور پر مولانا اکرام علی صاحب اور مولانا شمس الحق صاحب بڑے باکمال اساتذہ میں تھے اور مفتی محمد یحییٰ صاحب ملک کے نامور مفتیوں میں شمار کئے جاتے تھے پھر حضرت امیر شریعتؒ نے ان اساتذہ کے لئے بڑا ہی پرسکون ماحول فراہم کر رکھا تھا اور وقت کے مسائل پر اساتذہ کے ساتھ ان کی مجلسیں بڑی ہی عالمانہ، مفید اور نتیجہ خیز ہوا کرتی تھیں۔

پھر یہ سارے ہی اساتذہ بکھر گئے اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اور مفتی یحییٰ صاحب نے حیدرآباد کو اپنا آشیانہ بنالیا۔مولانا فضل الرحمٰن قاسمی صاحب بھی یہیں رہے۔

مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے مولانا عاقل حسامیؒ صاحب کے مدرسہ دارالعلوم حیدرآباد میں ۳۱ سال گزار دیئے اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے۔

صحت کی خرابی کے بعد اپنے وطن بہار منتقل ہو گئے تھے اور وہیں ان کا وقت موعود آ گیا اور طبعی عمر پوری کر کے وہیں اس دنیا سے رخصت ہو گئے، اللہ تعالیٰ انہیں غریق رحمت کرے اور فردوس بریں میں جگہ دے آمین۔

۲۔مولانا زبیر احمد قاسمیؒ

مولانا زبیر احمد قاسمی بھی تقریباً بیاسی (۸۲) سال کی عمر میں اس دنیا سے رخصت ہو گئے، اوران کے جانے سے علماء دین کے حلقہ میں زبردست خلا پیدا ہو گیا ہے۔

مولانا زبیر احمد قاسمی صاحب نامور عالم، بلند پایہ فقیہ اور ہر علم وفن میں کمال رکھنے والے ایسے ماہر استاذ تھے کہ ان

سے پڑھنے والے اور علمی استفادہ کرنے والے فخر محسوس کیا کرتے تھے۔

انہوں نے طویل عرصہ تک اپنے علاقہ کے مدرسہ اشرف العلوم کنہواں کو ترقی دینے میں بھرپور حصہ لیا اور اسے پروان چڑھایا پھر جامعہ رحمانی مونگیر میں تدریس کے فرائض انجام دیئے اور اس کے بعد مولانا محمد رضوان القاسمیؒ کی گزارش پر وہ سبیل السلام حیدرآباد تشریف لے آئے اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے۔

اس کے علاوہ اسلامک فقہ اکیڈمی کے رکن تاسیسی کی حیثیت سے بہت سے فقہی موضوعات پر اپنی گرانقدر تحقیقات سے بھی لوگوں کو بہرہ ورکیا اور ان کے فقہی مقالات صفا، بحث ونظر اور اکیڈمی کے فقہی مجلّات اور سمیناروں کی زینت بنتے رہے۔

ان کی تدریس کا انداز جس قدر نرالا اور مؤثر تھا اسی طرح فقہی موضوعات پر قلم بھی بے حد روانی سے چلتا تھا اور اہل علم اس سے فیضیاب ہوتے تھے۔ وہ کسی مسئلہ پر گفتگو کے دوران اس کی تمام شقیں سامنے رکھتے اور اپنا نقطۂ نظر مرتب انداز پر پیش کرتے تھے۔

ان کے لکھے ہوئے مقالات عام طور پر حشو وزوائد سے پاک اور نقاط متعین کر کے لکھنے کی وجہ سے بے حد واضح اور مدلل ہوا کرتے تھے جس پر انگلی اٹھانے یا اختلاف کرنے کی گنجائش بہت کم رہ جاتی تھی۔

متعدد فقہی واصولی موضوعات پر ان کی تحقیقات اوپر ذکر کردہ مجلّات میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

مولانا مرحوم کو قریب سے دیکھنے اور ان کے ساتھ بے تکلف مجلسوں میں بیٹھنے کا موقع اس وقت ملا جب وہ سبیل السلام میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے موجود تھے اور کویت پر عراق کے فوجی حملہ کی وجہ سے میں کویت سے واپس آکر مدرسہ کے قریب ہی کرایہ کے ایک مکان میں مقیم تھا۔

فقہ اکیڈمی کے سمیناروں اور انتظامی اجلاسوں میں بھی ان سے ملاقات اور خوش گوار ماحول میں گفتگو کا موقع ملتا رہا ہے۔

ان کی تحریروں میں:

یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ

نوٹ کی شرعی حیثیت

قسطوں پر خرید وفروخت کے احکام

اور وقف کے استبدال وغیرہ کے مسائل

خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور ان سے مولانا کی فقہی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے اور مشکل مسائل کے تحلیل وتجزیہ اور ان کی ممکنہ شقوں پر گہرائی کے ساتھ نظر ڈالنے اور ان کے احکام متعین کرنے میں ان کی مہارت قابل داد وتحسین نظر آتی ہے۔

چند سال پہلے شیخ الحدیث کے منصب کو چھوڑ کر وہ اپنے محبوب مدرسہ اشرف العلوم کی تعمیر وترقی کے لئے وطن لوٹ گئے تھے۔

اور جب مدرسہ کا سوسالہ اجلاس کامیابی کے ساتھ ہوگیا تو انہوں نے قلبی راحت اور ذہنی سکون محسوس کیا کسے خبر تھی کہ ان کی عمر عزیز کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اور وہ جلد ہی مالک حقیقی کی آغوش رحمت میں جانے والے ہیں، اللہ تعالیٰ فردوس بریں میں جگہ دے اور ان کی بے لوث دینی خدمات ان کے درجات کی بلندی

کا ذریعہ بنیں۔

۳۔مولانا سید واضح رشید ندویؒ

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم عربی کے نامور ادیب بلند پایہ صحافی تجزیہ نگار اور عربی زبان وادب کے اپنے انداز کے منفرد استاذ بھی جنوری کی ۱۶ تاریخ کو اس دنیا سے رخصت ہو گئے، إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

مولانا محمد الحسنی مرحوم کے منفرد اسلوب کے بعد ندوۃ العلماء کے حلقہ میں اچھی اور قابل تقلید عربی لکھنے والے مولانا سید واضح رشید صاحب ہی تھے۔

صور وأوضاع کے عنوان کے تحت مختلف سیاسی واجتماعی واقعات وحالات پر ان کے تبصرے بڑے موزوں اور بصیرت افروز ہوا کرتے تھے۔نصف صدی سے زیادہ عرصہ سے البعث، الرائد وغیرہ کی کامیاب ادارت وسرپرستی ان کے ذمہ رہی ہے۔

البعث الاسلامی کی ادارت میں وہ محترم مولانا سعید الرحمٰن اعظمی کے معاون رہے اور اپنی ادبی نگارشات سے مختلف مجلّات وجرائد کو زینت بخشتے رہے۔

اس کے علاوہ ان کی متعدد تصنیفات اور پھر تدریس کے مخصوص انداز نے ندوہ کے حلقہ میں ان کو طلبہ اور اساتذہ سبھوں کے نزدیک بے حد مقبول بنائے رکھا اور ان کی شخصیت بے حد ہر دل عزیز رہی ہے۔

ان کی پیدائش ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۹۳۲ء کی تھی اور ان کی وفات ۱۶ جنوری ۲۰۱۹ء مطابق ۱۰ جمادی الاولی ۱۴۴۰ھ کو ہوئی اس طرح ان کی عمر تقریباً ۹۰ سال کی تھی کہ انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا وقفہ کے بعد ان سے کبھی ملاقات مکہ مکرمہ ہندوستان یا پھر کویت میں ہوتی رہی ہے اور ہمیشہ ان کے تواضع علمی وقار اور بلند اخلاق کا خاص اثر محسوس ہوا اور ان کی عظمت کا نیا نقش دل پر قائم ہوا۔

مولانا مرحوم کی دلکش پرزور و پرتاثیر عربی نگارشات، ان سے براہ راست استفادہ کرنے والے ہزاروں شاگرد اور ان کی یادگار تصنیفات ان کو دینی وعلمی حلقوں میں بقائے دوام عطا کرنے کے لئے کافی ہیں اور ان کے لئے صدقہ جاریہ کی حیثیت رکھتی ہیں، اللہ تعالی انہیں فردوس بریں میں جگہ دے اور ان کے درجات بلند فرمائے (آمین)۔

حضرت مولانا سید محمد رابع الحسنی دامت برکاتہم کے لئے اس عمر میں مولانا سید واضح رشید ندوی کے فراق کا غم یقیناً انتہائی صبر آزما ہے۔

حوادث اور تھے پر ان کا جانا
عجب اک سانحہ سا ہو چکا ہے

اللہ تعالی ان کو صحت وسلامتی کے ساتھ رکھے اور ان کے ساتھ خصوصی لطف وکرم کا معاملہ فرمائے (آمین)۔

۴۔مولانا عبد الرحمٰن مظاہری

''کاروان زندگی'' ''کاروان حیات'' ''میری زندگی'' ''نقش حیات'' جو بھی عنوان اختیار کیجئے، ''زندگی'' رہنے والی چیز نہیں ہے بغیر آپ کی طلب یا اختیار کے مل گئی ہے آپ نے اعزہ واقارب دوست اور احباب جمع کئے ہوں یا خدم وحشم اور محافظ دستے تشکیل دیئے ہوں بغیر آپ کی مرضی اور خواہش معلوم کئے ایک دن آپ سے رخصت بھی ہوجائے گی بلکہ آپ خود ہی اس کے ساتھ دوسری دنیا کے لئے رخت سفر

باندھ لیں گے۔

بقول اکبر:

ایک ہی کام سب کو کرنا ہے
یعنی جینا ہے اور مرنا ہے

(کل من علیها فان) اور (کل نفس ذائقة الموت) کا حاصل بھی تو یہی ہے۔

خبر آئی ہے کہ ''باب مکہ'' کہلانے والے شہر ''جدہ'' میں حیدرآباد کے مولانا عبدالرحمٰن مظاہری کا طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا ہے (إنا لله وإنا إليه راجعون) یہ نام نہ صرف یہ کہ میرے لئے مانوس ہے طویل عرصہ سے لائق احترام وقابل تعریف بھی ہے۔

حرمین شریفین کے سفر کے دوران جب کبھی جدہ میں میرے ہونے کی ان کو اطلاع ملتی وہ ملنے کی خواہش ظاہر کرتے اور جب تک صحت اچھی تھی از راہ عنایت قیام گاہ تک تشریف لانے کی بھی زحمت گوارا فرماتے اور شفقت ومحبت سے ملتے تھے۔

اسی طرح کی ایک ملاقات کے دوران انہوں نے اپنی متعدد تصنیفات بھی عطا کی تھیں ان میں سے ایک ''کاروان حیات'' بھی ہے جس کے سرورق پر ان کے دستخط ثبت ہیں اور ہدیہ کے الفاظ لکھے ہوئے ہیں مکمل طور پر کتاب پڑھنے کا اتفاق ہوا تھا یا نہیں یاد نہیں لیکن اب اس کی فہرست پر نظر ڈالنے اور اس کی ورق گردانی سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے وطن کے ماحول کو ٹھیک کرنے اور لوگوں کے صحیح عقیدہ ومسلک اختیار کرنے کے لئے بڑی محنت کی ہے اور ایک اچھے داعی کا فریضہ ہمیشہ ادا کرتے رہے ہیں۔

مولانا کی اور میری عمر میں کافی تفاوت ہے وہ اس وقت مظاہر علوم سے فارغ ہو چکے تھے جبکہ میں نے عالم رنگ وبو میں قدم ہی رکھا تھا لیکن ان کا معاملہ ہمیشہ مشفقانہ اور خورد نوازی کا رہا۔

دراصل ہمارے درمیان ''واسطہ عقد'' اور تعلقات کی اساس مولانا محمد رضوان القاسمیؒ تھے جو اپنی ہمہ جہت رونق افروزیوں، عطر بیزیوں، علمی وادبی سرگرمیوں اور تعمیری واصلاحی جلوہ سامانیوں کے عین عروج کے زمانہ میں ہم سبھوں کو غم زدہ اور حیران وششدر چھوڑ کر شیخوخت کا مرحلہ آنے سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہو گئے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

وہ جب تک رہے حیدرآباد میں دینی وتعمیری صحافت کا عنوان اور دعوتی واصلاحی کاموں کا نشان بن کر رہے۔

مولانا عبدالرحمٰن مظاہری پہلے سے سرگرم تھے دونوں کو ایک دوسرے سے بے حد تقویت تھی، اور اصلاحی مہم میں دونوں ہی شریک رہے، ''مجلس علمیہ'' کا قیام علاقہ کے چند مخلص علماء کی جدوجہد سے ہوا اور مولانا عبدالرحمٰن مظاہری مرحوم اس کے پہلے جنرل سکریٹری منتخب کئے گئے۔

مولانا عبدالرحمٰن صاحب کی تعلیم کی تکمیل مظاہر علوم سہارنپور میں ہوئی تھی اور ان کے اساتذہ میں سرفہرست حضرت مولانا اسعد اللہ صاحب رامپوریؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، مولانا مفتی مظفر حسین صاحب اور مولانا منظور احمد صاحب وغیرہ ہیں، اس سے پہلے کے تعلیمی مراحل انہوں نے عسرت کی حالت میں پورے کئے تھے۔

فراغت کے بعد وہ لاہور جا کر مولانا احمد علی لاہوری

صاحب کے تفسیر قرآن کے حلقہ میں بھی شامل ہوئے لیکن ایک حادثہ کی وجہ سے دورہ کی تکمیل نہ کر سکے۔

مدت تک وہ حیدرآباد کی مشہور دینی درسگاہ جامعہ نظامیہ میں تفسیر وحدیث کے استاذ بھی رہے۔

انہوں نے تعلیم کے ابتدائی مراحل میں سخت مشقت برداشت کی تھی اور اپنے اہل خانہ کی سخت مخالفت کے باوجود ہردوئی اور شاملی میں محض اپنے شوق سے علم دین کے حصول میں لگے رہے۔

پھر ملازمت کے زمانہ میں بھی اہل بدعت کی طرف سے ان کو سخت مخاصمت کا سامنا کرنا پڑا لیکن ان کے پائے استقامت میں تزلزل نہیں آیا اس لحاظ سے ان کی داستان حیات دلچسپ اور بہت سے لوگوں کے لئے لائق عبرت وبصیرت ہے۔

جب وہ حیدرآباد میں تھے تو بارہا ان سے ملاقاتیں ہوتی رہیں کیونکہ میری ''پناہ گاہ'' مولانا محمد رضوان القاسمی کی لائبریری تھی اور وہ مولانا کے ساتھ بہت سے اصلاحی ودینی پروگراموں میں شریک تھے اور ان میں فکر ومسلک کی بڑی حد تک ہم آہنگی تھی۔ جدہ کے قیام کے زمانہ میں ملاقات ایک دو بار ہی یاد پڑتی ہے۔

مولانا نے ''کاروان حیات'' کے نام سے جو اپنی زندگی کی روداد لکھی ہے اس میں بہت سی باتیں بڑی کارآمد ہیں، خاص طور پر شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ کے درس تفسیر میں شرکت کے لئے ان کا لاہور کا سفر اور ان کے طرز تفسیر وتاویل کے بارے میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے رسالہ کی روشنی میں ان کے سوال وجواب کا ذکر اور بغیر کسی تبصرہ کے مولانا کے طرز تاویل کی مثالیں۔ اور بعض سرحدی طالب علموں کی طرف سے ان پر مسلح حملہ کی کوشش کے بعد ان کی واپسی۔

اس سفر کے دوران مولانا مودودی صاحب سے ملاقات اور ان کے مزاج وانداز اور ان کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی ذات پر تنقید اور تقلید وغیرہ مسئلہ پر گفتگو۔

مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کے مواعظ اور ان کی شخصیت اور جذبہ کا ذکر اور مظلوم مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم پر مولانا کا ردعمل۔

اسی طرح حضرت تھانویؒ کے خلیفۂ اجل مولانا محمد حسن امرتسریؒ کی مجلس میں شرکت اور ان کی روحانی کیفیت کا ذکر اختصار کے باوجود لائق دید عنوانات ہیں۔

افسوس کہ کئی سال پہلے انہوں نے کتاب مجھے دی تھی لیکن ان کی زندگی میں اپنی رائے ظاہر کرنے کی توفیق نہیں ہوئی ورنہ مولانا کو بے حد خوشی ہوتی۔ کتاب عقیدہ میں انکی صلابت اور علم میں امتیاز اور استدلال کی قوت کی شاہد ہے انہوں نے مسلک کی حفاظت اور عام لوگوں کو بدعات وخرافات سے بچانے کے لئے متعدد اقدامات کئے، پالن حقانی اور مولانا ارشاد صاحب دیوبندی وغیرہ کے پروگرام رکھے۔ اپنے خطبہ جمعہ اور درس قرآن کو بھی رشد وہدایت کا وسیلہ بنائے رکھا۔

مولانا عبیداللہ سندھی کے ذکر میں یہ لکھنا کہ وہ شیخ الہند کے ساتھ کئی سال مالٹا کی جیل میں رہے غالباً سہو قلم ہے۔

اس خبر سے بھی حیرت ہوئی کہ کہ مشہور حنفی عالم ومحقق مولانا ابوالوفاء افغانیؒ کی لاش کو حضرت مولانا انوار اللہ خاں صاحب کی قبر کا طواف کرایا گیا۔ پانچ مسائل پر ان کا رسالہ انکی علمی شان

کے مطابق نہیں۔

اس کے علاوہ اہل بدعت سے ان کی معرکہ آرائیاں، پالن حقانی کے پروگرام، زلزلہ نامی کتاب کا فتنہ، عامر عثمانی صاحب کا سجدہ سہو، جامعہ نظامیہ سے برطرفی اور جمعہ کے خطبہ پر پابندی وغیرہ کی داستان دلچسپ اور معلومات افزا ہے۔

انہوں نے حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی مجلس میں اپنی شرکت کے دوران اپنے کانوں سے سنا یہ جملہ بھی نقل کیا ہے کہ:

''کانگریس سے ہم نے عرش مانگا تھا لیکن ہمیں فرش دیا گیا'' پھر فرمایا: ''اللہ تعالی مولانا تھانوی کی قبر کو انوار سے بھر دے ان کی آنکھیں چالیس سال پہلے آج کا منظر دیکھ رہی تھیں''۔

اب مولانا اس دنیا میں نہیں رہے اس لئے براہ راست ان سے نہ کسی بات کی توثیق کرائی جاسکتی ہے اور نہ توضیح، لیکن ان کی علمی ودینی خدمات اور بے مثال شخصیت کو خراج عقیدت ضرور پیش کیا جاسکتا ہے اور ان کے لئے دل کی گہرائیوں سے دعا کی جاسکتی ہے کہ:

اللہ تعالی ان کے درجات بلند فرمائے اور ان سے نسبتاً کم عمر لیکن پیش رو مولانا محمد رضوان القاسمی مرحوم کے ساتھ فردوس بریں میں جگہ دے اور ان کو اپنی خصوصی رحمت اور خوشنودی سے نوازے، آمین۔

منظوم کلام در حالات حاضرہ

علامہ سید عبد العزیز

بہت سوئے ہو تم اب ہوش میں آنے کا وقت آیا
مسلمانو سنبھل جاؤ سنبھل جانے کا وقت آیا

جہاں سے تین سو تیرہ چلے تھے تم مسلمانو
انہی ماضی کی راہوں پر پلٹ جانے کا وقت آیا

تپش سورج سے لو اور آسماں سے بجلیاں چھینو
کفر کے آشیاں پہ آگ برسانے کا وقت آیا

بھڑک اٹھے ہیں پھر سے آتش نمرود کے شعلے
انہیں پھر جذبہ ابراہیمؑ دکھلانے کا وقت آیا

سنو یہ مسجد اقصیٰ سے کیا آواز آتی ہے
مسلمانو میری حرمت پہ کٹ جانے کا وقت آیا

اٹھو اے صلاح الدین ایوبی کے فرزندو
اب اس غازی کے افسانے کو دوہرانے کا وقت آیا

جلا ڈالی تھی تم نے کشتیاں اندلس کے ساحل پر
مسلماں پھر تیری تاریخ دوہرانے کا وقت آیا

جوانانِ وطن اٹھو کفن بردوش ہو جاؤ
جہاد فی سبیل اللہ کر جانے کا وقت آیا

مسلمانو سنبھل جاؤ سنبھل جانے کا وقت آیا
بہت سوئے ہو تم اب ہوش میں آنے کا وقت آیا

——— **پیشکش: فاتح اقبال مکی**

حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلویؒ کی وفات کا سانحہ

مولانا سید محمد شاہد الحسنی سہارنپوری (امین عام جامعہ مظاہر علوم سہارنپور)

حضرت مولانا محمد الیاس بانی تبلیغ کے اکلوتے نواسے اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی کے اکلوتے صاحبزادے حضرت مولانا محمد طلحہ ۲؍ جمادی الاول ۱۳۶۰ھ مطابق ۲۸؍ مئی ۱۹۴۱ء میں پیدا ہوئے۔ دینی تعلیم حاصل کرتے ہوئے سب سے پہلے قرآن پاک کا حفظ شروع کیا اور جو ۱۶؍ رجب ۱۳۷۵ھ/ ۲۹؍ فروری ۱۹۵۶ کو رائے پور میں حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری کی مجلس میں ختم ہوا۔ ۲؍ جمادی الاول ۱۳۷۶ھ/ ۵؍ دسمبر ۱۹۵۶ء بروز بدھ سہارنپور میں اردو و فارسی کی تعلیم کا آغاز ہوا اس زمانہ میں مولانا مرحوم اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ دہلی آتے جاتے رہے اس لئے اردو فارسی اور عربی کی ابتدائی کتابیں دونوں مقامات پر پڑھیں۔

شوال ۱۳۸۱ھ میں جامعہ مظاہر علوم میں داخلہ لے کر شرح جامی ہدایہ اولین، مقامات وغیرہ ایک سال تک پڑھ کر دہلی چلے گئے اور وہاں مدرسہ کاشف العلوم بستی حضرت نظام الدین میں اپنی تعلیم کی تکمیل کرتے ہوئے ۱۳۸۳ میں وہاں دورۂ حدیث شریف پڑھا۔ آپ نے بخاری شریف حضرت مولانا محمد انعام الحسن اور طحاوی شریف حضرت مولانا محمد یوسف سے پڑھی۔

علوم ظاہریہ کی تکمیل کے بعد آپ اپنے والد ماجد حضرت مولانا محمد زکریا کے حکم پر حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری سے بیعت ہوئے اور ذکر و شغل میں مشغول ہوئے۔ ربیع الاول ۱۳۹۳ھ میں آپ کے والد ماجد نے آپ کو اجازت بیعت و خلافت دیکر اپنا جانشین نامزد کیا۔ آپ مشہور معروف بزرگ شخصیت حضرت مولانا افتخار الحسن کاندھلوی کے داماد تھے۔

آپ دنیا بھر میں پیر صاحب کے لقب سے جانے پہچانے جاتے تھے اور یہ لقب آپ کو شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کا دیا ہوا ہے۔ آپ نے بہت صاف ستھری اور پوری سادگی اور دیانت کے ساتھ اپنی پوری زندگی گذاری، بناوٹ، تملّق اور ظاہری ٹیپ ٹاپ اور دنیاوی وبہروپیوں سے کوسوں دور تھے اور اس وجہ سے لا یخافون فی اللہ لومۃ لائم کی سچی تصویر تھے دینی حمیت اور اسلامی شعائر سے گہری محبت اور وابستگی رکھتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ خلاف سنت اور خلاف شریعت چہرہ اور حلیہ اگر کسی مسلمان کا دیکھتے تو سخت الفاظ میں نہ صرف تنبیہ فرماتے بلکہ کبھی کبھی غیرت وایمانی حمیت سے مجبور ہو کر ہاتھ بھی اٹھالیا کرتے تھے، مولانا مرحوم بہت سے مدارس عربیہ کے مشیر و سرپرست، بہت سے دینی اداروں کے بانی ہونے کے ساتھ دارالعلوم دیوبند جیسے وقیع درسگاہ کے رکن شوری اور مظاہر علوم جیسی علمی دانش گاہ کی مجلس شوری اور مجلس انتظامیہ کے صدر تھے۔ مسلمان بچوں کی دینی تعلیم سے محرومی پر آپ کو زبردست ملال رہتا تھا اسکے تدارک کیلئے آپ نے ایک مشن اور تحریک کے طور پر جگہ جگہ مکاتب دینیہ قائم کئے اور کراتے، اور اسکا شعور پیدا کرنے کیلئے تحریری طور پر بھی کتابچوں اور پمفلٹوں کی شکل میں اسکی اہمیت اور ضرورت مسلم سماج کو بتلائی چنانچہ انہیں کی چلائی ہوئی منصوبہ بند تحریک کے نتیجے میں جامعہ مظاہر علوم کی طرف سے پچاس سے زیادہ مکاتب مختلف علاقوں میں چل رہے ہیں۔ آپ نے بہت سے حج اور متعدد عمرے کئے ہیں ہر سال رمضان المبارک کے مہینے میں اپنے والد مرحوم کی جگہ پر رہتے ہوئے خانقاہی نظام چلاتے تھے جس میں سینکڑوں لوگ آپ کے ساتھ اعتکاف کرتے اور رمضان کی عبادات میں شامل ہوتے تھے۔ ❁❁❁

مولانا محمد یوسف متالا حضرت شیخ کے محبّ اور محبوب

مولانا سید محمد شاہد الحسنی سہارنپوری (امین عام جامعہ مظاہر علوم سہارنپور)

مخدومنا شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ نے اپنے علمی اور اصلاحی وتربیتی نظام کو پورے عالم میں قائم اور متحرک رکھنے کے لئے علماء اور خواص کی جو ایک منتخب جماعت تیار کی تھی ان میں سے بہت سے حضرات دیکھتے ہی دیکھتے ہمارے درمیان سے رخصت ہو گئے۔ چنانچہ حضرت مولانا زبیر الحسن کاندھلوی، حضرت مولانا عبدالحفیظ مکی، حضرت مولانا محمد یونس شیخ الحدیث، حضرت مولانا محمد اسمٰعیل بدات مدنی، حضرت مولانا عبدالرحیم متالا اور مولانا حسان احمد گیاوی مکی، اور ابھی حال ہی میں صرف ایک ماہ قبل صاحبزادہ حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی بھی رحلت فرما کر عالم آخرت کو سدھار گئے۔

ابھی ان تمام حوادث اور آلام کی کسک اور حزن وملال کی کیفیت دل ودماغ سے کچھ کم نہیں ہوئی تھی اور افق عالم پر ان کی وفات سے پیدا ہونے والے اثرات کی سیاہی مضمحل نہیں ہو پائی تھی کہ دفعتاً حضرت مولانا محمد یوسف متالا کے حادثۂ وفات کی خبر نے دلوں کو دہلا دیا، خاص کر حضرت شیخ مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ کے وہ منتسبین اور وہ متعلقین جو حضرتؒ کے علمی، عملی، دعوتی، تبلیغی، اصلاحی اور احسانی افکار ونظریات کو مختلف جہات اور حیثیتوں سے دنیا میں پہونچانے اور عوام وخواص کو اس سے واقف کرانے کی جدوجہد اور کوشش میں مصروف ہیں اور جن میں اللہ جل شانہ کے فضل وکرم اور ان کے بے پایاں احسانات وانعامات کی وجہ سے یہ حقیر راقم سطور بھی شامل ہے۔ کیونکہ آج تک حضرت شیخؒ کی حیات مبارکہ کے مختلف پہلوؤں اور زندگی کے مختلف گوشوں پر بیس سے زائد کتابیں احقر راقم سطور کے قلم سے وجود میں آ چکیں۔ اور ایک درجن سے زاید حضرتؒ کی غیر مطبوعہ تالیفات و تصنیفات جو مخطوطہ کی شکل میں محفوظ تھیں شائع ہو چکیں ہیں۔

مولانا متالا مرحوم اپنی نوجوانی کی حالت میں جبکہ ان کی عمر ۱۹ سال کی تھی مخدومنا حضرتؒ کی خدمت میں سہارنپور پہونچے ان کی گجرات سے یہ آمد تعلیم ظاہری کے ساتھ ساتھ تعلیم باطنی کے حصول کے لئے بھی تھی۔ چنانچہ ۱۳۸۵ھ/ ۱۹۶۵ء میں وہ تعلیم ظاہری کی تحصیل کے لئے جامعہ مظاہر علوم میں داخل ہوئے اور جلالین ومشکوٰۃ شریف پڑھ کر دورۂ حدیث شریف میں بخاری شریف مکمل اپنے پیرو مرشد حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی سے پڑھی۔

اور اسی زمانہ میں تعلیم باطنی کی تکمیل کے لئے خانقاہ خلیلیہ سہارنپور میں حضرت شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت و ارادت کا رشتہ استوار کیا حضرتؒ نے بڑی شفقت ومحبت اور گہرائی وگیرائی کے ساتھ آپ کی تربیت فرمائی اور مولانا مرحوم نے بھی حضرتؒ کی توجہات قلبیہ وروحانیہ کو اپنے اندر ایسا جذب کیا کہ محبّ اور محبوب اور من تو شدم تو من شدی کا دلنواز منظر ساری دنیا نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ مولانا مرحوم کو حضرت شیخؒ سے عشق ومحبت کی جو بلند وبالا کیفیات حاصل تھیں وہ بڑی وسعت، بڑی گہرائی اور بڑی آفاقیت کے ساتھ قال سے حال بنتی اور ان کے قلب وقالب میں ڈھلتی چلی گئیں اور پھر ایک وقت وہ آیا کہ رمضان ۱۳۸۹ھ/ نومبر ۱۹۶۹ء میں آپ کو حضرتؒ نے اجازت بیعت وخلافت مرحمت فرمائی اس وقت طالب اور مطلوب دونوں مدینۃ الرسول میں مقیم تھے۔

مولانا متالا مرحوم تربیت باطنی کے سلسلہ میں سالہا سال

حضرت شیخؒ کی خدمت میں سہارنپور رہ کر ذکر وفکر میں مشغول رہے، متعدد رمضان مبارک سہارنپور میں گذارے اور سلوک و احسان کی وادیوں میں سیر اجمالی نہیں بلکہ سیر تفصیلی حاصل کرلی۔

یہ سب کو معلوم ہے کہ حضرت شیخؒ ماہ مبارک کے انتہائی نورانی اور قیمتی لمحات میں اگر ایک جانب خالق کی یاد اور دھیان میں مشغول رہتے تو دوسری طرف مخلوقِ خدا پر بھی اپنی پوری پوری نگرانی اور توجہ رکھتے۔

چنانچہ مولانا متالا مرحوم بھی چوبیس گھنٹے حضرت شیخؒ کی نگرانی اور تربیت میں رہے۔ حضرتؒ ماہ مبارک کی مختلف اوقات کی نمازوں میں آپ سے امامت بھی کراتے ۱۳۹۰ھ/نومبر ۱۹۷۰ء کے ماہ مبارک میں پورے ماہ نماز فجر کی امامت بھی اسی روحانی اور احسانی نگرانی کی ایک کڑی تھی، پھر مدینہ منورہ کے متعدد ومتفرق رمضان المبارک میں بھی آپ کی پوری پوری معیت ورفاقت رہی، اور وہیں کے قیام میں آپ کو اجازت بیعت وخلافت مرحمت فرمائی گئی۔

اور پھر آپ کی حیات مستعار میں وہ میں وہ مبارک و زریں لمحات آئے جب آپ نے اپنے شیخ ومرشد کے تعمیل ارشاد میں اپنا گھر بار چھوڑا، اپنے عزیز واقارب، دوست اور احباب یہاں تک کہ وطن مالوف کو الوداعی سلام کرکے علم نبوت، عمل نبوت اور نور نبوت کی ترویج واشاعت کے لئے اپنا بوریہ بستر باندھ کر انگلینڈ پہونچ گئے اور وہاں دارالعلوم العربیہ الاسلامیہ کے نام سے مشہور شہر مانچسٹر کے قریب بری شہر میں ایک عظیم الشان علمی، دینی اور تہذیبی وثقافتی اقدار پر مشتمل جامعہ قائم کیا چوں کہ اس جامعہ کے قیام کے پس پشت حضرت شیخؒ کی روحانیت بھرپور کام کررہی تھی اور مولانا متالا مرحوم نے اپنے خون جگر سے اس کو سینچا تھا، اس لئے بہت مختصر عرصہ میں اس کو شہرت، رفعت اور اعتماد واعتبار حاصل ہوتا چلا گیا اور خدا معلوم عرب اور یورپ وافریقہ کے کتنے ہی متلاشیانِ حق نے اپنے نونہالوں اور دل کے ٹکڑوں کو اس ادارہ میں قال اللہ وقال الرسول کی تعلیم کے لئے بھیج دیا، واقفین احوال کا کہنا ہے کہ اسپین میں مسلمانوں کی حکومت کے زوال کے بعد یورپ میں یہ پہلا ادارہ ہے جو خالص قرآن وسنت کی بنیاد پر وجود میں آیا، اور پھر رفتہ رفتہ کتنے ہی مقامات پر اس ادارہ نے اپنی شاخیں اور یہاں کے فارغین نے کتنے ہی مدارس اپنے اپنے علاقوں میں قائم کرلئے۔ چنانچہ پرتگال، کناڈا وغیرہ میں بہت سے ادارے مولانا مرحوم کے قائم کردہ نہج اور منہج پر علوم دینیہ وقرآنیہ کی اشاعت میں مصروف ہیں، جہاں ہزاروں کی تعداد میں طلباء اور طالبات اسلامی لباس مذہبی شعائر اور دینی اقدار پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہتے ہوئے اپنا علمی سفر جاری رکھے ہوئے ہیں۔

دل کی گہرائیوں سے دعا اور تمنا ہے کہ حضرت حق جل مجدہ حضرت مرحوم کی اولاد در اولاد میں ہر طرح کی خیر وبرکت اور ظاہری وباطنی نعمتیں مرحمت فرمائے اور ان کے قائم کردہ تمام اسلامی شعائر اور علمی آثار کی پوری پوری حفاظت فرمائے۔

یہ احقر اپنی اس تحریر کے ذریعہ مولانا مرحوم کے تمام صاحبزادگان مولانا محمد اور مولانا سلمان ان کے اہل خانہ اور ان کے محترم داماد مولانا جنید کو دلی تعزیت پیش کرتا ہے۔ اللہ جل شانہ ان سب کو ثبات واستقلال عطا فرمائے اور اس صدمۂ عظیم پر ان کو بے حساب اجر عطا فرمائے۔ آمین

والسلام

بندہ سید محمد شاہد غفرلہ الحسنی

امین عام جامعہ مظاہر علوم سہارنپور

نواسۂ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ

۱۲؍محرم الحرام ھ/ ۱۲؍ستمبر ۲۰۱۹ء

حضرت مولانا محمد یوسف متالاؒ
کی برطانیہ میں دینی خدمات

● مولانا زاہدالراشدی

برطانیہ میں بیس دن گزارنے کے بعد پاکستان واپس آتے ہوئے ۲۳ ستمبر کورات دس بجے جدہ ایئر پورٹ پر اترا اور بحمداللہ تعالیٰ ایک بجے شب عمرہ کی ادائیگی کے لیے مسجد حرام کے دروازے تک پہنچ گیا۔ برطانیہ میں قیام کے دوران ۲۰ ستمبر کو ویمبلے سنٹر لندن میں منعقد ہونے والی تیسری سالانہ عالمی ختم نبوت کانفرنس میں شرکت کے علاوہ دو اور تقریبات میں بھی حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔ ایک دارالعلوم ہولکمب بری کی وسیع اور خوبصورت جامع مسجد کے افتتاح کی تقریب تھی اور دوسری برمنگھم کے قریب کڈرمنسٹر کے مقام پر لڑکیوں کے لیے رہائشی دینی درسگاہ کی تعمیر کے لیے سنگِ بنیاد کی تقریب تھی۔

دارالعلوم ہولکمب بری

دارالعلوم ہولکمب مانچسٹر کے قریب بری نامی چھوٹے شہر کے ساتھ ہولکمب ہل پر چند سال قبل قائم ہونے والا ایک دینی مدرسہ ہے جو ہمارے ہاں کے معیاری دینی اداروں کی طرز کا ایک بڑا ادارہ ہے۔ اس مقام پر کچھ عرصہ قبل ٹی بی ہسپتال تھا۔ ٹی بی پر قابو پانے کے بعد اس عمارت کو فروخت کے لیے پیش کیا گیا تو شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ مجاز اور ایک متحرک و باعمل عالم دین مولانا محمد یوسف متالا نے اسے دینی مدرسہ کے لیے خرید لیا اور دارالعلوم کے نام سے درسِ نظامی کا ادارہ قائم کرنے کا اعلان کر دیا۔ برطانیہ میں درسِ نظامی کا یہ مدرسہ دہریت اور لادینیت کی اس فضا میں خوشگوار ہوا کا ایک ایسا جھونکا ثابت ہوا جس نے اہلِ نظر کے دلوں میں مسلمانوں کی نئی نسل کے بارے میں مایوسیوں کو امید سے بدل دیا۔

دارالعلوم ہولکمب بری میں درسِ نظامی کے نصاب کو چھ سال میں سمیٹ لیا گیا ہے۔ ذریعۂ تعلیم انگلش ہے، دورۂ حدیث بھی انگریزی میں ہوتا ہے۔ مولانا محمد یوسف متالا دارالعلوم کے مہتمم اور شیخ الحدیث ہیں۔ گزشتہ سال دس طلبہ نے دورۂ حدیث مکمل کر کے سندِ فراغت حاصل کی جن میں ایک نوجوان جناب محمد شعیب ڈیسائی سے ملاقات ہوئی۔ گجرات (بھارت) کے رہنے والے ہیں، اعلیٰ تعلیم کے لیے جامعہ ازہر جانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ آئندہ پروگرام کے بارے میں اس نوجوان نے یہ عزم ظاہر کیا کہ وہ قاہرہ میں عربی زبان کی معیاری تعلیم حاصل کرنے کے بعد واپس برطانیہ آ کر دینی تعلیم وتبلیغ کے سلسلہ کو وسیع کرنے کی کوشش کریں گے۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ دارالعلوم میں طلبہ کی دینی وروحانی تربیت کا بطور خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ پانچ وقت نماز کی پابندی کے ساتھ ساتھ تہجد، ذکر واذکار اور اسلامی اخلاق واقدار کی خصوصیت کے ساتھ تلقین کی جاتی ہے۔ دارالعلوم کے طلبہ لمبے کرتوں، خوبصورت ڈاڑھیوں اور سفید

پگڑیوں کے ساتھ برطانوی معاشرہ میں پہلی نظر میں دیکھنے سے یوں محسوس ہوتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اس ملک میں کوئی اور مخلوق اتاردی ہے۔

دارالعلوم کی ایک تقریب میں مجھے بھی شرکت اور خطاب کا موقع ملا۔ میں نے اپنی گفتگو کا آغاز کیا تو اچانک میرے ذہن کی اسکرین پر لارڈ میکالے کا نام بار بار ابھرنے لگا۔ میں نے اس نام کو جھٹکنے کی بہت کوشش کی مگر بالآخر اسی کا نام میری زبان پر آہی گیا اور یوں گزارش کی کہ میرا جی چاہتا ہے کہ برطانیہ کے کسی شہر کے چوک میں نصب کیا ہوا لارڈ میکالے کا مجسمہ تلاش کروں اور اس کے سامنے کھڑا ہو کر اسے مخاطب کر کے کہوں کہ میکالے! قال اللہ وقال الرسولؐ کی جن درسگاہوں کی بساط لپیٹنے کے لیے تم نے برصغیر پاک وہند و بنگلہ دیش میں ایک نئے نظامِ تعلیم کی تدوین پر اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کر دی تھیں وہ درسگاہیں آج بھی زندہ ہیں بلکہ خود تمہارے ملک میں ایک نئے فکری ومعاشرتی انقلاب کی نوید بن کر ہولکمب بری کے مقام سے تاریخ کے ایک نئے سفر کا آغاز کر چکی ہیں۔

دارالعلوم کے ساتھ مولانا محمد یوسف متالا اور ان کے رفقاء نے ایک بڑی مسجد تعمیر کی ہے جس کے بارے میں ہمیں بتایا گیا کہ لندن کی ریجنٹ پارک کی جامع مسجد سے ہولکمب بری کی اس مسجد کا ہال زیادہ بڑا ہے۔ وسعت کے علاوہ خوبصورتی کے لحاظ سے بھی یہ مسجد دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ ۱۵ ستمبر کو دارالعلوم میں جانا ہوا تو مسجد کی تعمیر کے سلسلہ میں بہت سے مراحل باقی تھے لیکن تعمیراتی کام کی تیز رفتاری نے حیران کر دیا کہ ۱۸ ستمبر کو مسجد مکمل تھی اور جمعہ کی نماز ادا کر کے مسجد کا باقاعدہ افتتاح بھی ہو گیا۔ جمعہ کا خطبہ جمعیۃ علماء ہند کے سربراہ مولانا سید اسعد مدنی نے ارشاد فرمایا اور نماز پڑھائی۔ اس تقریب میں پاکستان سے حضرت مولانا خان محمد، مولانا غلام حبیب نقشبندی، مولانا محمد ضیاء القاسمی، مولانا فداء الرحمان درخواستی، مولانا حافظ عبدالرشید ارشد، مکہ مکرمہ سے مولانا عبدالحفیظ مکی، کینیڈا سے مولانا ڈاکٹر محمد اسماعیل اور بھارت سے مولانا ارشد مدنی کے علاوہ برطانیہ سے ہزاروں کی تعداد میں مسلمانوں اور علماء نے شرکت کی۔ اجتماع اس قدر پر ہجوم تھا کہ مسجد کی تمام تر وسعت کے باوجود قریب ایک اور جگہ پر الگ نماز جمعہ کا بھی اہتمام کیا گیا تاکہ رہ جانے والے حضرات نمازِ جمعہ ادا کر سکیں۔

مدینۃ العلوم الاسلامیہ کڈرمنسٹر

۱۹ ستمبر کو برمنگھم کے قریب مدینۃ العلوم الاسلامیہ کے نام سے ایک اور دینی ادارہ کے سنگِ بنیاد کی تقریب تھی۔ یہ ادارہ بھی مولانا محمد یوسف متالا قائم کر رہے ہیں اور اس کا مقصد مسلم بچیوں کو دینی تعلیم دینے کے لیے رہائشی درسگاہ قائم کرنا ہے۔ برطانیہ میں مقیم مسلمانوں کے بچوں کی تعلیم وتربیت کا مسئلہ انتہائی نازک صورت اختیار کر چکا ہے۔ برطانوی نظامِ تعلیم میں تربیت پانے والے نوجوانوں کی دینی یا مشرقی اقدار سے وابستگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا جس سے ذی شعور مسلمان بے حد پریشان ہیں اور برطانوی معاشرہ میں سہولتوں سے پر زندگی گزارنے کا ثمرہ اپنی اولاد کی بے راہ روی اور دین سے کلیتاً دوری کی صورت میں سامنے دیکھ کر خون کے آنسو رو رہے ہیں۔ مگر بے بسی کے عالم میں ہیں کہ نہ اس پر آسائش زندگی سے دستبرداری کا تصور کر سکتے ہیں اور نہ ہی اپنی اولاد بالخصوص جوان لڑکیوں کو انگریزوں، ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ مخلوط سوسائٹیوں اور مجلسوں میں مغربی تہذیب ومعاشرت کے تقاضے پورے کرتے ہوئے دیکھ سکتے ہیں۔ اس وقت مغربی معاشرہ میں مقیم مسلمانوں کی حالت

اس کوے کی سی نظر آرہی ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے ہنس کی چال چلنے کی کوشش کی تو اپنی چال بھی بھول گیا۔ اس پس منظر میں مولانا محمد یوسف متالا نے مسلمانوں کو ان کی اپنی چال پر باقی رکھنے کی جو مہم شروع کی ہے اس نے ذی شعور مسلمانوں کی ڈھارس بندھائی ہے ورنہ بہت سے خاندان صرف اس لیے برطانیہ چھوڑ چکے ہیں کہ ان سے اپنی اولاد کی اس قدر ''آزادی'' دیکھی نہیں جاتی۔

۱۹۸۵ء میں دارالعلوم بری کی سالانہ تقریب کے موقع پر بھی مجھے حاضری کا موقع ملا تھا۔ اس وقت مولانا سید اسعد مدنی نے اپنے خطاب میں برطانیہ میں رہنے والے مسلمانوں سے دوٹوک بات کی تھی جسے اخبارات نے نمایاں طور پر شائع کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ جو مسلمان اپنی اولاد کو دین پر قائم نہیں رکھ سکتے اور اسے مغربی معاشرت میں رنگے جانے سے نہیں بچا سکتے ان کے لیے اس معاشرہ میں رہنا حرام ہے، ان کا ایک ایک لمحہ گناہ میں گزر رہا ہے۔ غالباً اسی پیغام کا اثر تھا کہ دارالعلوم ہولکمب بری کے علاوہ اب برمنگھم کے قریب کڈرمنسٹر کے مقام پر لڑکیوں کی دینی تعلیم کا ادارہ ''مدینۃ العلوم الاسلامیۃ'' کے نام سے قائم کیا گیا ہے۔ مولانا محمد یوسف متالا نے اس ادارہ کے مقاصد کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا کہ ہم مسلمان بچیوں کو اس حد تک دینی تعلیم دینا چاہتے ہیں کہ وہ گھروں میں قرآن وسنت کے ساتھ نئی نسل کی نظریاتی اور عملی وابستگی کو برقرار رکھنے میں مؤثر کردار ادا کر سکیں۔

مدینۃ العلوم الاسلامیۃ کے سنگِ بنیاد کی تقریب کے موقع پر ایک جلسۂ عام بھی ہوا جس سے مولانا سید اسعد مدنی، مولانا سید ارشد مدنی، مولانا فضل الرحمان، مولانا سید عبدالقادر آزاد، مولانا عزیز الرحمان ہزاروی اور دیگر سرکردہ علماء کے علاوہ راقم الحروف کو بھی خطاب کی سعادت حاصل ہوئی۔ دارالعلوم ہولکمب بری کے بعض طلبہ نے انگلش میں خطاب کیا۔ تقریب میں کڈرمنسٹر کی خاتون میئر اور مقامی محکمۂ تعلیم کے بعض افسران موجود تھے۔ دارالعلوم بری کے ایک نوجوان طالب علم نے ان سب کی موجودگی میں سورۂ مریم کے پہلے دو رکوع کی انگلش میں تشریح کی اور حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اسلامی عقائد وموقف کی وضاحت کی۔ بارش کے باوجود ہزاروں مسلمان جمع تھے اور ان کے چہروں سے بشاشت ٹپک رہی تھی۔ ایک بزرگ سے پوچھا کہ آپ اس قدر خوش کیوں ہیں تو جواب دیا کہ آج ہمارے اس ملک میں رہنے کا جواز پیدا ہو گیا ہے اور یہ امید بندھ گئی ہے کہ ہم اپنی نئی نسل کو نہ صرف یہ کہ مغربی معاشرت کے رنگ میں رنگے جانے سے بچا سکیں گے بلکہ مغربی معاشرت کی نئی نسل کو بھی ایک نئی اور پرکشش معاشرت کا نمونہ دکھا سکیں گے جو اپنی معاشرت کے کھوکھلے پن سے مایوس ہو کر منشیات میں سکون تلاش کر رہی ہے۔

برطانیہ میں بیس روزہ قیام کے دوران عالمی ختم نبوت کانفرنس کے علاوہ دارالعلوم ہولکمب بری کی جامع مسجد کی افتتاحی تقریب اور مدینۃ العلوم الاسلامیہ کڈرمنسٹر برمنگھم کے سنگ بنیاد کی تقریب میں شرکت اس سفر کے یادگار مراحل تھے جن سے سفر کی مقصدیت دوچند ہو گئی۔

نوٹ: ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور کے ۲۳ر اکتوبر ۱۹۸۷ء کے شمارہ ۹ سے یہ مضمون افادۂ عام کے لئے لیا گیا ہے۔

یہ مضمون کافی پرانا ضرور ہے مگر اس سے مولانا محمد یوسف متالا کی زندگی کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف متالا صاحبؒ

کے چند نایاب خطوط

مولانا محمد مسعود عزیزی ندوی

مولانا محمد یوسف متالاؒ کا نام تو بہت دنوں سے سنا ہوا تھا، البتہ ان سے دید وشنید ان کے بڑے بھائی حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب متالا (ولادت: ۲۴؍مئی ۱۹۴۴ء متوفی ۹؍دسمبر ۲۰۱۲ء) کے انتقال کے بعد ہوئی، جب حضرت مولانا عبدالرحیم کے حالات پر ماہنامہ ''نقوش اسلام'' کا جنوری/فروری ۲۰۱۳ء میں خصوصی شمارہ نکالا، اس وقت مولانا یوسف متالاؒ سے فون پر بات ہوئی اورانہوں نے راقم کے نام خط کی شکل میں ایک مضمون بھی لکھ کر بھیجا، بلکہ حضرت مولانا عبدالرحیم متالا کی وفات کی تفصیل لکھ کر بھیجی:

مکرم ومحترم مولانا مسعود عزیزی ندوی صاحب

زید مجدکم-بعد سلام مسنون!

بھائی جان کے لئے اتوار کی صبح فجر کی نماز کے فوراً بعد چائے لائی گئی، آدھا کپ نوش فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا وہیل چیئر لاؤ، اس پر بٹھایا گیا، فرمایا باہر لے چلو، چار قدم پر جب دروازہ کی دہلیز پر پہنچے، جب سامنے آسمان نظر آنے لگا، اشارے سے ٹھہرنے کو فرمایا۔

اس کے بعد آسمان کی طرف پوری گردن پیچھے کی طرف کر کے دیکھ کر اذان کی طرح نہایت بلند آواز سے فرمایا ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' پھر اسی طرح گردن اور آنکھیں آسمان میں ادھر ادھر گھوم رہی ہیں، قدرے فاصلہ پر مسجد ہے، وہاں سے طلبہ اساتذہ سلام سن کر دوڑے بھاگے، پہنچ کر سامنے جمع ہیں، مگر نگاہ آسمان کی طرف ہے، تقریباً دو منٹ یہی حال رہا، اس کے بعد گردن آہستہ آہستہ جھک گئی اور روح پرواز کرگئی، انا للہ وانا الیہ راجعون

بھائی جان یکم جمادی الثانیہ ۱۳۶۳ھ بروز بدھ اس عالم آب وگل میں پہنچے تھے، اورستر برس سات ماہ اور چوبیس دن دنیا میں گزار کر اتوار ۲۵؍محرم ۱۴۳۴ھ کو علی الصباح پانچ بجکر ۴۵؍منٹ پر واپس عالم بالا میں قدم رنجا ہوگئے۔

وصال کا حال استاذ مکرم حضرت مولانا سید محمد عاقل صاحب دام ظلہم کے پوچھنے پر فون پر میں نے عرض کیا تو فرمانے لگے یہ تو آج بالکل انوکھا واقعہ معلوم ہوا، واقعہ بھی یہی ہے کہ راقم کی کتاب ''بزرگوں کے وصال کے احوال'' میں کوئی پانچ سو کے قریب آخرت کے سفر کرنے والوں کے واقعات ہیں، جو گذشتہ ماہ حضرت مفتی محمد فاروق صاحب میرٹھی دام مجدہم کے تقاضے پر دوبارہ طبع ہوئی، جس میں ذکر اللہ کرتے، کلام اللہ پڑھتے، حدثنا اخبرنا کے ساتھ حدیث سناتے ہوئے جانے والوں کا ذکر ہے،

سجدہ میں جان دیدی، شعر پڑھتے پڑھتے یا سنتے ہوئے چلے گئے، یا چیخ ماری جان دیے دی، الگ الگ ابواب ہیں، ایک خواب میں دیکھا، پوچھا کیا گزری؟ اس میں ہے کہ شیخ محمد بن الحسین نے کھڑے ہوکر فرمایا ''وعلیکم السلام'' آیئے، پوچھا گیا آہا! یہ آپ نے کس کو دیکھ کر فرمایا، جواب دیا شیخ ابوالحسن خرقانی وعدہ کی بناپر اتنے زمانہ بعد جوانمردوں کی جماعت لیکر آئے ہیں تاکہ میں نہ ڈروں، یہ فرما کر انتقال فرما گئے، اللہ کرے بھائی جان ہمیں لینے کو آئیں۔ فقط والسلام

۱۹/ربیع الاول ۱۴۳۴ھ یوسف متالا

اس کے بعد جب نقوش اسلام کے مضامین کو مستقل کتابی شکل میں شائع کرنے کا پروگرام بنایا، تو اس پر پیش لفظ کے طور پر بھی ایک تحریر لکھی اور ایک ہزار نسخے خریدنے کا وعدہ کیا، پھر جن میں سے پانچ سو نسخے حضرت مولانا طلحہ صاحب کو دلوائے، باقی نسخے مولانا کو یوکے بھیجے، اس کے بعد ان سے تعلق میں مزید اضافہ ہوتا گیا، پھر وہ ایک عرصے کے بعد سہارنپور حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب سے ملاقات کے لئے آئے تو ان سے بالمشافہ پہلی ملاقات سہارنپور میں ہوئی، اس کے بعد ان کا تعلق ایسا بڑھا کہ وہ بعض مرتبہ دن میں کئی کئی مرتبہ فون کرتے اور سکون حاصل کرتے، میں فون پر ان کو حضرت کہہ کر مخاطب کرتا، وہ کہتے کہ نہیں دوستوں کی طرح بات کرو اور فرماتے کہ مجھے آپ سے بات کرکے سکون مل جاتا ہے، اس طرح ان کو جب بھی ذہنی طور پر کوئی پریشانی یا گھبراہٹ ہوتی تو وہ فون کرتے اور سکون حاصل کرتے اور جب

حضرت مولانا طلحہ صاحب کو کوئی پیغام دینا چاہتے، تو مجھے فون کرکے مجھ سے کہتے اور میں وہ پیغام حضرت مولانا طلحہ صاحب تک پہنچاتا، بہت سی ایسی باتیں ہیں جن میں بعض مرتبہ پیر صاحب کو بھی عجیب سالگا کہ آپ کے ذریعہ کیوں پہنچاتے ہیں، ایک مرتبہ پیر صاحب صاحب کے خطوط جو مولانا عبدالرحیم متالا کے نام تھے، ان کو مولانا یوسف متالا نے کمپوز کراکے کتابی شکل میں بناکر مجھے ۱۹/مئی ۲۰۱۳ء کو ای میل سے بھجوایا، خطوط کی یہ فائل ابھی بھی میرے ای میل پر موجود ہے اور ساتھ میں یہ خط بھی تحریر کرایا، جو حضرت کے ایک خادم مولانا ابراہیم امین (حال مقیم آکسفورڈ) نے لکھا تھا، خط مندرجہ ذیل ہے:

مولانا محمد مسعود صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج بخیر ہوں گے، منسلک فائل میں حضرت پیر صاحب کے وہ خطوط ہیں، جو انہوں نے حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب متالا کو تحریر فرمائے تھے، ہمارے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب نے حضرت پیر صاحب سے اجازت چاہی تھی کہ ہم آپ کو یہ فائل بھیج دیں، تاکہ آپ اس کو پرنٹ کرکے ان کی خدمت میں پیش فرمادیں، حضرت پیر صاحب نے اجازت مرحمت فرمادی، اس لئے ای میل کی جارہی ہے، برائے کرم اس کا پرنٹ آؤٹ حضرت پیر صاحب کی خدمت میں پہنچادیں، تاکہ حضرت پیر صاحب اسے سن لیں اور اصلاح فرماکر واپس ہمیں بھیج دیں، جزاک اللہ، انشاءاللہ فون پر بھی رابطہ کی کوشش کروں گا۔ والسلام

ابراہیم امین

اور پھر معلوم کرنا چاہا کہ پیر صاحب ان کو دیکھ لیں، اگر وہ اجازت دیں گے تو ان کو شائع کیا جائے گا، تو راقم نے وہ پیر صاحب کو جا کر دئے، اس وقت بھی پیر صاحب کو عجیب سا لگا؛ لیکن چونکہ ان کا تعلق بہت زیادہ ہو گیا تھا اور پہلے سے پیر صاحب سے اجازت لے چکے تھے، جیسا کہ خط کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے اور سچی بات یہ ہے کہ ان کو سکون وراحت ملتی تھی، اس لئے وہ خوب باتیں کرتے تھے، بلکہ بات کرنے کے بہانے تلاش کرتے تھے، اللہ تعالیٰ انکے درجات بلند فرمائے، عجیب سا ان کو تعلق اور محبت ہو گئی تھی، انہوں نے سردی کے لئے جرسی وغیرہ بھی دو تین مرتبہ بھیجی اور اپنی تمام تصنیفات بھی بھجوائیں۔

پھر انہوں نے اپنا قرآن کریم کا ترجمہ ''اضواء البیان'' بھی راقم کے ذریعے چھپوایا اور ترجمہ کے شروع میں حضرت مولانا عبدالرحیم متالا پر تفصیل سے جو مضمون ہے وہ بھی راقم سے لکھوایا، جو اضواء البیان کے تمام ایڈیشنوں میں شامل ہے، اس طرح اضواء البیان دس ہزار کی تعداد میں اردو میں شائع کراکے مدارس میں تقسیم کیا، پھر اس کا ہندی ترجمہ اور اس کے بعد گجراتی ترجمہ شائع کیا، اس سلسلہ میں ان کی طرف سے ای میل اور سی ڈی کے ذریعہ سے جو مواد ملتا رہا، اس کو شاداب بھائی ''اتحاد بک ڈپو'' دیوبند والوں کے حوالہ کیا جاتا رہا، پیسے کا لین دین شاداب بھائی سے حضرت کے آدمی مولانا اسماعیل گنگات صاحب براہ راست کرتے رہے، اس طرح اضواء البیان شاءع کر کے ہندوستان کے مختلف مدارس اور مقامات میں تقسیم کی گئی، ان کے اس تعلق اور محبت میں شاید بعض لوگوں نے رخنہ ڈالنے کی بھی کوشش کی تا کہ وہ بدظن ہو جائیں حالانکہ ان سے کبھی مادی فائدہ نہ اٹھایا گیا، نہ اٹھانے کی کوشش کی گئی، للہ اللہ فی اللہ ان سے تعلق تھا، جس کا راقم بھی اظہار کرتا تھا اور وہ خود بھی اس کو محسوس کرتے تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا بہت منجھے ہوئے ہوشیار آدمی تھے، تمام نشیب وفراز سے واقف تھے۔

فون پر راقم کی کھانسی وانسی کا ان کو احساس ہوا تو انہوں نے بتلایا کہ یہ عارضہ مجھے بھی تھا، پھر انہوں نے کتاب بتلائی کہ وہ فلاں ڈاکٹر کی لکھی ہوئی ہے، اس کے مطابق اپنے خون کا گریڈ چیک کراؤ، پھر جس گریڈ کا خون ہو، اس کتاب میں یہ بات لکھی ہوئی ہے کہ اگر اس گریڈ کا خون ہے تو یہ چیزیں کھانی ہیں یہ چیزیں نہیں کھانی ہیں، مجھے تو اس سے فائدہ ہوا، اس کے بعد انہوں نے واٹس اپ کے متعلق بتلایا، چونکہ اس وقت ہندوستان میں واٹس اپ نہیں تھا، انہوں نے ہی بتلایا کہ ایسا فون لو، جس میں واٹس اپ چلے، چنانچہ اس طرح کا فون لے لیا گیا، پھر کچھ دنوں کے بعد یہ واٹس اپ اتنا عام ہو گیا کہ ہر آدمی استعمال کرتا ہے، اس وقت یہاں شہر سہارنپور میں بڑی بڑی دکان والے بھی واقف تھے، بہر حال چونکہ مولانا کچھ چیزیں بھیجنا چاہتے تھے، اس سے سہولت ہو گئی تھی، وہ اپنے پروگرام بھی روزانہ بتلاتے تھے کہ آج ہمارے یہاں روزہ ہے، آج فلاں پروگرام ہے، آج قرآن کریم کا ختم ہے، وغیرہ وغیرہ، ایک مرتبہ راقم کے ادارے کے لئے حضرت مولانا عبدالرحیم متالا کے ایک مرید جو رقم اکھٹی

کرتے تھے، ان کوکسی نے بدظن کردیا، انہوں نے وہ رقم روک لی اور مولانا یوسف صاحب متالا سے رابطہ کر کے پوچھنا چاہا تو مولانا یوسف صاحب نے کہا کہ بلا جھجھک ان کی رقم پہنچائی جائے اور کسی بدگمانی کی ضرورت نہیں اور جب تک میں زندہ ہوں کسی تحقیق کی ضرورت نہیں، چنانچہ پھر انہوں نے وہ رقم بھیجی اور مولانا یوسف صاحب کی یہ بات بھی بتلائی۔

ایک مرتبہ راقم رمضان شریف میں چیپا ٹازامبیا میں تھا، مولانا کو معلوم ہوا، تو مولوی ایوب اگرادا کے ذریعہ سے اپنے بھائی مولانا حسن بورات جو جنوبی افریقہ کے شہر میڈل برگ میں مقیم تھے، ان سے رابطہ کرایا، ان سے تعارف کرایا، ان کو اپنی فیملی کا ممبر بتا کے تعارف کرایا، پھر جب راقم کچھ دنوں کے بعد جنوبی افریقہ کے سفر پر گیا تو ان کے بھائی حضرت مولانا حسن بورات صاحب (جو دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کے خلیفہ تھے، وہ دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد حضرت رائے پوری کی خانقاہ میں چالیس دن قیام پذیر رہے تھے، اس کے بعد حضرت رائے پوری نے خلافت سے نوازا تھا) انہوں نے پھر پورا استقبال کیا، شہر میں مختلف لوگوں سے ملاقات کرائی اور سب سے یہ کہہ کر تعارف کرایا کہ یہ ہمارے فیملی ممبر ہیں، پھر مولانا یوسف صاحب نے دربن میں اپنی بہن مریم کو فون کیا، مریم بہن نے دعوت کی، گھر پر بلایا اور وہ اس طرح خوش ہوئی، جس طرح کوئی اپنے بھائی سے مل کر خوش ہوتا ہے، اس طرح مولانا یوسف صاحب نے اسٹینگر شہر میں اپنے بھائی شبیر بھورات کو فون کردیا، ان کو بھی یہی کہہ کر تعارف کرایا کہ ہمارے فیملی ممبر ہیں، انہوں نے بھی مختلف حضرات سے ملاقات کرائی اور سب کو اپنا فیملی ممبر کہہ کر تعارف کرایا، بہرحال مولانا بہت شفیق تھے اور جس سے تعلق ہوجاتا، اس کو خوب نبھاتے تھے۔

اکتوبر ۲۰۱۷ء میں راقم یوکے کے سفر پر تھا، تو ۴/اکتوبر کو ان کے شہر بلیک برن جانا ہوا، ان کو اطلاع دی، شام کو ۵/بجے کے بعد مولانا کے گھر پہنچا، راقم کے ساتھ حافظ عبدالرحیم ملا تھے، مولانا نے چائے وغیرہ پلائی، طبیعت میں نشاط نہیں تھا، بارش ہورہی تھی، اور شاید مولانا کو سردی لگ رہی تھی، بہرحال مولانا نے ہندوستان کے کئی علماء کے لئے جرسیاں دیں (جو اگرچہ نہ پہنچ سکیں چونکہ فلائٹ میں بیگ نہ آسکا) اب کی بار جولائی ۲۰۱۹ء میں راقم یوکے گیا تو مولانا سے ملاقات نہ ہوسکی، جس کا مجھے بھی احساس رہا، مولانا کو بھی اطلاع ہوگئی تھی، اس لئے انہوں نے ابھی اپنے کناڈا کے آخری سفر میں سعیدالرحمن فیضی ندوی سے تذکرہ کیا کہ مولانا تشریف لائے تھے مگر ملاقات نہ ہوسکی، بہرحال مولانا نے یوکے میں بڑا دارالعلوم قائم کیا، جس سے وہاں بڑا فیض ہوا، ان کی حیات میں راقم نے ''تصوف اور اکابر دیوبند'' نامی اپنی کتاب میں جو مضمون لکھا تھا وہ یہاں نقل کیا جارہا ہے:

''حضرت مولانا محمد یوسف صاحب متالا نانی نرولی ضلع سورت گجرات میں یکم محرم الحرام ۱۳۶۶ھ م ۲۵/نومبر ۱۹۴۶ء بروز پیر پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم وہیں حاصل کی، پھر جامعہ حسینیہ

راندیر میں پڑھا، تعلیم کی تکمیل جامع مظاہر علوم میں ہوئی، اسی زمانے میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ سے بیعت وارادت کا تعلق قائم کیا، اور سلوک وطریقت کے منازل طے کئے، حضرت شیخ کی طرف مجاز بیعت قرار پائے اور حضرت شیخ کا بھر پور اعتماد حاصل کیا، اور پھر انگلینڈ جا کر ایک بڑا دارالعلوم قائم کیا، جہاں سے علم ظاہری وعلم باطنی کی سیرابی کا عمل بھی شروع کیا، اس وقت آپ کا ادارہ برطانیہ کے ممتاز اداروں میں شمار ہوتا ہے، آپ اس وقت شیخ برطانیہ ہی نہیں بلکہ شیخ یورپ ہیں، اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ کی صحبت وتعلق کی برکت سے آپ کو بلند ترین مقام عطا کیا، اس طرح آپ کا فیض انگلینڈ اور یورپ کے بہت سے ملکوں میں پھیل رہا ہے، ایک خلق کثیر آپ سے فیضیاب ہو رہی ہے، متعدد تصنیفات آپ کے حسنات میں شامل ہیں، اور آپ کی زندگی کا عظیم کارنامہ قرآن شریف کا عام فہم زبان میں ترجمہ ہے، جو ''اضواء البیان'' کے نام سے اردو، ہندی اور گجراتی میں شائع ہو کر مقبول ہو چکا ہے''۔

ابھی گزشتہ ماہ کناڈا کے دعوتی سفر پر تھے کہ اچانک ان کو قلب کا عارضہ ہوا، اور پھر دو ہفتے کے قریب ہوسپٹل میں داخل رہے، اور بالآخر ۱۰ رمحرم ۱۴۴۱ھ م ۱۰ رستمبر ۲۰۱۹ء کو ان کا انتقال ہو گیا اور وہیں تدفین عمل میں آئی، اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کے درجات کو بلند فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، اور ہمیں اپنے پاک لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت تھانویؒ کی محیر العقول خدمات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کی کیا عجیب شان رہی ہے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانان برصغیر پر خاص نظر رحمت فرمائی تھی کہ انہیں دیوبند جیسے علمی ادارے اور اس ادارے سے وابستہ دیگر متبرک شخصیات کے ساتھ حضرت تھانویؒ جیسی جامع الکمالات علمی وروحانی شخصیت سے فیض اٹھانے کا موقع دیا۔ ظاہری علم کی طرف جائیں تو کونسا فن ہے، جس میں آپ کا تحقیقی کام نہیں، اور علم باطن کی جانب نگاہ دوڑائیں تو اصلاح وارشاد اور تربیت وتزکیہ کی کون سی جہت ہے، جس میں حضرتؒ کی محیر العقول خدمات صدقہ جاریہ کے طور پر چہار سو پھیلی نظر نہیں آتی۔ تفسیر وحدیث ہو یا فقہ وفتاویٰ، سیرت طیبہ کا دل گداز موضوع ہو یا منطق وفلسفہ کی سنگلاخ زمین، کوئی فن ایسا نہیں جس میں آپ کے عبقری الصفت قلم نے وقیع نگارشات یادگار نہ چھوڑی ہو، ان بلند پایہ علمی کاموں کی کثرت اور تنوع کو دیکھ کر آپ کو مجدد ملت کا خطاب بھی دیا گیا، اور یہ بھی کہا گیا کہ اگر آپ کے علمی کاموں کو آپ کی زندگی کے برابر کے دنوں پر تقسیم کیا جائے تو فی دن کئی صفحات بنتے ہیں۔

اب اُنھیں ڈھونڈ چراغِ رُخِ زیبا لے کر

مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی

سب کہاں کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

برطانیہ کے نامور عالم دین شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف بن سلیمان بن قاسم متالا خلیفہ ومجاز شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنیؒ، بانی دار العلوم بری انگلینڈ کا سانحۂ ارتحال دینی وعلمی حلقوں کے لئے عظیم ملی خسارہ ہے۔ ۱۰ر محرم الحرام ۱۴۴۱ھ مطابق ۸ر ستمبر ۲۰۱۹ء بروز اتوار بعد نماز مغرب کنیڈا میں حضرت والا کے انتقال پر ملال کی اطلاع نے ذہن ودماغ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھنے کے بعد دل کی کیفیت کچھ بدلی تو ایک ایک کرکے حضرت شیخ مولانا متالا رحمۃ اللہ علیہ سے جڑی یادوں کی سنہری کڑیاں کھلتی چلی گئیں:

آئے عُشّاق، گئے وعدۂ فردا لے کر
اب اُنھیں ڈھونڈ چراغِ رُخِ زیبا لے کر

حضرت مولانا یوسف متالا سے وابستہ کئی واقعات ایسے ہیں جن کا ذکر یہاں پر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ کچھ چیزیں تو یاد ہیں کچھ چیزیں یاد نہیں رہیں، مگر جو ذہن ودماغ میں محفوظ ہیں ان کا تذکرہ انتہائی ناگزیر اس لئے ہے کہ یہ تاریخی ملاقات کہیں نسیاً منسیا بن کر نہ رہ جائے۔

بات کوئی بائیس سال پرانی ہے۔ ۱۵ر رمضان المبارک ۱۴۱۹ھ کو بندہ بہ فضل رب حرمین شریف کے سفر پر تھا اور مکۃ المکرمہ سے مدینہ منورہ پہنچا تھا۔ جب وہاں زیارت نبی پاک ﷺ کے لئے حاضر ہوا تو حسن اتفاق حضرت مولانا یوسف متالا بھی وہاں موجود تھے۔ پہلی خواہش ان سے ملاقات کی ہوئی، اس کا اظہار میں نے گرامی قدر حضرت مولانا حکیم محمد عثمان قاسمی مدنی زید مجدہٗ سے کیا تو انہوں نے میری خواہش کا احترام کرتے ہوئے مولانا یوسف متالا سے ملاقات کرائی۔ اسی موقع پر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ کے معتمد وخادم حضرت مولانا حبیب اللہ مظاہری مدنی مدظلہ العالی جو میرے ہم وطن ہیں (جن کے قلم سے حضرت شیخؒ کے پچاس ہزار سے زائد اصلاحی خطوط لکھے گئے ہیں) جناب صوفی محمد اقبالؒ خلیفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی برنی مدنیؒ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔

اس کے کئی سال کے بعد ایک بار پھر مقدر نے دیار حبیب ﷺ پر پہنچایا تو معلوم ہوا کہ حضرت مولانا عبدالحفیظ عبدالحق مکی امیر انٹرنیشنل تحفظ ختم نبوت وخلیفہ مجاز شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کا جنوبی افریقہ میں ۲۸ر ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۶ر جنوری ۲۰۱۷ء بروز پیر کو ان کا انتقال ہوا مگر انکی تدفین مدینہ منورہ میں ہوئی۔

یہ اطلاع ملی تو جنازہ میں شریک ہوا۔ اس کے بعد ایک

تعزیتی نشست منعقد ہوئی جس میں شرکت ہمارے لئے باعث سعادت تھی اس لئے میں بھی اپنے مخلص دوست حکیم صاحب کے ساتھ مولانا عبدالوحید مکیؒ مدینہ منورہ جن کی رہائش گاہ پر جہاں یہ تعزیتی مجلس ہو رہی تھی وہاں پہنچ گیا۔اس مجلس میں حضرت مولانا محمد یوسف متالاؒ نے حضرت مولانا عبدالحفیظ عبدالحق مکیؒ کے لئے جو تعزیتی جملے فرمائے وہ آج بھی دل دماغ میں محفوظ ہیں۔اللہ پاک ہم سب کو ان جیسا بنادے۔

اس وقت مدینہ منورہ میں موجودگی کی ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کی عظیم الشان مسجد ''جامع الامام محمد قاسم النانوتوی'' کے افتتاح کے لئے اور ۲۸/سالہ جشن تعلیمی کے موقع پر منعقدہ سہ روزہ بین الاقوامی کانفرنس اور القاسم اسلامک یونیورسٹی کے سنگ بنیاد کے لئے امام مسجد نبوی شریف سماحۃ الشیخ الدکتور صلاح بن محمد البدیر حفظہ اللہ اور سماحۃ الشیخ الدکتور حامد بن احمد بن اکرم البخاری المدنی حفظہ اللہ کو مدعو کرنا تھا۔

چلتے چلتے ایک اور اہم پروگرام کا ذکر کردوں۔سرزمین گجرات کے علم دوست عالم دین حضرت مولانا مفتی احمد دیولوی زید مجدہٗ کے ادارہ ''جامعہ علوم القرآن جمبوسر'' میں مورخہ ۱۲/۱۳/ربیع الثانی ۱۴۳۲ھ مطابق ۱۸/۱۹/مارچ ۲۰۱۱ء بروز جمعہ،سنیچر منعقدہ عالمی رابطہ ادب اسلامی کے سیمینار بعنوان 'علامہ محمد بن طاہر پٹنی و دیگر علماء گجرات'' میں حضرت مولانا یوسف متالا ضعف و بیماری کے سبب تشریف نہیں لاسکے تھے مگر اس موقع پر انہوں نے جو پیغام ارسال فرمایا اس کا صرف ایک قیمتی اقتباس یہاں پیش کررہا ہوں۔ان چند سطور میں ملت اسلامیہ کے لئے عظیم پیغام ہے۔حضرت نے فرمایا کہ:

''ماضی بعید کے مجھ بے ادب کے ان کارناموں کو دیکھ کر انہوں نے سوچا کہ اس کو مؤدب بنانے کے لئے یہ ایک اچھا موقع ہے کہ ادبی مجلسوں میں اس کو بلایا جائے،مگر شاید انہیں یہ اندازہ نہیں کہ اس قطب وقت کی سفر وحضر کی طویل صحبت اور سہارنپور،فیصل آباد اور افریقہ اور حرمین کی طویل مجاورت کے بھی نیک نتائج حسب تمنا و آرزو دیکھنے میں نہیں آئے۔بلکہ اس قطب دوراں برکۃ الزماں کے بعد بھی ہر سال کے ماہ مبارک کے اعتکاف اور غیر رمضان کے طلبۂ دورۂ حدیث کے اعتکاف اور چلہ کشی کی مصاحبت بھی بے ادب کے زنگ آلود قلب کے لئے صیقل کا کام نہ دے سکی۔اگرچہ ہمارے یہاں مایوسی کفر ہے۔ ایسے مخلص باادب بنانے کے لئے کوشاں رہے۔میری تمنا ضرور ان کا ساتھ دے گی:

ان کے آتے ہی میں نے دل کا قصہ چھیڑ دیا
الفت کے آداب مجھے آتے آتے آئیں گے

جو شخص بنیادی ادب انسانی سے اس حد تک ناآشنا ہو اسے علمی ادبی مجالس،ادب،شعراء،علماء اور آداب صوفیاء سے آشنائی کب ہوسکتی ہے؟ بالخصوص جب کہ وہ غباوت کا اس درجہ تک مریض ہو کہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب ہجاء کے ذریعہ بھی گل رعنا ایک نام طویل مشقت کے بعد سمجھا پائے ہوں۔''

(گجرات کی علمی وادبی شخصیات صفحہ: 1075 تا 1076)

ایسی مشفق و مربی،خلیق و برگزیدہ علمی شخصیت کا داغ مفارقت دے جانا کم بڑا سانحہ نہیں ہے۔وہ بھی حضرت شیخ

الحدیث جیسی مرنجاں مرنج صفات کی حامل شخصیت جن کی زندگی کا ہر لمحہ، درس وتدریس، علم وتحقیق، تصنیف وتالیف، دینی علوم وفنون کی نشر واشاعت اور دعوت وتبلیغ میں بسر ہوا ہو، جن کی وسیع نظر و فکر اور جہد مسلسل سے دیار غیر میں علوم اسلامیہ کی کرنیں پھوٹیں اور ایسی منور ہوئیں کہ پورا برطانیہ ہی نہیں بلکہ یورپ، کنیڈا اور امریکہ وغیرہ آج بھی اس کی روح افزا روشنی میں ڈوبا ہوا ہے۔

برطانیہ کے سفر کے دوران سب سے پہلے میری یہی کوشش ہوتی کہ کسی طرح حضرت والا سے شرف نیاز حاصل ہوجائے۔ اللہ کا شکر ہے کہ وہ کوئی نہ کوئی سبیل ضرور نکال دیتا اور حضرت والا سے ملاقات ہوجاتی۔ ہر ملاقات پر چہرے پر حسین مسکراہٹ ہوتی، ہندوستان کے حالات اور مختلف موضوعات پر تبادلۂ خیال فرماتے۔

جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول بہار کی مطبوعات پیش کرتا تو دلی خوشی کا اظہار فرماتے اور اپنی دعاؤں سے نوازتے۔ برطانیہ میں جب بھی ضرورت محسوس ہوئی اپنی شفقت نچھاور کرتے ہوئے جامعۃ القاسم کے لیے اصحاب خیر کی توجہ مبذول فرمائی۔ آپ کا یہ وہ احسان عظیم ہے جس کا خوب خوب بدلہ اللہ تعالیٰ ہی دینے والا ہے۔ بندہ تو بس یہی کہہ سکتا ہے کہ:

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

حضرت مولانا محمد یوسف بن سلیمان متالا ہندوستان کی مشہور دینی درسگاہ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور سے فارغ التحصیل تھے، آپ کا اصلاً تعلق نانی نرولی گجرات سے تھا، 25 /نومبر 1946 کو پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کے بعد آپ 1961 میں جامعہ حسینیہ راندیر سورت گجرات تشریف لے گئے وہاں درجہ عربی میں متوسطات کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد 23 /فروری 1966 کو جامعہ مظاہر علوم سہارنپور پہنچے اور آپ کا داخلہ موقوف علیہ میں ہوا۔ جہاں آپ نے ممتاز اساتذہ سے درس نظامی کی تکمیل فرمائی۔ آپ کے معروف اساتذہ میں حضرت مولانا محمد یونس جونپوریؒ (مشکوٰۃ شریف، سنن ابوداؤد، مؤطا امام مالک) حضرت مولانا محمد عاقل سہارنپوری (جلالین شریف) حضرت مفتی محمد یحییٰ سہارنپوریؒ (ہدایہ) حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ (صحیح مسلم، ترمذی شریف) حضرت مولانا اسعد اللہ رامپوریؒ (شرح معانی الآثار) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ (مشکوٰۃ شریف ثانی، بخاری شریف) شامل ہیں۔

تعلیم سے فراغت کے بعد مولانا یوسف متالا نے برطانیہ کو اپنا مسکن بنالیا اور اپنے شیخ ومرشد حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے حکم پر برطانیہ میں متعدد دینی ادارے قائم کئے جن میں دارالعلوم بری ہولی کیمپ لنکاشائر، مدینۃ العلوم الاسلامیہ کیڈر منسٹر، جامعۃ الامام محمد زکریا بریڈفورڈ، مدرسہ مصباح العلوم بریڈفورڈ، مرکز العلوم بلیک برن، مدرسۃ الامام محمد زکریا بولٹن، مدرسۃ الامام محمد زکریا پرسٹن، ازہرا کیڈمی لندن، المرکز العلمی ڈیوز بری، مسجد زکریا بولٹن وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ ان اداروں نے وہاں کی مغرب زدہ تہذیب میں اسلام کی نشر واشاعت میں بھرپور کردار ادا کیا۔ تصنیف وتالیف کی دنیا میں بھی حضرت والا کے عظیم کارنامے ہیں جن میں ترجمہ قرآن کریم کے علاوہ مختلف موضوعات پر انکی درجنوں کتابیں موجود ہیں جن سے رہتی دنیا تک تشنگان علوم فیض یاب ہوتے رہیں گے۔

حضرت مولانا مرحوم انگلستان میں علماء سلف کی یادگار

تھے۔ وہ علم وتقویٰ کے اعلیٰ معیار پر فائز تھے۔ تواضع وانکساری اور فنائیت کی خوبیاں بھی بدرجۂ اتم موجود تھیں۔ مولانا مرحوم نے اپنے شیخ کے حکم پر سب سے پہلے برطانیہ کے لنکا شائر میں ۱۹۷۳ء میں دارالعلوم العربیہ الاسلامیہ بری کے نام سے ایک دینی ادارہ قائم کیا علاوہ ازیں موجودہ وقت میں وہ برطانیہ کے درجنوں اداروں کے سرپرست اور بانی تھے۔ برطانیہ میں انگلش بولنے والے تقریباً ۷۵ رفیصد علمائے کرام ان کے ادارے کے فارغ التحصیل ہیں۔ اسی طرح پوری دنیا میں ان کے ہزاروں شاگرد موجود ہیں جو اپنی سطح پر دینی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ حضرت شیخ کے فیض سے برطانیہ ہی نہیں بلکہ یہ کہا جائے کہ برصغیر بھی یکساں منور تھا۔ بلاشبہ ان کی زریں علمی ودینی خدمات سے دنیا ہمیشہ فیض یاب ہوتی رہے گی۔ یہ وہ نقوش ہیں جنہیں کوئی مٹا نہیں سکتا بلکہ آنے والی نسلیں ان پر چل کر اپنی منزل تک بہ آسانی پہنچ سکتی ہیں۔ جیسے ہی حضرت اقدس مولانا محمد یوسف متالا صاحب رحمہ اللہ کے انتقال پر ملال کی غمناک خبر موصول ہوئی جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول بہار انڈیا میں ایصال و ثواب کی مجلس منعقد کی گئی جس میں اساتذۂ کرام اور طلبۂ عظام نے شریک ہوکر بارگاہ حق جل مجدہٗ میں حضرت مولانا کی مغفرت اور بلندیٔ درجات کی دعا کی اور سبھی پسماندگان بالخصوص صاحبزادہ مولانا محمد محمد یوسف متالا، داماد مولانا جنید دیسائی اور صاحبزادی زینب یوسف متالا سے تعزیت مسنونہ پیش کی گئی۔

آخر میں ہم دارالعلوم کے اساتذہ وذمہ داران، طلبہ، خلفاء ومریدین ومتوسلین سے تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہوئے دعا کرتے ہیں کہ رب کریم حضرت مولانا محمد یوسف متالا کے درجات کو بلند فرمائے، ان کی خدمات جلیلہ کو شرف قبولیت سے نوازے اور اپنے جوار رحمت میں جگہ دے، دارالعلوم بری اور ان اداروں کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائے جن کی سرپرستی آپ فرماتے رہے ہیں۔ رنج وغم کی اس گھڑی میں خالق کائنات سبھی پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔ بقول شاعر مشرق علامہ اقبالؒ:

زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر
خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی تیرا سفر
مثلِ ایوانِ سحر مرقد فرُوزاں ہو ترا
نُور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا
آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نَورُستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

والسلام

محتاج دعا

بندہ ڈاکٹر مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی

بانی ومہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ

جانشین خلیفہ ومجاز: سرمایہ ملت کے نگہبان خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی جانشین حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہما اللہ مہتمم دارالعلوم دیوبند

13 محرم الحرام 1441ھ مطابق 10 ستمبر 2019ء

مخدوم ومکرم گرامی قدر مولانا محمد محمد یوسف متالا، مولانا جنید دیسائی، زینب یوسف متالا وارباب حل وعقد دارالعلوم بری ہولی کیمپ لنکا شائر انگلینڈ

جو بادہ کش تھے پرانے اٹھتے جاتے ہیں

مفتی عبدالرحیم دیوان لاجپوری انگلینڈ

عجب قیامت کا حادثہ ہے، کہ اشک ہے آستیں نہیں ہے
زمین کی رونق چلی گئی ہے، اُفق پہ مہر مبین نہیں ہے
تری جدائی سے مرنے والے، وہ کون ہے جو حزیں نہیں ہے
مگر تری مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

یہ اشعار علامہ شورش کاشمیریؒ نے امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد علیہ الرحمہ کے سانحہ وفات پر کہے تھے، مگر آج ہم برطانیہ کے ممتاز و بزرگ عالم دین حضرت مولانا یوسف متالا جن کا ۸ رستمبر ۲۰۱۹ء بروز اتوار کنیڈا میں انتقال ہوگیا کے وصال پر یہی اشعار کہنے پر مجبور ہیں۔ اِنا للہ و اِنا اِلیہ راجعون۔

مولانا یوسف متالا ایسی خوبیوں سے متصف تھے کہ جن کے شجر سایہ دار تلے پہنچ کر ہر کس و ناکس راحت وسکون پا سکتا تھا۔ ہر جانے والا اپنے پیچھے ایسا مہیب خلا چھوڑ کر جا رہا ہے کہ اس کے پُر ہونے کی کوئی امید نظر نہیں آتی۔ حضرت مولانا یوسف متالاؒ کی وفات سے ریڈیو سیرہ ایک عظیم مشفق و مربی سے محروم ہوگیا، ریڈیو سیرہ کے تئیں حضرت کی جو توجہ اور عنایتیں تھیں انہیں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ جب ریڈیو سیرہ کا سفر شروع ہوا تو حضرت مولانا یوسف متالا باضابطہ عصر سے لے کر ایک گھنٹے کے مابین بیان فرماتے تھے۔ جسے برطانیہ کے لوگ بڑے اہتمام سے سماعت کرتے تھے، بلاشبہ ریڈیو سیرہ کی مقبولیت اور شہرت میں حضرت کے علمی تعاون اور دعاؤں کا بڑا دخل ہے۔ آج ریڈیو سیرہ دراصل آپ جیسے بزرگوں اور علماء اکابر کی توجہ کے طفیل ہی اس مقام تک پہنچا ہے۔ ریڈیو سیرہ کے لئے حضرت کا انتقال ذاتی نقصان ہے۔ ریڈیو سیرہ کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی تھی کہ آپ کی تشریف آوری سے ریڈیو سیرہ کی محفل منور رہے، مگر حضرت کی بے انتہا مصروفیت و مشغولیت کی وجہ سے ایسا ممکن نہیں تھا۔ جب ریڈیو سیرہ مستقل ہوگیا اور اس کے پروگرام تسلسل سے نشر کئے جانے لگے تو ان دنوں حضرت مولانا یوسف متالا ختم بخاری شریف کی ایک تقریب میں شرکت کے لئے مسجد علی لسٹر تشریف لائے اس وقت ہماری خوشی کا ٹھکانہ نہیں رہا، پوری امید تھی کہ آج ایک بار پھر حضرت کی آمد سے ریڈیو سیرہ کی محفل سجے گی اور پوری دنیا میں حضرت کا بیان نشر کیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں حضرت کے مرید عبدالخالق بھائی پٹیل نے بھی پوری کوشش کی مگر قدرت کو شاید یہ منظور نہیں تھا۔ حضرت اپنے متعینہ پروگرام کے تحت برمنگھم تشریف لے گئے اور ریڈیو سیرہ پر نہیں آسکے۔ تاہم ریڈیو سیرہ اور مسجد فاطمۃ الزہراؓ کو آپ اپنی دعاؤں میں ہمیشہ شامل رکھتے تھے۔ یہ ہمارے لئے فخر وسعادت کی بات ہے۔

حضرت شیخ کے انتقال پر ملال کی خبر ملی تو ریڈیو سیرہ کی

طرف سے مسجد فاطمۃ الزہراؓ میں ختم سورۂ یٰسین شریف کے بعد ایک تعزیتی نشست کا اہتمام کیا گیا جس میں حافظ ابراہیم صاحب، عبدالخالق بھائی پٹیل اور مولانا ابراہیم کاراوغیرہ نے حضرت مولانا یوسف متالا کی حیات و خدمات پر مختصراً روشنی ڈالی۔ آخر میں دعاء مغفرت کے ساتھ مجلس اختتام پذیر ہوئی۔

حضرت مولانا نہایت متقی، پرہیزگار، خوش اخلاق عالم دین اور نیک سیرت و نیک طینت انسان تھے، آپ کی وفات سے برطانیہ ہی نہیں پورا برصغیر بجا طور پر ایک انتہائی ممتاز عالم باعمل سے محروم ہو گیا ہے۔ مولانا یوسف متالا دارالعلوم بری انگلینڈ کے بانی و شیخ الحدیث تھے۔ آپ مظاہر علوم سہارنپور کے ممتاز فضلا میں سے تھے اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کے خلیفہ و مجاز تھے۔ حضرت مولانا شیخ محمد یونس جونپوری اور حضرت مولانا مفتی مظفر حسین جیسی عبقری شخصیات سے آپ کو شرف تلمذ حاصل تھا۔ تفاسیر و احادیث کی مختلف کتابیں ان سے پڑھیں۔ مولانا یوسف متالا کے دارالعلوم کو یورپ میں ''دیوبند ثانی'' کی حیثیت سے شہرت حاصل ہے۔ یہاں سے تعلیم حاصل کرنے والے آج پوری دنیا میں دین اسلام کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج پوری دنیا میں مولانا مرحوم کی طویل ترین دینی و تعلیمی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا جا رہا ہے اور ان کی بیش بہا خدمات کو مدتوں یاد رکھا جائے گا۔ آپ حدیث پاک ''ایک عالم کی موت پورے عالم کی موت ہے'' کے مصداق تھے۔

آخر میں دعا کرتے ہیں اللہ پاک ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ ان کے جلائے ہوئے علمی چراغ کو رہتی دنیا تک کے لئے منور و روشن رکھے، اس کی حفاظت فرمائے اور ہم لوگوں کو ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آبِ بقائے دوام لے ساقی

والسلام

بندہ عبدالرحیم دیوان لاجپوری

امام و خطیب مسجد فاطمۃ الزہراؓ

چیرمین ریڈیو سیرہ، لسٹر، انگلینڈ

۱۱؍محرم الحرام ۱۴۴۱ھ مطابق ۱۱؍ستمبر ۲۰۱۹ء

بخدمت گرامی قدر مولانا محمد بن مولانا محمد یوسف متالا، مولانا جنید دیسائی صاحبان دارالعلوم بری، انگلینڈ

رہبر تلاش کر

سجدوں سے تیرے کیا ہوا صدیاں گزر گئیں
دنیا تیری بدل دے وہ سجدہ تلاش کر
ایمان تیرا لٹ گیا رہزن کے ہاتھ سے
ایمان تیرا بچا لے وہ رہبر تلاش کر
کرے سوار اُونٹ پہ اپنے غلام کو
پیدل ہی خود چلے وہ آقا تلاش کر

علامہ اقبالؒ

تعزیت نامے

جان کر من جملۂ خاصان مے خانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

(۱)

مخدوم ومکرم گرامی قدر مربی ومرشدی ومولائی مدبر اسلام مرشد الامہ حضرت اقدس مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت الطافکم العالیہ

ناظم اعلیٰ ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو!

الحمد للہ بندہ بھی بفضل رب اور آپ کی دعاؤں سے اچھا ہے۔

گزشتہ چند سالوں میں ہندوستان علم وفن کے ایسے آفتاب وماہتاب سے محروم ہوا ہے جن کی تلافی ناممکن ہے۔ان ایام میں ایک کے بعد ایک جید علماء کرام ہمیں داغ مفارقت دے گئے۔ابھی ایک صدمہ سے نکل نہیں پاتے ہیں کہ دوسرا سانحہ رونما ہوکر دل ودماغ کو چھلنی چھلنی کر دیتا ہے۔عالم اسلام کے معروف عالم دین ،دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے معتمد تعلیم مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے علمی جانشین، اردو وعربی کے بے مثال ادیب اور کامیاب انشاء پرداز، احیاء اسلام اور اشاعت دین کے لئے زندگی کے لئے آخری سانس تک اپنی تقریر وتحریر سے جدوجہد میں مصروف حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ بھی علماء کرام کی اسی کڑی کا اہم حصہ تھے جن کے جانے سے پوری ملت اسلامیہ سوگوار ہے۔

16 جنوری 2019ء کی صبح عالم ربانی حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی مہتمم ندوۃ العلماء کے ایک رقعہ کے ذریعہ جیسے ہی یہ جانکاہ خبر ملی کہ حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے دار آخرت کی طرف کوچ فرمایا تو ایسا محسوس ہوا کہ پاؤں کے نیچے سے زمین کھسک گئی۔إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

آپ کی نسبت ایک ایسے علمی گھرانے سے ہے جن کی قربانیاں اور علمی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔حضرت مولانا واضح رشید حسنی کی علمی، دینی، دعوتی، اصلاحی، صحافتی اور تدریسی خدمات کا دائرہ کئی دہائیوں پر محیط ہے۔بلاشبہ آپ کا سانحۂ ارتحال ملت اسلامیہ ہندیہ کیلئے عظیم علمی خسارہ ہے۔علم وحکمت، دانش وآگہی اور ادب وصحافت میں آپ کی خدمات کو بھلایا نہیں جاسکتا۔آپ نے زندگی کی آخری سانس تک اپنے اجداد واسلاف سے حاصل ہوئی اس علمی وراثت کو طالبان علوم نبوت میں بانٹتے ہوئے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور خالق حقیقی سے جاملے۔ ع

موت سے کس کو رستگاری ہے

ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہوگا، ہر زندہ کو موت ضرور آئے گی چاہے جلد آئے یا دیر سے، موت سے نجات ممکن نہیں، لیکن ایسی زندگی اور ایسی موت، جس پر فخر کیا جاسکے، ہر شخص کے حصے میں نہیں آتی مگر حضرت کی موت پر آج پورا عالم سوگوار ہے۔ آپ نے شہرت ونا موری سے ہمیشہ دور رہتے ہوئے بڑی خدمات انجام دیں۔ آج پوری دنیا میں پھیلے ہوئے آپ کے ہزاروں شاگرد وفیض یافتگان اس علمی وراثت کو تقسیم کررہے ہیں۔

حضرت کے صاحبزادہ مولانا جعفر حسن ندوی صاحب و دیگر پسماندگان سے تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہوئے دعا گو ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت مولاناؒ کی خدمات جلیلہ کو شرف قبولیت سے نوازے اور اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے، نیز دارالعلوم ندوۃ العلماء کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائے۔ یہ ایک عظیم سانحہ ہے اور اس خلا کو پر نہیں کیا جاسکتا۔ خدائے پاک صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

حضرت مولانا کے سانحۂ ارتحال کی اطلاع ملتے ہی جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول بہار میں تعلیمی سرگرمیاں روک دی گئیں اور ایصال ثواب کے لئے دعائیہ مجلس کا اہتمام کیا گیا جس میں اساتذہ اور طلبہ نے قرآن پاک کی تلاوت اور آپ کے بلند درجات کے لئے دعائیں کیں۔ مولانا حمید الدین مظاہری، مفتی نبی حسن مظاہری، مولانا فیاض قاسمی، مولانا صغیر مفتاحی، مولانا عقیل قاسمی، قاری شمشیر عالم جامعی نے اظہار خیال کیا۔ تمام اساتذہ وطلبہ موجود تھے۔ مفتی محمد انصار قاسمی کی دعا پر ایصال ثواب وتعزیتی نشست کا اختتام ہوا۔

جو بادہ کش تھے پرانے، وہ اُٹھتے جاتے ہیں

والسلام

محتاج دعا

آپ کا خیر اندیش

بندہ مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی

بانی ومہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ

خلیفہ ومجاز: خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی جانشین حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہما اللہ

مہتمم دارالعلوم دیوبند

10/جمادی الاول 1440 ہجری مطابق 17/جنوری 2019ء

(۲)

مخدوم ومکرم گرامی قدر حضرت اقدس مولانا سید محمد شاہد الحسنی سہارن پوری دامت الطافکم العالیہ

امین عام جامعہ مظاہر علوم سہارن پور، یوپی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو۔ الحمدللہ بندہ بھی اللہ رب العزت کے فضل وکرم اور حضرت والا کی دعاؤں سے اچھا ہے:

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

یہ ہم سب کے لیے حزن وملال کی بات ہے کہ ہندوستان میں رشد وہدایت کی ایک کڑی اور ہم سب کے پیرومرشد حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کاندھلوی (ولادت: ۲/جمادی الاولی ۱۳۶۰ھ مطابق ۲۸/مئی ۱۹۴۱ء یوم دوشنبہ، وفات ۱۰/ذی الحجہ ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۲/اگست ۲۰۱۹ء بروز

پیر) رب حقیقی سے جاملے۔ان کے انتقال کی خبر موصول ہوکر شدید صدمہ کا باعث ہوئی، بندہ عاجز چاہ کر بھی نماز جنازہ میں شرکت نہ کرسکا۔حضرت شیخ مولانا محمد طلحہ صاحب کے انتقال نے جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے جملہ منتسبین اور خانوادہ داعی الی اللہ حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ کے عقیدت مندوں کو مغموم و مضمحل کردیا۔اللہ سے دعا گوہوں کہ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، ان کی قبر کو نور سے بھردے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے، آمین یارب العٰلمین۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

بلاشبہ اس دور قحط الرجال میں دین ودعوت اور سنت پر عمل پیرا ہونے کی تلقین کرنے والی شخصیات کم ہیں، ایسے میں پیر طریقت حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کے انتقال کی خبر نے پورے عالم پر بجلی گرادی۔حضرت مولانا مرحوم اس سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی تھے جس میں امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، صاحب بذل المجہود حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارن پوریؒ، حضرت مولانا مفتی یحییٰ کاندھلویؒ والد ماجد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ جیسی نابغہ روزگار شخصیات نگینہ کی طرح چمک رہی تھیں۔یہ وہ شخصیات تھیں جوعلوم اسلامی کا بحر ذخار تھیں تو سلوک و تصوف اور رشد و ہدایت کی دنیا بھی ان سے آباد تھی اور اسی نقرئی سلسلے کے عظیم بزرگ شیخ طریقت پیر جی مولانا محمد طلحہ کاندھلوی بھی تھے۔اب وہ ہمارے درمیان نہیں رہے مگر ان کے کردار کی ہر ہر ادا ہمیشہ یاد رہے گی۔

حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو میں نے اس وقت دیکھا تھا جب آج سے تقریباً ۳۷/برس قبل جامعہ مظاہر علوم سہارنپور میں طالب علم کی حیثیت سے داخل ہوا تھا۔دوران طالب علمی بھی ان کی مجلس میں بار بار بیٹھنے کا اتفاق ہوا اور ہر بار کچھ نہ کچھ نصیحتیں لے کر اٹھا۔ایسی شخصیت آج ڈھونڈنے سے نہیں ملتی جس کی مجلس میں جانے کے لیے خود کو تیار کرنا ہوتا ہو۔ان کے سامنے جب جانا ہوا متعدد قسم کے سوالات کا سامنا ہوا۔کبھی وضع قطع پر سرزنش کرتے، کبھی ذکر وفکر کی باتیں تو کبھی علماء کی صحبت اور احترام کی تلقین۔دورۂ طالب علمی کے بعد جب زمانہ نے مجھے بھی بے حد مشغول اور مصروف کردیا تو اس کے باوجود بھی جب بھی سہارنپور کا رخ کرتا تو پیرومرشد مولانا محمد طلحہ صاحب کی خدمت میں ضرور حاضری دیتا۔اپنی اور جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول بہار کی سرگرمیاں بتاتا تو وہ خوب دعائیں دیتے۔کچھ لوگوں کو ان کی نصیحتیں گراں بھی گزرتیں مگر وہ اس سلسلے میں رعایت کے ہرگز قائل نہ تھے، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ وہ تمام علماء اور مسلمانوں کو سنت کا پابند دیکھنا چاہتے تھے اور یہ بھی چاہتے تھے کہ کم ازکم علماء اور دین کے کاموں سے وابستہ افراد پوری طرح سنت کے پابند ہوں، اسلام کے پیروکار نظر آئیں اور ان کے ہر قدم سے دعوت وتبلیغ کی روشنی پھیلتی ہوئی نظر آئے۔بلاشبہ حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلویؒ امت کے ایک بلند پایہ مصلح اور تزکیہ کے عظیم داعی تھے، ان کے انتقال سے ایک جہان ان کی بصیرت، احسان و سلوک سے محروم ہوگیا۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی وفات سے مادر علمی جامعہ مظاہر علوم سہارنپور کے تمام منتسبین، مرکز دعوت وتبلیغ بستی حضرت نظام الدین دہلی کے تمام افراد کار اور علماء وصلحا کو شدید رنج وغم ہوا ہے، راقم بھی غمزدہ خانوادے کا خود کو ایک فرد تصور کرتا ہے اور تمام بزرگان ملت کی

خدمت میں تعزیت کا اظہار کرتا ہے۔ اللہ سے دعا ہے کہ مرحوم کی مغفرت کرے، ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کی نصیحتوں، پیغامات اور نقش قدم پر چلنے کی پوری امت کو توفیق عطا فرمائے۔

بالخصوص حضرت الاستاذ مولانا محمد سلمان مظاہری ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارن پور، حضرت الاستاذ شیخ الحدیث مولانا سید محمد عاقل جامعہ مظاہر علوم امین عام جامعہ مظاہر علوم اور شیخ زکریا کے علوم و معارف کے ترجمان جامعہ مظاہر علوم کے روح رواں حضرت مولانا سید محمد شاہد الحسنی سہارن پوری کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہوں کہ وہ اس خاندان کے علمی و فکری ترجمان ہیں اور اس خاندان کے اہم ترین بزرگ ہیں۔ ان کے علاوہ تمام وابستگان اور رشتہ داروں کی خدمت میں بھی اظہار تعزیت کرتا ہوں۔ حضرت مولانا مرحوم کے انتقال پر ملال کی جیسے ہی اطلاع ملی جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول بہار میں دعائیہ مجلس کا اہتمام کیا گیا، جس میں جامعہ کے اساتذہ، طلبہ اور ذمہ داروں نے شریک ہوکر مولانا مرحوم کے لئے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کی:

رفتہ رفتہ بجھتا جاتا ہے چراغِ آرزو
پہلے دل خاموش تھا اب زندگی خاموش ہے

محتاج دعا

بندہ مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی

بانی و مہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ، سپول، بہار

جانشیں خلیفہ و مجاز: سرمایۂ ملت کے نگہبان خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی جانشیں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہما اللہ

مہتمم دارالعلوم دیوبند

۲۴ر ذی الحجہ ۱۴۴۰ء مطابق ۲۶ر اگست ۲۰۱۹ء

(۳)

مخدوم و مکرم، گرامی قدر بقیۃ السلف عارف باللہ حضرت مولانا مفتی ثمین اشرف قاسمی دامت برکاتہم

خلیفہ و مجاز شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حکیم محمد اختر قدس سرہٗ و خلیفہ و مجاز حضرت پیر فقیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ العالی

امام و خطیب مسجد الحبتور، دبئی متحدہ عرب امارات۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو۔ الحمد للہ بندہ بھی بفضل رب اور آپ کی دعاؤں سے اچھا ہے۔

کل اچانک وہاٹس ایپ پر یہ اندوہناک خبر ملی کہ ہم سب کی آنکھوں کا نور، جواں سال عالم و فاضل عزیز گرامی مولانا محمد غزالی ندوی 14 جون 2019 بروز جمعہ صبح نو بجے زندگی کی چالیس بہاریں دیکھنے کے بعد جوار رحمت میں پہنچ گئے۔ **انا للہ وانا الیہ راجعون**

مولانا مرحوم ہمارے عزیز دوست مخلص اور ملت کے بہترین سرمایہ تھے۔ علمی، تدریسی اور سماجی میدان میں انہوں نے زندگی کے مختصر عرصے میں قابل قدر اور نمایاں خدمات انجام دی تھیں۔ مولانا مرحوم سے راقم الحروف کی پہلی ملاقات تقریباً دس سال قبل آں جناب کی ہمراہی میں دبئی کے شہر خوانیج کی مسجد شیخ سلطان میں ہوئی تھی۔ دوسری ملاقات ایک سال قبل 18 فروری 2018 کو عزیزی میاں صہیب اشرف سلمہ اللہ کے الامداد چیری ٹیبل ٹرسٹ کے زیر اہتمام مادھو پور، سیتامڑھی میں منعقدہ اجلاس میں ہوئی تھی۔ اس موقع پر سماحۃ الشیخ الدکتور حامد

بن احمد بن اکرم البخاری المدنی شیخ حرم مدنی شریف مدینہ منورہ مہمان خصوصی کے طور پر تشریف لائے تھے۔ ہر ملاقات میں مجھے محسوس ہوا تھا کہ آنجناب کی دینی وعلمی مہمات کے قافلہ میں بلند نظر وفکر کا ایک عظیم فرد شامل ہے اور ان سے امت کو بڑی امیدیں تھیں مگر کون جانتا تھا کہ ان کے علم وفکر اور جہود ات سے ہم جلد ہی محروم ہو جائیں گے۔

مذکورہ پروگرام کو کامیاب بنانے اور اس کی ترتیب میں مولانا محمد غزالی مرحوم کی صلاحیت کو قریب سے دیکھنے کا بھی موقع ملا۔ مولانا امام بخاری ریسرچ اکیڈمی میں جوائنٹ ڈائریکٹر اور مدرستہ العلوم الاسلامیہ علی گڑھ میں بطور نائب ناظم ان کی بیش بہا خدمات سے بھی میں باخبر تھا۔

یقینی طور پر یہ خبر میرے لئے سوہان روح اور ذاتی حادثہ سے کم نہ تھی۔ مجھے یقین نہیں آیا، بے چینی کے اسی شش وپنج کے دوران موبائل کی گھنٹی بجی۔ فون اٹھاتے ہی مولانا حسان جامی قاسمی کی آواز سنائی دی جو دبئی میں مقیم ہیں۔ انہوں نے اپنی بھرائی ہوئی آواز میں اس خبر کی تصدیق کی کہ مولانا غزالی اب اس دنیا میں نہیں رہے۔

یہ اندوہناک حادثہ میرے لیے نہایت غمناک ہے اور ذاتی نوعیت کا ہے، ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ میں نے کسی اپنے کو کھو دیا ہے۔ راقم الحروف نے اپنے تمام بزرگوں، عزیزوں اور مدارس ومکاتب کے ذمہ داروں سے دعائے مغفرت اور بلندی درجات کے لیے دعا کی درخواست کی ہے اور اخبارات میں تعزیتی بیان کے ذریعے بھی لوگوں سے اپیل کی ہے اللہ مرحوم کو بلند مقام عطا کرے اور ان کے جملہ پسماندگان کو صبر وسکون عطا کرے۔

رنج والم کی اس گھڑی میں آنجناب کی دلی کیفیت کو ہم محسوس کر سکتے ہیں مگر اللہ کے فیصلے کو کون ٹال سکتا ہے۔ **کل نفس ذائقة الموت** مصیبت کی اس گھڑی میں ہم دعا کرتے ہیں کہ آپ کو، مولانا مرحوم کی شریک حیات عطیہ خاتون، صاحبزادے عمر، انس سعد، بیٹی حفصہ صبر وسکون عطا کرے اور گلشن 'ابراہیم' کے دیگر تمام متعلقین کے غم میں ہم برابر کے شریک ہیں۔ جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ میں طلبہ واساتذہ نے قرآن کریم کی تلاوت کر کے ایصال ثواب کا بھی اہتمام کیا ہے۔ مجموعی طور پر ہم تمام خدام جامعہ اس غم میں برابر کے شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کے حسنات کو قبول کرے، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

محتاج دعا

مخلص

بندہ مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی

بانی ومہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول بہار

جانشین وخلیفہ ومجاز سرمایۂ ملت کے نگہبان خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی

جانشین حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہما اللہ مہتمم دارالعلوم دیوبند

21 شوال المکرم 1440ھ بمطابق 16 جون 2019ء

(۴)

عظیم باپ کے عظیم بیٹے "ابن امیر شریعت" سید عطاء

المومن شاہ بخاریؒ: مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی

رفتہ رفتہ اٹھ رہی ہیں ہستیاں بے نظیر
دل کا شاد بڑھتا جا رہا ہے پیہم اضطراب

مجلس احرار اسلام کے سالار اور امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری علیہ الرحمہ کے سچے جانشین حضرت مولانا سید عطاء المومن شاہ بخاری کا انتقال دینی حلقوں کے لئے عظیم سانحہ ہے انہوں نے پوری زندگی اسلام کی ترویج و اشاعت اور اسلامی روایات و اقدار کے تحفظ کے جذبہ کے ساتھ علماء کے اتحاد کے لئے پرخلوص کوششیں کرتے ہوئے گزاری۔ وہ عظیم باپ کے عظیم بیٹے تھے۔ آپ کے والد گرامی حضرت امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے اللہ تعالیٰ نے قادیانیت کے شجرۂ خبیثہ کو بیخ بن سے اکھاڑنے کے لیے جس نادرۂ روزگار خطابت سے نوازا تھا وہ انہی کا حق اور طرۂ امتیاز تھا۔ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خواص پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔ آج دینی، ملی اداروں کے عہدوں کے حصول کے لئے طرح طرح کی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں۔ لیکن حضرت کو امیر شریعت بنائے جانے کا بھی ایک عجیب واقعہ ہے۔ ''انجمن خدام الدین کے ۱۹۳۰ء کے لاہور اجلاس میں حضرت شاہ صاحب تقریر کر رہے تھے۔ اس اجلاس میں اسٹیج پر مفتی کفایت اللہ علیہ الرحمہ، مولانا حسین احمد مدنیؒ، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ، مولانا احمد سعید دہلویؒ اور مولانا ظفر علی خانؒ موجود تھے۔ مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی بڑی زوردار تقریر ہو رہی تھی۔ درمیان میں مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانویؒ کھڑے ہو گئے اور لوگوں سے کہا: تم آج تقریر سن رہے ہو اور رو رہے ہو، تمہارے رونے کا کوئی بھروسہ نہیں۔ آج جو تم کہہ رہے ہو اگر یہ حق اور سچ ہے تو کسی شخص کے ہاتھوں پر بیعت کرو اور اپنا امام بنا دو اور ابھی بنا دو۔ تا کہ سب اس کے پیچھے چلیں اور دین کے لیے کام کریں۔ سب لوگ کھڑے ہو گئے اور ساتھ مولانا حبیب الرحمٰنؒ کھڑے ہو گئے اور مولانا ظفر علی خانؒ نے تقریر شروع کر دی اور کہا کہ اس مقصد کے لیے سب سے پہلے سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں اور خوب زوردار تقریر کی۔ اس پر مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے کہا کہ میں اس کا اہل نہیں ہوں۔ مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ یہاں تشریف فرما ہیں۔ وہ اس کے اہل ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر بیعت کرنا چاہئے۔ اب مولانا انور شاہ بھی کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے اپنی تقریر شروع کر دی۔ عجیب منظر تھا حضرت شاہ صاحب نے تقریر میں فرمایا: میں ایک بوڑھا اور ضعیف ہوں اور میں اہل نہیں ہوں۔ میں اس مقصد کے لیے سید عطاء اللہ شاہؒ کو امیر بناتا ہوں اور میں خود ان کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں۔ اب مولانا انور شاہ کشمیریؒ نے مولانا سید عطاء اللہ بخاریؒ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیے۔ اس وقت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے میں اس کا اہل نہیں ہوں خدا کے لیے مجھے معاف کر دو۔ (شاہ بخاریؒ) رو رہے ہیں (علامہ کشمیریؒ) ہاتھ پکڑے ہوئے ہیں۔ اسٹیج پر ایک عجیب منظر تھا۔ خیر ہوتے ہوتے علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی توجہات غالب آ گئیں۔ اور مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو (امیر شریعت) بنا دیا گیا۔ تو سب سے پہلے بیعت ظفر علی خان نے کی۔ دوسری بیعت مولانا عبد العزیز گوجرانوالہؒ نے کی اور تیسری بیعت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ نے کی۔ سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ امیر شریعت بنا دیے گئے۔ ان میں اللہ تعالیٰ نے نئی روح پیدا کر دی۔ مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی توجہات تھیں۔ آپ نے شاہ جی کو ہدایت

فرمائی۔اس وقت کا سب سے بڑا فتنہ قادیانیت ہے اس کے خلاف کام کرو۔ پھر شاہ جیؒ نے جو کام سرانجام دیا۔علامہ کشمیریؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے بیسوں کتابیں لکھیں جب کہ عطاء اللہ شاہ بخاری ایک تقریر کرتا ہے اور قادیانیت کو مٹی میں ملا دیتا ہے۔علامہ کشمیریؒ بہت خوش ہوتے تھے اور بہت دعائیں دیتے تھے''۔بحوالہ: (سید عطاءاللہ شاہ بخاری، سوانح وافکار)

امیر شریعت بننے کے بعد حضرت کے ہاتھوں محدث عصر علامہ محمد انور شاہ کشمیری محدث دارالعلوم دیوبند نے بیعت فرمائی تھی۔حضرت مولانا عطاءاللہ شاہ بخاری مجاہد آزادی تھے۔ 7491 سے پہلے ہندوستان کو انگریزوں کے پنجہ سے نجات دلانے کیلئے جس جماعت نے دن کا آرام اور راتوں کی نیند حرام کی تھی اس کا نام ''مجلس احرار اسلام ہند'' تھا۔حضرت عطاءاللہ شاہ بخاریؒ اس کے بانیین میں سے تھے۔اس لحاظ سے یہ کہا جائے کہ حضرت مولانا سید عطاء المومن شاہ بخاری کا خاندان ملت اسلامیہ کا محسن ہے بطور خاص برصغیر ملت اسلامیہ پر ان کے خاندان کا احسان ہے تو کوئی مبالغہ نہیں ہوگا۔ بہار کو یہ شرف حاصل ہے کہ خطیب العصر، سالار احرار، امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاءاللہ شاہ بخاریؒ کی پیدائش ۱۴؍ربیع الاول ۱۳۰۸ھ مطابق ۲۳؍ستمبر ۱۸۹۱ء بروز جمعہ پٹنہ (بہار) میں ہوئی۔دادھیال کی طرف سے آپ کا نام عطاءاللہ شاہ بخاری اور ننھیال کی طرف سے شرف الدین رکھا گیا۔بچپن میں والدہ کے انتقال کے سبب ننھیال میں ہی آپ کی پرورش ہوئی۔سلطان عبدالحمید ترک کی بیٹی کے اتالیق قاری سید عمر عاصم عربؒ جو کسی وجہ سے پٹنہ، بہار آئے تھے اور مسجد خواجہ عنبر میں قرآن کا درس دینے لگے انہی سے آپ نے قرآن پاک کی تصحیح کی۔آپ جب قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تو سننے والے مسحور ہو جاتے۔

حضرت مولانا عطاء المومن شاہ بخاریؒ آپ کے صاحبزادے اور سچے جانشین بھی تھے، مولانا کی شخصیت آفاقی تھی۔وہ بلند پایہ عالم دین محقق اور تمام مکاتب فکر کے اتحاد کے داعی تھے انہوں نے کئی تحریکات میں حصہ لیا جن میں ۱۹۷۴ء کی تحریک ختم نبوت ۱۹۸۴ء، ۱۹۷۷ء کی تحریکیں نظام مصطفی سمیت بہت سی دینی وسیاسی تحریک میں بھرپور کردار ادا کیا۔ ۳۷ واسطوں سے آپ کا سلسلہ نسب سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔عطاء المومن بخاری ۱۵؍اپریل ۱۹۴۱ء کو پیدا ہوئے اور ۷۲؍سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہو گیا۔ ۲۳؍اپریل ۲۰۱۸ء کو ہزاروں نم آنکھوں نے انہیں سپرد خاک کیا۔اللہ تعالی ان کے درجات کو بلند فرمائے۔ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔آمین

بندہ مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی

بانی ومہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ، مدھوبنی، سپول (بہار)

خلیفہ ومجاز متکلم اسلام حضرت اقدس مولانا محمد سالم قاسمی قدس سرہ

جانشین شیخ العرب والعجم حکیم الاسلام حضرت اقدس مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ مہتمم دارالعلوم دیوبند

سجادہ نشین خانقاہ امدادیہ اشرفیہ سپول بہار

۷؍شعبان المعظم ۱۴۳۹ھ مطابق ۲۴؍اپریل ۲۰۱۸ء

(۵)

مخدوم ومکرم گرامی قدر حضرت مولانا ناظم قاسمی معتمد جامعہ مدینہ سبل پور پٹنہ دامت الطافکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج گرامی بعافیت ہو!

الحمدللہ بندہ بھی بفضل رب اور آپ کی دعاؤں سے اچھا ہے۔

معروف عالم دین، جمعیۃ علماء بہار کے صدر، خلیفہ فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ، صدر رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ اور سابق امام عیدین گاندھی میدان پٹنہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے انتقال پر مولانا مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے اپنے شدید رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ ایک عظیم علمی خسارہ اور امت کا ناقابل تلافی نقصان ہے۔

مولانا مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے اپنے تعزیتی بیان میں کہا کہ گزشتہ دو ماہ کے دوران امت کے کئی عظیم علماء ہم سے یکے بعد دیگرے رخصت ہو گئے ہیں۔ حضرت مولانا اسرار الحق قاسمیؒ، حضرت مولانا حسیب الرحمن قاسمیؒ، حضرت مولانا زبیر احمد قاسمیؒ، حضرت مولانا سید واضح رشید حسنی ندویؒ اور اب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بھاگلپوریؒ رخصت ہو گئے۔

مولانا مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے بتایا کہ مولانا محمد قاسم صاحب ہمہ جہت خوبیوں کے حامل، متقی، پرہیزگار، قائد اور بے شمار صفات کے حامل تھے۔ تقریباً نصف صدی تک علم دین کے فروغ، مدارس اسلامیہ کے قیام، ملی تحریک، سماجی اصلاحات سمیت متعدد شعبوں میں انہوں نے کام کیا۔ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ کے پرنسپل رہنے کے دوران انہوں نے اس ادارے کو ترقی کے بام عروج پر پہنچایا۔ پٹنہ کی سرزمین پر ایک بڑا ادارہ انہوں نے قائم کیا۔ جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے انہوں نے ملت اسلامیہ اور مسلمانوں کی فلاح وبہبود کیلئے ناقابل فراموش کارنامہ انجام دیا۔

مولانا محمد قاسم صاحب کے بے شمار شاگرد موجود ہیں ان کے علمی، فلاحی، سماجی اور رفاہی کاموں کی پوری سرزمین بہار گواہ ہے۔ اپنی خدمات اور نیک اوصاف کی بنیاد پر وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

مولانا کی وفات کی خبر ملتے ہی بعد نماز فجر جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول بہار میں ایک تعزیتی نشست اور ایصال ثواب کی مجلس کا اہتمام کیا گیا جس میں جامعہ کے طلبہ واساتذہ اور دیگر حضرات نے شرکت کی اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی بلندیٔ درجات اور مغفرت کیلئے دعاء کا اہتمام کیا گیا۔

والسلام

محتاج دعا

آپ کا خیر اندیش

بندہ مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی

بانی ومہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ

خلیفہ ومجاز: خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی جانشین حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہما اللہ

مہتمم دارالعلوم دیوبند

10/جمادی الآخر 1440ھ مطابق 16/فروری 2019ء

(٦)

گرامی منزلت جناب مولانا سید محمد شاہد صاحب سہارن پوری زید لطفہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا، حادثہ جانکاہ کی خبر سے طبیعت پر بڑا اثر پڑا، حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ کی جو شفقتیں اور عنایتیں خاکسار اور اس کے خاندان کو حاصل رہیں اسکو حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے قائم اور جاری رکھا تھا، میری والدہ مرحومہ حضرت شیخ الحدیث صاحب قدس سرہ

سے بیعت تھی اور مکاتبت بھی رکھتی تھیں، میرے بھائی صاحب کا بھی ایک طرح سے فدائیت کا تعلق تھا، اور میرے ماموں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت شیخ کے مشورے اور دعا سے اپنے دینی ملی دعوتی کاموں کو انجام دیتے تھے، حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کو ان سب باتوں کی بڑی قدر تھی، اور وہ اس بات کا اہتمام فرماتے تھے کہ جو کام حضرت شیخ نے ندوہ کے توسط سے کرائے خاص طور پر عربی کتابوں کی طباعت وغیرہ مولانا محمد طلحہ صاحب نے بھی یہی چاہا، اور فضائل کی کتابوں میں جو ترجمہ اور طباعت سے رہ گئیں تھیں یہ ندوہ کے اساتذہ وکارکنوں کے سپرد کیا، اور مجھ ناچیز سے بہ اصرار مقدمہ لکھوایا، جب ان کی خدمت میں حاضری ہوتی تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہتی، آپ حضرات پر اس حادثہ کا جو اثر ہوگا وہ فطری بات ہے، مجھے فوراً حاضر ہونا چاہیئے تھا مگر صحت کی کمزوری کے باعث خود حاضر نہیں ہو پا رہا ہوں، ہمارے قریبی افراد خاندان مولوی بلال، مولوی محمود، مولوی معاذ، مولوی رشید احمد سلمہ اور مولوی عمیر حاضر ہو رہے ہیں، جو میرے احساسات کی ترجمانی کریں گے، میں آپ حضرات کیلئے دعا کرتا ہوں اور خود بھی اس کا بہت محتاج ہوں۔

والسلام

مخلص

محمد رابع حسنی ندوی

از دائرہ حضرت شاہ علم اللہ تکیہ کلاں رائے بریلی

۱۵ رذی الحجہ ۱۴۴۰ھ

(۷)

محترم المقام حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب

زید مجدہ السامی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے آج صبح دفعتاً حضرت مولانا سید محمد واضح رشیدؒ کے حادثہ انتقال کی خبر معلوم ہو کر بے حد رنج وقلق ہوا، اس حادثہ سے جناب والا یقیناً سخت مغموم ومصدوم ہو نگے، اللہ جل شانہ جناب والا کو ہمت اور قوت عطا فرمائے اور مولانا مرحوم کی بیش از بیش مغفرت فرما کر اخروی درجات اور مقامات عطا فرمائے، اطلاع ملنے پر جامعہ مظاہر علوم اور مدرسۃ الشیخ محمد زکریا لتحفیظ القرآن الکریم میں ایصال ثواب اور قرآن خوانی کا انتظام کیا گیا، اللہ جل شانہ حضرت مرحوم کے حق میں اسکو قبول فرمائے، آمین۔

حادثہ وصال کی خبر پر مولانا مرحوم کے بہت سے دور ذہن اور حافظہ میں آتے چلے گئے، خاص طور پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی حیات میں مولانا مرحوم کی دہلی کی ملازمت اور مولانا علی میاں کا حضرت شیخ مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی سے مشورہ کرنا اور پھر حضرت شیخ کا جواباً بڑی قوت کیساتھ یہ کہنا کہ علی میاں واضح کو ندوہ میں بلا کر رکھو، اس پر علی میاں کا کچھ زبان دراز لوگوں کی طرف سے طعن وتشنیع کا اظہار اور اس پر حضرت شیخ کا برملا یہ جواب دینا کہ علی میاں کام کے آدمیوں کو لوگوں کی گالیوں کی وجہ سے نہیں چھوڑنا چاہیئے۔

یہ سارے واقعات اس احقر کے حافظے میں تازہ ہوتے چلے گئے۔

اور واقعہ بھی یہی ہے کہ حضرت مرحوم نے ندوۃ العلماء میں پہونچ کر جو فکری، تحریری، اور ادبی خدمات انجام دیں وہ

ہمیشہ ان کی یاد کو باقی رکھنے والی ہے۔

ہم جیسے لوگ بہت کثرت کیساتھ اخبارات ومجلّات میں ان کے تہذیب ثقافت، معلومات اور سنجیدگی سے بھرپور مضامین اور مقالات پڑھ کر ان کی دوربینی اور دوراندیشی کی داد دیا کرتے تھے، خاص طور پر ممالک عربیہ سے متعلق ان کے تبصرے اور اندیشے اور بلاخوف لومۃ لائم حق بات کہنے اور لکھنے سے بہت متأثر ہوتے تھے، جناب والا کیلئے تو یہ حادثہ مختلف اعتبار سے اپنے اندر بڑی اہمیت رکھتا ہے، اللہ جل شانہ حضرت والا کو اس سانحہ پر بے حد صبر اور تحمل عطا فرمائے اور خاندان، نیز ندوۃ العلماء کے چہار دیواری میں پیدا ہونے والی اس کمی کو اپنے فضل وکرم سے پورا فرمائے، اصولی اعتبار سے اس حادثہ پر بندہ کو خود تعزیت کیلئے حاضر ہونا ضروری تھا مگر گذشتہ تین ماہ سے پاؤں کی تکلیف کی وجہ سے معالج نے بہت ہی زیادہ چلنے پھرنے اور سفر کرنے کی احتیاط بتلا رہے ہیں۔

اس لئے منجانب مدرسہ مولانا اسعد حقانی، مولانا محمد ثانی ابن مولانا سید محمد عاقل صاحب اور عزیز مولوی مفتی صالح کو وفد کی شکل میں بطور تعزیت حضرت والا کی خدمت میں بھیج رہا ہوں، امید ہے کہ دعوات صالحہ میں فراموش نہیں فرمائیں گے۔

بندہ محمد شاہد غفرلہ

امین عام جامعہ مظاہر علوم سہارن پور

۹ر جمادی الاول ۱۴۴۰ھ

ہو یہ یقین کہ اللہ دیکھ رہا ہے!!!

مٹ جائے گناہوں کا تصور ہی جہاں سے اقبال
اگر ہو جائے ''یقین'' کہ اللہ دیکھ رہا ہے

دل پاک نہیں تو پاک ہو نہیں سکتا انسان
ورنہ ابلیس کو بھی آتے وضو کے فرائض بہت

سر جھکانے سے نمازیں ادا نہیں ہوتیں
دل جھکانا پڑتا ہے عبادت کے لئے

اقبال نے توڑ دی تسبیح اس لیے
کیا گن کے نام لوں اس خدا کا جو بے حساب دیتا ہے

کوئی عبادت کی چاہ میں رویا
کوئی عبادت کی راہ میں رویا

عجیب ہے یہ نماز محبت کا سلسلہ اقبال
کوئی قضا کر کے رویا، کوئی ادا کر کے رویا

علامہ اقبالؒ

سفرنامہ: دیوبند و سہارنپور

گور گریباں میں...

ڈاکٹر مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی

جنہیں ہم دیکھ کر جیتے تھے ناصر
وہ لوگ آنکھوں سے اوجھل ہو گئے ہیں

مخدوم ومکرم گرامی قدر شیخ طریقت عارف باللہ حضرت اقدس مولانا محمد طلحہ کاندھلوی قدس سرہ اکلوتے گوشہ جگر محدث عصر شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی قدس سرہٗ ہمارے بزرگ، مشفق اور مربی تھے، ان کی وفات ملت اسلامیہ کے لئے سوہان روح ہے اور ہمارے لئے بڑا خسارہ اور ذاتی حادثہ جیسا تھا لیکن بندہ سفر میں ہونے کی وجہ سے ان کے جنازہ میں شریک نہیں ہوسکا۔ چنانچہ سفر سے لوٹتے ہی سب سے پہلے سہارنپور جانے کا فیصلہ کیا۔ ۲۵؍ذی الحجہ ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۷؍اگست ۲۰۱۹ء بروز منگل بعد نماز فجر دہلی سے سہارنپور کے لئے روانہ ہوئے۔ اس سفر میں ہمارے ساتھ نامور صحافی اور مصنف جناب ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب قاسمی سینئر سب ایڈیٹر روزنامہ انقلاب دہلی (جنرل سکریٹری خدمت خلق ٹرسٹ انڈیا)، مولانا محمد یوسف انور قاسمی معتمد جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول بہار، محترم جناب شاہ جہاں شاد صاحب جنرل سکریٹری سیمانچل ڈیولپمنٹ فرنٹ بہار اور مفتی شمس تبریز قاسمی ایڈیٹر ملت ٹائمز دہلی بھی شریک کارواں رہے۔ صبح کا وقت تھا، ساری مخلوق خدا بیدار ہوچکی تھی، دہلی کی شدید گرمی کے باوجود اس وقت سرد ہوائیں چل رہی تھیں، جو دل و دماغ کو شاداں وفرحاں کر رہی تھی۔ دہلی سے روانہ ہونے کے بعد ہماری پہلی منزل دیوبند تھی اس لئے وہاں کچھ دیر رک کر مزار قاسمی گئے اور فاتحہ پڑھا۔ یہ مزار گنج شہیدان اکابر علماء، اساتذہ، طلبہ کی آرام گاہ ہے، یہاں علماء دیوبند کے مشہور ومعروف علماء، بزرگ اور اکابرین کے ساتھ ہمارے شیخ سرمایۂ ملت کے نگہبان خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی، متکلم اسلام حضرت مولانا محمد اسلم رمزی قاسمی اور ان کے والد گرامی حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند، حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند، شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہوی، امام معقولات والمنقولات علامہ محمد ابراہیم بلیاوی، حضرت مولانا شریف الحسن شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند، معمار ملت حضرت مولانا وحید الزماں کیرانوی معاون مہتمم دارالعلوم دیوبند، فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند، حامی سنت حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن مہتمم دارالعلوم دیوبند رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین سمیت درجنوں اکابرین اور اساتذہ وطلبہ کے علاوہ خواص دیوبند کی قبریں ہیں:

جنہیں اب گردش افلاک پیدا کر نہیں سکتی
کچھ ایسی ہستیاں بھی دفن ہیں گورِ غریباں میں

حضرات اکابر اور اپنے شیخ اور اساتذہ کی قبروں پر فاتحہ پڑھنے کے بعد ہم وہاں سے نکلے۔ اس دوران راستے میں کچھ دوستوں سے ملاقات ہوئی۔ علیک سلیک کے بعد ہمارا مختصر قافلہ سہارنپور کے لئے روانہ ہوا۔ صبح کے تقریباً ساڑھے دس بجے ہم اپنی مادر علمی جامعہ مظاہر علوم سہارنپور پہنچ گئے۔ یہاں کا منظر بڑا پر کیف اور روحانی تھا، علماء کرام اور اساتذہ اپنے امور میں مصروف تھے۔ درس گاہوں سے قرآن وحدیث پاک کی صدا ہمارے کانوں میں رس گھول رہی تھی، یہ ہماری مادر علمی ہے، یہیں سے ہم نے لکھنا پڑھنا سیکھا ہے، آج جو کچھ بھی میرے پاس ہے سب اسی جامعہ کی مرہون منت ہے۔ یہاں مخدوم مکرم حضرت مولانا سید محمد شاہد سہارنپوری الحسنی امین عام جامعہ مظاہر علوم نے پر تپاک استقبال کیا، خبر خیریت پوچھی، بندہ نے حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب کے سانحہ ارتحال پر تعزیت کا خط پیش کیا تو انہوں نے کلمات تشکر کے ساتھ ڈھیر ساری دعائیں دیں اور ہم تمام افراد کی مہمان خانہ میں پہلے چائے سے ضیافت کی پھر دوپہر کا کھانا ساتھ میں تناول فرمایا۔ اس دوران مختلف امور پر حضرت والا کے ساتھ بات چیت ہوئی۔ ظہر کی نماز کے بعد ہم جامعہ مظاہر علوم کے قبرستان حاجی شاہ کمال پہنچے جہاں دسیوں اکابر، علماء اور ہمارے شیوخ واساتذہ لیٹے ہوئے ہیں۔ سب سے پہلے ہم شیخ طریقت حضرت پیر جی محمد طلحہ کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کی زیارت کی اور فاتحہ پڑھا۔ اس دوران میری آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے، ذہن ودماغ میں ان کی محبت، عنایت اور گزرے لمحات گردش کرنے لگے۔ بہت مشکل سے خود پر قابو پانے کی کوشش کی۔ وہیں پر ہمارے ایک اور استاذ آرام فرما ہیں پندرہویں صدی کے امیر المؤمنین فی الحدیث شیخ محمد یونس جونپوری طاب اللہ ثراہ جو سال گزشتہ اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ اسی جگہ شیخ الاسلام حضرت مولانا عبداللطیف پُرقاضوی ناظم جامعہ، مفتیٔ اعظم ہند حضرت مفتی سعید احمد اجڑاروی، مناظر اسلام حضرت مولانا اسعد اللہ رام پوری ناظم جامعہ، فقیہ الاسلام حضرت اقدس مفتی مظفر حسین ناظم جامعہ، شیخ الادب حضرت مولانا محمد اللہ سہارنپوری ناظم جامعہ رحمہم اللہ تعالیٰ اور دیگر اکابرین آرام فرما ہیں۔ باری باری سارے اکابرین پر فاتحہ پڑھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اللہ تعالیٰ تمام اکابرین کے درجات کو بلند فرمائے۔

قبرستان سے واپسی پر برادر گرامی مولانا یاسر شاہد الحسنی زید مجدہ کی دعوت پر مدرسۃ الشیخ زکریا تحفیظ القرآن الکریم کا رخ کیا۔ یہ ادارہ الحمد للہ مسلسل ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ یہاں کا تعلیمی وتربیتی ماحول شاندار اور قابل تقلید ہے۔ ہر طرح کی خوبیوں اور خوبصورتی سے ادارہ معمور ہے۔ یہاں سے کچھ دیر توقف کے بعد نکلے تو حضرت الاستاذ گرامی قدر مولانا محمد سلمان صاحب مظاہری مدظلہ العالی ناظم جامعہ مظاہر علوم سہارنپور سے ملاقات ہوئی، آپ کے ساتھ کافی دیر تک گفت وشنید ہوئی۔ حضرت میرے مشفق اور مربی استاذوں میں سے ایک اہم استاذ

ہیں۔ ہمیشہ اپنی دعاؤں اور نیک خواہشات میں یاد رکھتے ہیں۔ حضرت نے چائے کا اہتمام کیا۔رات میں رکنے کی خواہش ظاہر کی اور عشائیہ ساتھ کرنے کی دعوت بھی دی لیکن وقت کی قلت مانع تھی اس لئے حضرت سے معذرت کرتے ہوئے ہم دہلی کیلئے روانہ ہوگئے۔ واپسی میں ہمیں میرٹھ میں رکنا پڑا۔ یہاں ہمارے متعدد دوست اور احباب رہتے ہیں بالخصوص استاذ گرامی حضرت مولانا نسیم احمد مظاہری شیخ الحدیث جامعہ نور الاسلام میرٹھ اور استاذ محترم حضرت مولانا عبدالستار احراض مدظلہما سے ملاقات ہوئی۔ سفر کے ساتھیوں اور مذکورہ دونوں شخصیات کے ساتھ حاجی سعید ہوٹل شاہ پیر گیٹ میرٹھ میں مشہور حلیم بریانی کا لطف لیا اور پھر وہاں سے دہلی کیلئے روانہ ہوئے۔

یہ سفر پر لطف، خوشگوار اور یادگار رہا۔ صبح پانچ بجے طبیعت میں بشاشت نہیں تھی لیکن پھر بھی میں نکل گیا اور جاتے جاتے الحمد للہ طبیعت ہشاش بشاش ہوگئی۔ بہت ساری یادوں کو سمیٹے اپنے تمام ساتھیوں کے ہمراہ بخیر وعافیت اپنی منزل دہلی رات کے ایک بجے لوٹ آئے۔ والحمد للہ علی ذالک۔

سب کہاں کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

۲۸/ذی الحجہ ۱۴۴۰ھ مطابق ۳۰/اگست ۲۰۱۹ء

ہندوستان کی آزادی میں علماء کی قربانیاں

دلّی کے چاندنی چوک سے پشاور تک درختوں پر علماء کی گردنیں، جسم لٹکے ہوئے ملتے تھے۔ روزانہ 80 علماء پھانسی پر لٹکائے جاتے تھے۔ میں دلّی کے ایک خیمے میں بیٹھا تھا، مجھے گوشت کے جلنے کی بو آئی، میں نے خیمے کے پیچھے جاکر دیکھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آگ کے انگاروں پر تیس چالیس علماء کو ننگا کر کے ڈالا جا رہا ہے تیل دوسرے 40 لائے گئے انہیں ننگا کیا گیا۔ ایک انگریز نے کہا... اگر تم انقلاب 1857 میں شرکت سے انکار کردو تو تمہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ ٹامسن قسم کھا کر کہتا ہے:

"سارے علماء جل کر مرتے گئے مگر کسی ایک نے بھی انگریز کے سامنے گردن نہیں جھکائی"

1857 کی کہانی انگریز ٹامسن کی زبانی

ماخوذ ماہنامہ دارالعلوم دیوبند شمارہ 1 جلد 97

سفرنامہ: گجرات

یہاں کی خاک سے انساں بنائے جاتے ہیں

ڈاکٹر مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی

الحمدللہ رب العالمین، والعاقبة للمتقین، ولا عدوان إلا علی الظالمین، والصلاة والسلام علی المبعوث رحمة للعالمین، محمد بن عبداللہ الصادق الأمین، وعلی آلہ وصحبہ أجمعین، وعلی التابعین لھم بإحسان إلی یوم الدین۔ أما بعد:

اسلام میں علم، علما اور مدارس کی اہمیت وفضیلت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ پیغمبر اسلام محمد رسول اللہ ﷺ پر جو سب سے پہلی وحی نازل فرمائی گئی اس سے بھی علم کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے: ''اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ، خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ، الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ، عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ''(سورۃ العلق)

(پڑھ اور جان کہ تیرا رب کریم ہے، جس نے علم سکھایا قلم کے ذریعے، سکھلایا آدمی کو جو وہ نہ جانتا تھا)

معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنا تعارف ''انما بعثت معلما'' (مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے) (سنن دارمی ۳۵۳) سے کرایا۔ حدیث پاک میں ہر مسلمان پر حصول علم کو فرض قرار دیا گیا ہے۔ ''طلب العلم فریضة علی کل مسلم'' (علم کا سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے)

علم ہی وہ شے ہے جو تفوق، برتری اور امتیاز کا ذریعہ ہے، مذہب اسلام میں علم دین کی بڑی اہمیت اور اس کے حصول کی بہت تاکید آئی ہے، قوموں اور ملکوں کی تعمیر وترقی کا سبب بھی تعلیم ہی ہے جو قومیں تعلیم سے وابستہ ہوتی ہیں وہ ترقی یافتہ ہوتی ہیں۔ لہٰذا اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ قوم وملت کا کوئی فرد علم حاصل کرنے سے محروم نہ رہ جائے۔ عہد جدید میں تو اس کی ضرورت اور بڑھ جاتی کیونکہ آئے دن اسلام مخالف ایک نیا فتنہ رونما ہوتا ہے۔ اسلام پر طرح طرح کے اعتراضات کئے جاتے ہیں ایسے وقت میں ضرورت ہے اس امر کی کہ ہر فرد اسلامی تعلیمات سے واقف ہو، ساتھ ہی سماج اور سوسائٹی کے لئے ایسے ڈاکٹر، وکلاء، انجینئر اور مختلف شعبوں کے ماہرین کی ضرورت ہے جو اسلامی افکار وخیالات اور دینی اقدار واخلاق سے معمور ہوں اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب مکاتب اور مدارس کا نظام مضبوط اور منظم ہو، اسکول وکالج سے پہلے نونہالان قوم مکاتب دینیہ اور مدارس اسلامیہ کا رخ کریں اور قرآن وحدیث کی تعلیم سیکھیں۔

دینی مدارس کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے اور مختلف متنوع خدمات کو اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے، ان مدارس کا رشتہ صفہ نبوی ﷺ سے ملتا ہے، جہاں پر معلم انسانیت، محسن کائناتؐ نے تعلیم دے کر ہیروں کو تراشا تھا اور دنیا کے سامنے امن ومحبت کے خوگر اور الفت ووفا کے شیدائیوں کو پیش کیا تھا۔ دنیا میں آباد تمام مدارس کا رابطہ اسی صفہ نبوی ﷺ سے ہے، لہٰذا اس کے اثرات اور برکات بھی مدارس میں برابر ظاہر ہیں۔

شاعر مشرق عظیم مفکر وفلسفی علامہ اقبالؒ نے بڑی دردمندی سے کہا تھا کہ: ''ان مکتبوں کو اسی حالت میں رہنے دو، غریب مسلمانوں کے بچوں کو انہی مدارس میں پڑھنے دو، اگر یہ ملا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا میں انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں، اگر ہندوستانی مسلمان ان مدرسوں کے اثر سے محروم ہو گئے تو بالکل اسی طرح ہوگا جس طرح اندلس میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت کے باوجود ہوا۔ آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈرات اور الحمراء کے نشانات کے سوا اسلام کے پیروؤں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا، ہندوستان میں بھی آگرہ کے تاج اور دلی کے لال قلعے کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا''۔ (دینی مدارس، ماضی، حال، مستقبل)

دینی مدارس کی عظیم تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں کہ: ''جب ہندوستان میں حکومتِ مغلیہ کا چراغ گل ہو گیا اور مسلمانوں کا سیاسی قلعہ ان کے ہاتھوں سے نکل گیا تو بالغ نظر اور صاحبِ فراست علماء نے جا بجا اسلام کی شریعت وتہذیب کے قلعے تعمیر کر دیئے، انہی قلعوں کا نام ''عربی مدارس'' ہے اور آج اسلامی شریعت وتہذیب انھیں قلعوں میں پناہ گزیں ہے، اور اس کی ساری قوت واستحکام انھیں قلعوں پر موقوف ہیں۔'' (اسلام کے قلعے)

اسی زریں سلسلہ کی ایک سنہری کڑی مدرسہ نور الاسلام پولن بازار گودھرا گجرات ہے۔ جو گزشتہ اڑسٹھ (۶۸) سالوں سے علم کی شمع روشن کیے ہوئے ہے۔ مختلف حوادثات زمانہ کے باوجود دین اسلام کے نونہالوں کی تعلیم وتربیت میں مصروف ہے۔ ویسے بھی گجرات کی سرزمین کو دینی علوم وفنون کی نشر واشاعت میں جو وقار وبلندی حاصل ہے اس کی دوسری ریاستوں میں نظیر نہیں ملتی ہے۔ یہاں کے علماء، فضلا، مدرسین، محدثین، محققین، مصنفین شعراء ادبا اور دانشوروں کے ساتھ بہی خواہان ملت کی جو خدمات وقربانیاں ملک عزیز کے لیے ہیں وہ ناقابل فراموش ہونے کے ساتھ تاریخ ہند کا سنہری باب بھی ہے۔ ویسے تو اس سرزمین پر قدم رنجہ ہونے کا موقع بار بار ملتا رہتا ہے۔ بلا شبہ یہ میری خوش بختی ہے، تاہم اس موقع پر ایک سفر کا ذکر ناگزیر ہے، جو ان سطور کے لکھنے کا اہم سبب بنا ہے۔

مورخہ ۲۰ ربیع الثانی ۱۴۴۰ھ مطابق ۲۷ دسمبر ۲۰۱۸ء کو نوجوان عالم دین عزیزی مولانا مفتی رمضانی بن صدیق سندھی صاحب استاد مدرسہ نور الاسلام پولن بازار گودھرا اور علم دوست شخصیت گرامی قدر جناب حافظ محمد ادریس صاحبان

کی مخلصانہ دعوت اوران کے اصرار پر تاریخی شہر گودھرا جانے اور وہاں کی علمی شخصیات سے ملنے، دینی درسگاہوں، فلاحی تنظیموں، نظام مساجد اوران کے طریقہ کار سے واقفیت کا موقع ملا۔ گودھرا کی تاریخ ایک طرف جہاں کشت وخون سے بھی لبریز ہے وہیں اس شہر کی جو خوبیاں ہیں وہ بھی برصغیر میں اپنی مثال آپ ہے۔ فرقہ وارانہ فسادات میں دو بار اجڑنے اور آباد ہونے کی دلخراش داستاں بیان کرنے کی یہاں پر چنداں ضرورت نہیں ہے۔ اس کے باوجود اس شہر کی دینی خصوصیات نے مجھے ہی نہیں میرے ہمراہ موجود علماء وذمہ داران مدارس ومکاتب کا دل موہ لیا۔ یہاں عام آدمی سے لے کر خاص آدمی تک۔ ہر انسان مکمل مسلمان اور پابند شریعت نظر آیا۔ شرعی داڑھی، ٹوپی اور کرتے پاجامہ میں ملبوس اہالیان گودھرا کے رہن سہن نے میرے دل پر جو اثرات مرتب کیے انھیں بھلایا نہیں جا سکتا ہے۔ اس وقت کی محض چند یادوں کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

گودھرا اسٹیشن کے قریب موجود عالیشان 'مسجد میم'، اس کے بعد مسجد ابرار اور یہاں کی دیگر مساجد میں علماء، ائمہ، خطباء اور سرکردہ شخصیات کی موجودگی میں کئی پروگرام منعقد ہوئے جن میں راقم الحروف کو حالات حاضرہ کی مناسبت سے خطاب کرنے کا اور یہاں کے زندہ دل ستودہ صفت عوام الناس کے سامنے روبرو ہونے کا بہ فضل رب موقع میسر ہوا۔ **الحمدللہ تعالیٰ والشکر للہ تعالیٰ۔**

میرے لیے گودھرا میں گزرے یہ لمحات بڑے قیمتی تھے۔ گرامی قدر مفتی ابراہیم آچھودی شیخ الحدیث جامعہ رحمانیہ عربیہ اسلامیہ دارالعلوم ناکپور گودھرا خلیفہ ومجاز مدبر اسلام حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ وناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مولانا عبدالستار بھاگیا مہتمم جامعہ رحمانیہ عربیہ اسلامیہ دارالعلوم ناکپور، مولانا اختر الاسلام ندوی استاد جامعہ رحمانیہ عربیہ اسلامیہ دارالعلوم ناکپور، مفتی محمد انس دارالافتاء والارشاد، مولانا اشرف ہوری امام وخطیب مسجد میم، مفتی ہارون سندھی امام وخطیب جامع مسجد ظہور پورہ، مفتی ادریس حاجیا امام وخطیب مسجد ابرار، مفتی اقبال مظاہری ہوری خادم خاص امیر المومنین فی الحدیث شیخ محمد یونس جونپوری شیخ الحدیث جامعہ مظاہر علوم سہارنپور وامام وخطیب مسجد زکریا، گرامی قدر جناب حافظ محمد ادریس گھیس اور الحاج ڈاکٹر محمد اقبال سے ملاقات اوران حضرات سے یہاں کی دینی، تعلیمی، ملی فلاحی، سیاسی وسماجی حالات سے کافی آگاہی ہوئی۔

مدرسہ نورالاسلام پولن بازار گودھرا:

گودھرا کی قدیم دینی درسگاہ مدرسہ نورالاسلام پولن بازار میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی۔ یہ مدرسہ اسی شان وشوکت کے ساتھ دینی خدمات میں مصروف ہے جن کی تکمیل کے لیے اکابرین نے اسے قائم کیا تھا۔ بقول شاعر:

یہ مدرسہ ہے تیرا میکدہ نہیں ہے ساقی
یہاں کی خاک سے انساں بنائے جاتے ہیں

مدرسہ نورالاسلام کے صدر المدرسین صالح اور مخلص منتظم حافظ محمد صدیق صاحب دامت برکاتہم، مولانا مفتی رمضانی بن

صدیق سندھی، مولانا عرفان پٹیل، مولانا شعیب مٹھابائی، مولانا بلال گورا اور دیگر اساتذہ مدرسہ نورالاسلام سے مل کر طلبہ کی تعلیم و تربیت سمیت کئی دینی امور پر تبادلہ خیالات ہوا۔ خاص بات یہ ہے کہ یہاں اذان فجر سے قبل ہی باضابطہ تعلیم شروع ہوجاتی ہے۔ تعلیم کا یہ سلسلہ رات تک وقفہ وقفہ سے چلتا رہتا ہے، اس دوران میں بچے اسکول بھی چلے جاتے ہیں۔ مدرسہ نورالاسلام میں تقریباً آٹھ سو طلباء یہاں سے علمی پیاس بجھا رہے ہیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ مدرسہ کی مساعیٔ جمیلہ کو قبول فرمائے اور اسے ہر طرح کی ترقیات سے نوازے۔ آخر میں بہی خواہان ملت اسلامیہ سے اپیل ہے کہ وہ مدرسہ کی تعمیر و ترقی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور دنیا و آخرت میں اجر و ثواب کے مستحق بنیں۔

اس سفر میں راقم الحروف کے ہمراہ مفتی محمد انصار قاسمی صدر المدرسین جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ، سپول بہار اور قاری محمد اکبر علی عثمانی سکریٹری امام قاسم اسلامک ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ انڈیا بھی تھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ انہیں بھی جزاء خیر عطا فرمائے اور ہمارے ان چند سطور کو عوام الناس کے لئے نافع بنائے۔ آمین۔

جوانوں کو میری آہ سحر دے
پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

۲۰ / محرم الحرام ۱۴۴۱ھ مطابق ۲۰ / ستمبر ۲۰۱۹ء

مسلمانوں کی حفاظت کا واحد ذریعہ

''آج میں سیاسی حیثیت سے نہیں بلکہ اس روشنی میں جو اللہ نے ہر مسلمان کو عطا فرمائی ہے، اس روشنی میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اس ملک میں تمہارا رہنا مشکل ہوجائے گا اگر تم نے دین کے لئے خلوص کے ساتھ کام نہ کیا، اور جب وہ حالت پیدا ہوگی تو اس وقت نہ تمہاری دکانیں محفوظ رہیں گی، نہ تمہارے کارخانے محفوظ رہیں گے۔ یاد رکھو! حفاظت کا سامان اوپر سے ہوتا ہے، کسی ملک میں مسلمانوں کی حفاظت کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ وہ دین کے لئے جدوجہد کریں، اور دین کو اتنا طاقتور بنائیں کہ پھر اللہ تبارک تعالیٰ ان کی حفاظت اپنی طرف سے فرمائے، پھر ان کا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا!''

از: مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

مدرسین کی مجرمانہ خیانت!

● ڈاکٹر محمد اکرم ندوی (آکسفورڈ یونیورسٹی لندن)

یقیناً ناظرین کو یہ عنوان سخت لگے گا یا کم از کم ذوق لطیف پر گراں گزرے گا، میرا حال بھی آپ سے مختلف نہیں، کئی اور عناوین ذہن میں آئے، وہ نرم وخفیف تھے، لیکن اس پیغام کی ادائیگی سے قاصر تھے جو اس تحریر سے مقصود ہے، بادل نخواستہ یہ تلخی گوارا کی گئی اور شاید پورا مضمون پڑھنے کے بعد اکثر قارئین صاحبِ تحریر کا درد محسوس کریں گے، معاملہ کی سنگینی سمجھیں گے اور اس عنوان کو مبنی بر انصاف پائیں گے، ظاہر ہے کہ جس تحریر میں پھول نہیں بلکہ نوکیلے اور زہریلے کانٹے ہوں اس کے لئے ایسا عنوان ہی زیبا ہے، بڑا فرق ہے بازار میں خون جگر لے کر آنے والے اور مادہ پرست تجارت پیشہ کے درمیان۔

ہندوستان کے حالیہ سفر کے دوران جہاں بہت سے خوشگوار تجربات ہوئے، وہیں کچھ تکلیف دہ حقائق بھی سامنے آئے، ان میں ایک وہ حقیقت ہے جس کے متعلق اس وقت کچھ عرض کرنے کی جرأت کر رہا ہوں:

تعلیمی اداروں میں اس وقت نااہل مدرسین کی تعداد میں بے تحاشا اضافہ ہو رہا ہے اور طلبہ کی بے بسی دیدنی ہے، وہ علم کے حصول کے خواہاں ہیں، انہوں نے اپنے والدین واقارب کی جدائی برداشت کی ہے، وطن مالوف سے ہجرت کی ہے اور زندگی کے قیمتی اوقات کی قربانی پیش کر رہے ہیں، مگر وائے ستم کہ جن لوگوں کے بھروسہ انہوں نے یہ قدم اٹھایا ہے وہ قابل اعتماد ہی نہیں، وائے نامرادی کہ رہبران طریق رہزن نکلے۔

مدرسین کی ایک تعداد وہ ہے جو اکثر پابہ رکاب ہے، مدرسوں میں کم، سفر میں زیادہ رہتی ہے اور جب لمبے لمبے دوروں سے واپس ہوتی ہے تو پڑھانے میں دل نہیں لگتا، بعض مدرسین مدرسوں کی چار دیواریوں کے درمیان رہتے ہوئے بھی درجوں میں حاضری اور اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی کی پروا نہیں کرتے، کچھ وہ لوگ ہیں جو پڑھاتے ضرور ہیں لیکن بغیر مطالعہ وتحقیق کے اور کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنے مضامین سے دلچسپی نہیں رکھتے، اور غیر متعلق باتوں میں طلبہ کا وقت ضائع کرتے ہیں۔

تدریس ایک اہم امانت ہے اور اس امانت سے دیدہ ودانستہ غفلت اور اس غفلت کو معمول بنالینا خیانت نہیں تو اور کیا ہے؟ نونہالان قوم کی زندگیوں کو برباد کرنا، ان کے مستقبل سے کھلواڑ کرنا، ملک وقوم کے وسائل برباد کرنا اور اس خیانت پر تنخواہیں لینا جرم نہیں تو اور کیا ہے؟

جس شہر میں لٹ جائے فقیروں کی کمائی
اس شہر کے سلطان سے کوئی بھول ہوئی ہے
تا حد نظر شعلے ہی شعلے ہیں چمن میں
اس باغ کے مالی سے کوئی بھول ہوئی ہے

طلبہ اس صورت حال سے شاکی ہیں، اپنے مستقبل سے مایوس ہیں، ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کریں، خود کو اس خیانت کا شکار بننے اور اس جرم کی سزا بھگتنے سے کیسے محفوظ کریں، مجھ سے کہا گیا کہ میں اس موضوع پر کچھ لکھوں، میں سوچتا رہا کہ کیا میرے لکھنے کو دخل اندازی سے تعبیر نہیں کیا جائے گا؟ آخر دل میں غلبہ ہوا کہ جب منکر کا شیوع ہو تو ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ اپنی اپنی حد تک اس کی تبدیلی کی کوشش کرے، میں نے آکسفورڈ یونیورسٹی کے ایک ذمہ دار پروفیسر سے اس موضوع پر تبادلۂ خیال کیا اور پوچھا کہ کیا یہاں یونیورسٹیوں میں اس طرح کے مدرسین کی گنجائش ہے؟ انہوں نے کہا کہ خراب اساتذہ یہاں بھی ہیں، کیونکہ مدرسین کے انتخاب کی کارروائی میں بڑے نقائص ہیں اور تدریس کے منصب عظیم کے لئے نااہل لوگوں کا تقرر ہو جاتا ہے، لیکن یہاں یہ ممکن نہیں کہ استاد سرے سے پڑھائے ہی نہیں، ایسے استاد کو فوراً نکال دیا جائے گا اور جو اساتذہ اپنے فرائض میں کوتاہی کرتے ہیں بالعموم طلبہ ان سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور انتظامیہ کو ان کا مطالبہ ماننا پڑتا ہے۔

برصغیر کے تعلیمی اداروں کی اس زبوں حالی نے تعلیم کو سخت نقصان پہنچایا ہے، مدرسین کا یہ غیر ذمہ دارانہ رویہ خیانت، جرم اور گناہ کی بدترین مثال ہے، اس سے نوجوانوں کی صلاحیتوں کا خون ہو رہا ہے، قوم کو عظیم خسارہ بھگتنا پڑ رہا ہے، اس صورت حال میں ہم کسی فن کے ماہرین کے پیدا ہونے کی توقع کہاں سے کر سکتے ہیں؟ اور وہ نسل کیسے پیدا ہوگی جو ملت کی قیادت و رہنمائی کا فریضہ انجام دے سکے؟ اس لئے عجب نہیں کہ مدارس میں صرف مقررین، صحافی اور سیاستداں جنم لے رہے ہیں اور جس ملک یا قوم میں ان کی کثرت ہو اور علمائے محققین وشاہان صناعت و ہنر ناپید ہوں اس کی اصلاح ممکن نہیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا اصلاح کی کوئی سبیل ہے؟ جواب ہے کہ اگر ارادہ موجود ہو تو اصلاح ممکن ہے اور اس اصلاح کے تین مدارج ہیں:

-1 وہ مدرسین جو باصلاحیت ہیں اور جن موضوعات کی تدریس کے لئے ان کا انتخاب ہوا ہے وہ ان کی اہلیت رکھتے ہیں، انہیں اس کا پابند کرانا ہوگا کہ اپنے پیشہ کا احترام کریں، اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں، کسی مشغولیت کو تدریس پر ترجیح نہ دیں، تبلیغی وغیر تبلیغی اسفار کو خیر باد کہیں، جلسوں میں شرکت سے دور رہیں، اچھی طرح مطالعہ کریں، محنت سے اور دل لگا کر پڑھائیں، ہمارے اساتذہ میں مولانا محمد واضح رشید ندوی، مولانا برہان الدین سنبھلی، مولانا ناصر علی ندوی، مولانا شہباز صاحب وغیرہ مثالی مدرسین کی فہرست میں نمایاں مقام کے حامل تھے۔

-2 کبھی مدرسین کی ناکامی کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ نصاب میں تبدیلی ہوگئی ہے، یا تعلیم کے رخ میں کوئی بنیادی انقلاب آگیا ہے، ایسی صورت حال میں یہ ضروری ہے کہ موجودہ مدرسین کی تربیت کی جائے تاکہ وہ اس انقلاب سے خود کو ہم آہنگ کر سکیں، یا پھر نئے مدرسین کا انتخاب ہو جو نئے نصاب اور نظام کے معیار پر پورے اتر سکیں۔

-3 کبھی کبھی پیغمبرانہ اصلاح کی ضرورت پیش آتی ہے اور ایسا اس وقت ہوتا ہے جب عارضی دنیوی مفاد کے حصول کا

جذبہ غالب ہوجائے، اس وقت اللہ اور آخرت پر صحیح اور مستحکم ایمان کے بغیر پیش رفت ناممکن ہے، مفکر اسلام حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ نئے تعلیمی سال کے آغاز پر اساتذۂ ندوہ کو خطاب کرتے، ان کو ان کا مقام یاد دلاتے اور ان کے اندر ذمہ داریوں کا احساس بیدار کرتے۔

آخر میں مدرسین سے گزارش ہے کہ وہ اپنے مقام کی عظمت کو سمجھیں، ذمہ داریوں کا خیال کریں، ان سے ان کی قوم کا مستقبل وابستہ ہے، وہ انسانیت کے معمار ہیں، ہر طرف سے آنکھیں بند کر کے اس مشن میں لگ جائیں اور صرف ان سیمیناروں اور کانفرنسوں میں شرکت کریں جن کا تعلق ان کے موضوع سے ہو اور اس شرکت سے ان کی تدریس کا معیار بلند ہو۔

اور طلبہ سے درخواست ہے کہ آپ حوصلہ کم نہ کریں، ہمت نہ ہاریں، دل شکن حالات سے مایوس نہ ہوں:

طول غم حیات سے گھبرا نہ اے جگر
ایسی بھی کوئی شام ہے جس کی سحر نہ ہو

آپ طلب علم کے مشغلہ کو عزیز جانیں اور محنت جاری رکھیں، آپ کی دلچسپی سب سے بڑا امہیز ہے اور آپ کی لگن وسائل کی کمی کے باوجود آپ کو کامیابی سے ہمکنار کرسکتی ہے:

ترے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے
خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے
عبث ہے شکوۂ تقدیر یزداں
تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے

مدرسہ کا مقام و منصب

مدرسہ سب سے بڑی کارگاہ ہے، جہاں آدم گری اور مردم سازی کا کام ہوتا ہے، جہاں دین کے داعی اور اسلام کے سپاہی تیار ہوتے ہیں، مدرسہ عالم اسلام کا بجلی گھر (پاور ہاؤس) ہے، جہاں سے اسلامی آبادی بلکہ انسانی آبادی میں بجلی تقسیم ہوتی ہے، مدرسہ وہ کارخانہ ہے، جہاں قلب و نگاہ اور ذہن و دماغ ڈھلتے ہیں، مدرسہ وہ مقام ہے جہاں سے پوری کائنات کا احتساب ہوتا ہے، اور پوری انسانی زندگی کی نگرانی کی جاتی ہے، جہاں کا فرمان پورے عالم پر نافذ ہے۔ عالم کا فرمان اس پر نافذ نہیں، مدرسہ کا تعلق کسی تقویم، کسی تمدن، کسی عہد، کسی کلچر، زبان و ادب سے نہیں کہ اس کی قدامت کا شبہ اور اسکے زوال کا خطرہ ہو، اس کا تعلق براہ راست نبوت محمدی سے ہے، جو عالمگیر بھی ہے اور زندہ جاوید بھی، اس کا تعلق اس انسانیت سے ہے جو ہر دم جواں ہے، اس زندگی سے ہے جو ہمہ وقت رواں اور دواں ہے، مدرسہ درحقیقت قدیم و جدید کی بحثوں سے بالاتر ہے وہ تو ایسی جگہ ہے، جہاں نبوت محمدی کی ابدیت اور زندگی کا نمونہ اور حرکت دونوں پائے جاتے ہے۔

از: مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

کوائف جامعہ

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم اور جامعۃ القاسم کی سرگرمیاں

ابوحمنہ شہاب

اپنے کاغذات ودستاویزات کو درست کرانے کی اپیل

جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کے اساتذہ نے گاؤں گاؤں لوگوں کو بیدار کیا اور کاغذات کی درستگی مہم میں تیزی لانے پر زور دیا جمہوری ملک میں ووٹ ایک آئینی طاقت ہے ہر شہری اور باسی کو حکومت بنانے کا اختیار ہے جسے وہ ووٹ کے ذریعہ ہی بناتا ہے۔ ووٹ ڈال کر الیکشن کمیشن کو اپنی رائے سپرد کر دیتا ہے کہ اسے ملک کی باگ ڈور دی جائے، ووٹ ڈالنے کے لئے ضروری ہے کہ ووٹر لسٹ میں آپ کا نام ہو۔ اس وقت پورے ملک میں 1 ستمبر 2019 سے 15 اکتوبر 2019 تک ووٹر لسٹ میں ناموں کی شمولیت اور درستگی کی مہم چل رہی ہے یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ پوری توجہ اور لگن کیساتھ عمر ہونے کے باوجود جن کا نام نہیں ہے یا نام ہے لیکن ووٹر آئی ڈی پروف میں کسی طرح کی کوئی غلطی ہے تو صحیح دستاویز دے کر درست کرائیں یہ باتیں جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کے اساتذہ نے معروف عالم دین، ملی رہنما ڈاکٹر مفتی محفوظ الرحمن عثمانی بانی ومہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ مدھوبنی سپول کی ہدایت پر مختلف جگہوں پر جمعہ سے قبل مسجدوں میں اور عام لوگوں سے مل کر انہیں بیدار کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہیں اس سلسلے میں مفتی محمد انصار قاسمی صدر المدرسین جامعۃ القاسم نے بتایا کہ جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کے پلیٹ فارم سے لوگوں کو بیدار کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جارہی ہے تاکہ آئندہ انہیں کسی دقت اور پریشانی کا سامنا نہ کرنا پڑے مفتی محمد انصار قاسمی نے بتایا کہ لوگوں کے درمیان جاکر یہ محسوس ہوا کہ سرکاری طور پر BLO کو اس کام کی ذمہ داری دی گئی ہے لیکن بہت سی جگہوں پر وہ لاپرواہی برت رہے ہیں جن کی وجہ سے عام لوگوں کو دقت کا سامنا ہے افسران کو چاہیے کہ اس پر دھیان دیں، اسی طرح الیکشن کمیشن کو چاہیے کہ وہ متعینہ مدت میں توسیع کرے۔ کیونکہ کاموں کی زیادتی اور کئی دنوں سے مسلسل ہو رہی بارش کی وجہ سے ۱۵/ اکتوبر تک ہونا ناممکن ہے۔ اس موقع پر جامع الامام محمد قاسم النانوتوی میں جمعہ سے قبل مفتی نبی حسن مظاہری نے بتایا کہ جن کا بھی نام ووٹر لسٹ میں ہے وہ ویری فکیشن یعنی آئی ڈی کی جانچ دوسرے دستاویز سے کرالیں۔ اسی طرح زمینی کاغذات تعلیمی اسناد اور دیگر دستاویزات حاصل کرلیں۔ انہوں نے تفصیل سے لوگوں کو اس سلسلے میں جانکاری دی۔ مفتی عقیل انور مظاہری ناظم تعلیمات جامعۃ القاسم نے چلہنیاں ارریہ میں لوگوں کو یہ ذمہ داری دی کہ اسے وقت کی اہم ضرورت سمجھ کر کریں۔ ساتھ ہی یہ

بھی کہا کہ اس موقع پر ہم ایک دوسرے کے معاون بنیں اور ان کے کام آئیں۔ مفتی محمد ثناء اللہ قاسمی نے احمد گنج جوگبنی میں جمعہ سے قبل لوگوں کو بتایا اور خاص طور پر پڑھے لکھے نوجوانوں سے اپیل کی کہ وہ اپنے اپنے محلہ میں اسے بنیادی ضرورت سمجھ کر لوگوں کے دستاویز کو دیکھیں اور اگر کوئی خامی ہو تو خدمت سمجھ کر درست کرا دیں۔ مولانا محمد کاشف ندوی نے جھٹکیا مدھے پورہ کی مرکز مسجد میں جمعہ سے قبل اسی عنوان پر خطاب کیا اور مقامی سیاسی و سماجی کارکنان سے اپیل کی اگر آپ اس پر توجہ دے دیں گے تو بڑی تیزی سے اور جلد لوگوں کا یہ کام ہو جائے گا اور کسی مشکلات کا سامنا بھی نہیں کرنا پڑے گا۔ مولانا محمد عقیل قاسمی نے نرپت گنج سے متصل راج گنج میں لوگوں کو جمع کر کے اس کی ضرورت اور اہمیت بتائی ساتھ یہ بھی کہا کہ ابھی وقت ہے کاغذات کی درستگی کا جسے ہم غنیمت سمجھ کر درست کرالیں۔ واضح رہے کہ ان کے علاوہ مفتی نسیم اظہر قاسمی نے مدھوبنی میں، قاری محمد ربان جامعی نے موہن پور کٹھرا میں، قاری محمد مشتاق عثمانی، قاری عقیل احمد جامعی اور قاری محمد عارف عثمانی نے چھاتا پور اور اس کے اطراف میں، مولانا محمد فیاض قاسمی نے پورنیہ میں، ماسٹر محمد عمران فیضانی نے مہیشوا میں، ماسٹر محمد مرشد نے بیریا کمال میں اور قاری انصار الحق اشاعتی نے بیلا نیموا سپول میں انفرادی اور اجتماعی طور پر لوگوں کو اس طرف توجہ دلائی اور جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کے پلیٹ فارم سے اس مہم کو کامیاب کیا۔ ڈاکٹر مفتی محفوظ الرحمن عثمانی کا پیغام لوگوں تک پہنچایا اور زیادہ زیادہ کاغذات اور دستاویزات جمع کرنے پر زور دیا۔ اسی طرح ائمہ سے جمعہ سے قبل اس بابت گفتگو کرنے کو کہا گیا۔ واضح رہے کہ سیمانچل ڈیولپمنٹ فرنٹ کے جنرل سیکریٹری شاہ جہاں شاد مسلسل فاربس گنج میں لوگوں کے درمیان بڑے پیمانے پر بیداری پیدا کرنے کا کام کر رہے ہیں۔

مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی کامیاب استاد اور بے مثال ادیب کا نام تھا: مفتی محفوظ الرحمن عثمانی

سپول: موت سے کس کو رستگاری ہے، آج وہ تو کل ہماری باری ہے، لفظ موت آپ جتنے پیرائے میں ڈھال لیجئے اور جیسے اور جس کلمات سے چاہئے تعبیر کیجئے، لیکن سچائی یہی ہے کہ یہ دنیا فانی ہے بقا اور دوام صرف اللہ کی ذات کو ہے۔ یہ باتیں معروف عالم دین، ڈاکٹر مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی بانی و مہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول نے ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم، مجلہ الرائد کے مدیر اعلی، عالم اسلام کے مشہور عالم دین، مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کے انتقال پر تعزیتی نشست میں کہیں۔ انہوں نے کہا کہ مولانا واضح رشید حسنی ندوی مفکر اسلام مولانا حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ کے حقیقی بھانجے اور علمی جانشین، مدبر اسلام حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے چھوٹے بھائی اور ان کے معاون و مونس تھے۔ آپ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ممتاز فاضل، اردو و عربی کے بے مثال ادیب، اور کامیاب انشاء پرداز تھے۔ احیاء اسلام اور اشاعت دین سے ہمیشہ وابستہ تھے، انہوں نے پوری زندگی اپنی تحریروں اور تقریروں سے امت

مسلمہ کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے کی کوشش کی، مستشرقین اور باطل طاقتوں کے افکار اور اعتراضات کا صحیح جواب دیتے ہوئے پورے عالم میں اسلام کا صحیح پیغام پہنچایا۔ مفتی عثمانی نے اخبار کو جاری اپنے تعزیتی بیان میں کہا کہ مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی کا انتقال صرف ندوۃ العلماء اور خانوادہ حسنی کے لئے ہی نہیں بلکہ پوری امت مسلمہ کے لیے عظیم خسارہ ہے۔ آج ملت اسلامیہ ایک کامیاب مدرس کے ساتھ ایسے قلم کار اور صحافی سے محروم ہوگئ جن کی نگاہیں دنیا پر تھی اور عالمی فکر کے تحت لکھتے تھے۔

حضرت مفتی صاحب نے مولانا زبیر احمد قاسمی ناظم جامعہ عربیہ اشرف العلوم کنہواں سیتامڑھی، مولانا مفتی حبیب الرحمان قاسمی سابق شیخ الحدیث دارالعلوم حیدرآباد، مولانا اسرار الحق قاسمی رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند، مولانا محمد کامل مظاہری استاد جامعہ مظاہر علوم سہارنپور، فاضل نوجوان مولانا عبادالرحمن رشیدی استاد جامعہ ابوہریرہ اڈیشہ اور اب مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ شعر پڑھا کہ:

جو بادکش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں
کہیں سے آب بقائے دوام لے ساقی

مفتی محمد انصار قاسمی صدر المدرسین جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ نے کہا کہ حضرت مولانا سید واضح رشید ندویؒ دوررس عالم تھے، ان کا فکر وسیع تھا، وہ زمانے کے حالات سے مکمل واقف تھے، آپؒ اس بات پر خوب زور دیتے تھے کہ ہمارے پاس اسلام کی تبلیغ اور خیر کے پھیلانا کا وسیلہ اور ذریعہ ہو یہی وجہ کہ ایک مرتبہ مولانا نے علماء سے کہا کہ: آج دنیا پر حکومت میڈیا کی ہے حکومت کو قائم کرنے اور گرانے میں میڈیا کا کردار اہم ہوتا ہے، جو تصور وہ دیتا ہے وہی تصور قائم ہوتا ہے، ہمارے پاس ایسے وسائل ہونے چاہیے جس سے کم از کم خیر کو خیر اور شر کو شر کہہ سکیں، اس کے لئے اخبار ورسائل اور عصر حاضر کے موثر ذرائع کا استعمال ضروری ہے، اس کے لئے جرات جذبہ اور مشق دور طالب علمی سے ہی کرنا ہوگا۔ مولانا مفتی عقیل انور مظاہری ناظم تعلیمات جامعۃ القاسم نے کہا کہ کہ علماء کا اٹھنا دراصل علم کا اٹھنا ہے اور یہ قیامت کی نشانی ہے۔ مولانا سید واضح رشید ندوی متواضع، سنجیدہ اور ریا و دکھلاوا سے کوسوں دور تھے۔ اپنے بڑوں کی حد درجہ تعظیم کرتے جیسا کہ ۱۱/ جمادی الثانی ۱۴۳۸ مطابق/ 10 مارچ 2017 کو تعلیمی بیداری کے موقع پر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، ناظم ندوۃ العلماء اور مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ساتھ جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ تشریف لائے تو دیکھا۔ اس موقع پر مولانا محمد کاشف ندوی استاد جامعۃ القاسم نے کہا کہ مولانا بڑے مفکر تھے ہمیشہ طلبہ سے کہتے کہ اگر آپ اس علم کی قدر کریں گے اور وابستہ رہیں گے تو اللہ آپ سے کام لے گا اور اگر آپ نے ناقدری کی تو نام ونشان بھی ختم ہو جائے گا۔ مولانا مرحوم شہرت و ناموری سے ہمیشہ دور رہتے تھے۔ اس موقع پر مولانا حمید الدین مظاہری، مفتی نبی حسن مظاہری، مولانا فیاض قاسمی، مولانا صغیر مفتاحی، مولانا عقیل قاسمی، قاری شمشیر عالم جامعی

نے اظہار تعزیت کیا۔ مفتی محمد انصار قاسمی کی دعا پر اس تعزیتی نشست کا اختتام ہوا۔

جامعۃ القاسم میں تفسیر جلالین کے سبق کا افتتاح

حصول علم کا مقصد رضاء الٰہی ہو: مولانا خلیل احمد راوت

سپول: تفسیر جلالین شریف کتاب اخلاص کا مجموعہ ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر مدرسہ میں داخل نصاب ہے، خاص بات یہ ہے کہ شاگرد نے اپنے استاد کے طرز تفسیر پر ہی اس کی تکمیل کی، ان کا اللہ پر اس درجہ یقین تھا کہ جب وہ زم زم پیتے ہوئے جو دعا کی وہ قبول ہوگئ اور اللہ نے ملکہ تفسیر عطا کیا، آج ہم بھی دعا کرتے ہیں لیکن قبول نہیں ہوتی، کیونکہ اللہ پر یقین کامل نہیں۔ یہ باتیں ری یونین فرانس کے معروف عالم دین مولانا خلیل احمد راوت رئیس دار العلوم فلاح دارین ترکیسر گجرات نے جامعۃ القاسم دار العلوم الاسلامیہ میں کہیں۔ انہوں نے تفسیر جلالین کا پہلا سبق پڑھایا اور طلبہ سے کہا کہ آپ پوری توجہ، دل جمعی اور لگن سے پڑھیں، یہ کتاب تفسیر میں منفرد کتاب ہے، آیتوں کے درمیان ربط کو بھی جانیں۔ آپ عزیمت، استقلال اور استحکام کے پیکر بنیں، انہوں نے حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خاں صاحبؒ، مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ، علامہ قاری محمد صدیق باندویؒ کے ملفوظات خصوصیت سے سنائے۔ عوام کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم اللہ کے بندے بنیں، آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دو بڑی خصوصیت ہے۔ ایک قرآن کا نزول دوسرا سفر معراج۔ ان دونوں میں عبدیت کا اظہار ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہم اس کے بندے بن جائیں۔ اس موقع پر مفتی محمد عقیل احمد قاسمی استاد حدیث جامعہ حسینیہ راندیر سورت گجرات نے کہا تواضع، انکساری کا دامن نہ چھوڑیں، ابھی تعلیمی سال کا آغاز ہے، ہم عہد کریں کہ مطالعہ، تکرار اور درس کی پابندی کریں، ہمارا مشغلہ سب سے بہترین مشغلہ ہے، ہم اس کی اہمیت کو جانیں اور اس نسبت کی قدر کریں۔ مولانا عبدالمتین رحمانی مہتمم مدرسہ علوم اسلامیہ اررریہ بہار نے کہا کہ ابھی کے جو حالات ہیں اس میں ضرورت ہے کہ اسلامی تعلیمات کو فروغ دیں اور اسلام کے اخوت و بھائی چارگی کے پیغام کو برادران وطن تک پہونچائیں۔ مہمان مکرم نے جامعہ کے شعبہ جات کا معائنہ کیا اور اطمینان کے ساتھ خوشی کا اظہار کیا۔ واضح رہے کہ جامعہ کے بانی و مہتمم مفتی محفوظ الرحمن عثمانی سفر میں ہونے کی وجہ سے شرکت نہیں کر سکے تاہم ان کا پیغام اور کلمات تشکر پڑھ کر سنایا گیا۔ مفتی محمد انصار قاسمی نے نظامت کے فرائض حسن خوبی سے انجام دیے۔ مولانا حمید الدین مظاہری نائب ناظم جامعہ، سماجی کارکن شاہ جہاں شاد، مفتی عقیل انور مظاہری، مولانا کاشف ندوی نے اظہار خیال کیا، جبکہ مظہر حسین عثمانی، مظفر حسین رحمانی، قاری محمد مشتاق عثمانی، مولانا عقیل قاسمی نے پر مہمان مکرم کا زوردار استقبال کیا۔

اپنی ضرورت پر دوسرے کو ترجیح دیں: مفتی عثمانی

سپول: اسلام کی تاریخ کا ایک ایسا واقعہ بھی ہے کہ زخمی آدمی زندگی کی آخری سانس لے رہا ہے؛ لیکن جب پانی لایا گیا تو دوسرے پیاسے کی طرف بڑھا دیا، اس نے تیسرے پریشان

حال کو دینے کا اشارہ کیا اور جب پہنچانے والے وہاں پانی لے کر پہنچے تو وہ انتقال کر چکے۔ جب پہلے کے پاس آئے تو وہ بھی اللہ کے پیارے ہو چکے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ اپنی ضرورت پر دوسرے کو ترجیح دیں، یہی اسلامی تعلیم ہے جو ایثار قربانی، اپنے پر دوسروں کے ترجیح کو ابھارتا ہے۔ یہ باتیں معروف عالم دین ڈاکٹر مفتی محفوظ الرحمن عثمانی بانی و مہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ مدھوبنی پرتاپ گنج سپول نے بہار میں آئے تباہ کن سیلاب کیلئے راحتی سامان بھیجے جانے کے موقع پر کہا۔ انہوں نے کہا کہ مصیبت زدہ انسانوں کی خدمت اور مدد ہمارا دینی اور اخلاقی فریضہ ہے۔ بہار میں آئے بھیانک اور تباہ کن سیلاب نے لوگوں کی نیندیں اڑا دی ہے۔ جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کی جانب سے راحت رسانی کی ٹیم رات و دن متاثرہ علاقوں میں پہنچ کر ان کا دکھ بانٹ رہی ہے اور کھانے پینے، پہننے کی اشیاء اور دوا پہنچا رہی ہے۔ گذشتہ دن یہ ٹیم مفتی محمد انصار قاسمی کی قیادت میں کوسی ندی کے بالکل قریب باندھ کے اندر پیر گنج پہنچی، متاثرین کے مطابق پہلی مرتبہ اس طرح کا اچانک بھیانک سیلاب آیا، گھر کا کوئی سامان نہیں بچا۔ جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کی طرف راحت رسانی اور متاثرین کے ساتھ تعاون کو دیکھ کر اکبر علی (پیر گنج) نے شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ یہ ایک دعوت بھی کہ گاؤں میں رہ کر نہیں جاتے، لیکن اتنی دور سے جامعہ القاسم کی ٹیم پریشانی و مشقت اٹھا کر گھر گھر جا کر انسانیت کے ناطے کام کر رہی ہے۔ مفتی محمد انصار قاسمی نے کہا کہ جیسے ایک انسان دوسرے کی شرکت کے بغیر خوشی و مسرت کا اظہار نہیں کر سکتا ایسی ہی مصیبت، پریشانی اور دکھ میں ان کے پاس جائیں اور ان کا غم بانٹیں۔ قرآنی تعلیم بھی یہی ہے کہ پڑوسیوں کے ساتھ جہاں حسن سلوک کا تذکرہ ہے، وہاں مذہب کی قید نہیں، بلکہ جو بھی ہو اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں۔ سیمانچل ڈیولپمنٹ فرنٹ کے جنرل سیکرٹری شاہ جہاں شاد نے کہا کہ اس وقت جو ملک کے حالات ہیں اس کے پیش نظر ہم راحت رسانی، خدمت خلق، بے بس اور پریشان حال لوگوں کے ساتھ ہمدردی بلا تفریق مذہب و ملت بحیثیت انسان کریں، تا کہ اسلامی تعلیمات سے متاثر ہوں۔ اس ٹیم میں ان کے علاوہ مظہر حسین عثمانی، مولانا علی احمد رازی سیکریٹری ریلیف جامعۃ القاسم، مولانا محمد فیاض قاسمی ناظم کتب خانہ، حافظ صدام حسین عثمانی، محمد الطاف حسین اور عبدالجبار وغیرہ تھے۔

مولانا عبدالمتین نعمانی کے انتقال پر تعزیت

سپول: مولانا عبدالمتین نعمانی اور محبوب منصوری کے انتقال پر جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ میں تعزیتی اجلاس کا انعقاد ہوا۔ موت برحق ہے اور ہر شخص کو اپنے وقت متعین پر جانا ہے ''کل من علیھا فان'' کا بھی یہی حاصل ہے کہ چھٹکارا کسی کو نہیں، مگر قابل رشک ہے وہ جس پر زمانہ افسوس کرے۔ یہ باتیں معروف عالم دین مفتی محفوظ الرحمن عثمانی بانی و مہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ نے مولانا عبدالمتین نعمانی امام و خطیب جامع مسجد فاربس گنج و رکن آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے انتقال پر کہیں۔ شدید رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے کہا

کہ مولانا مرحوم کا انتقال اس حلقہ کے لئے عظیم خسارہ ہے۔ مولانا امامت وخطابت، وعظ ونصیحت کے ساتھ سماج میں پھیلی برائیوں کے سدباب کے لئے ہمیشہ کوشش کرتے رہے، یہی وجہ ہے کہ وہ ہر طبقہ میں مقبول تھے، وہ بے تکلف، سادہ اور نیک صفت انسان تھے۔ انتقال کی خبر سنتے ہی جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ میں قرآن خوانی کا اہتمام کیا گیا اور تعزیتی نشست منعقد ہوئی جس میں مفتی محمد انصار قاسمی نے کہا کہ اعمال صالحہ اور اچھے افکار ہمیشہ باقی رہتے ہیں۔ مولانا عبدالمتین نعمانی امام وخطیب جامع مسجد فاربس گنج متواضع، متوازن اور باا ثر لوگوں میں سے تھے، وہ بہترین خطیب تھے۔ مفتی عقیل انور مظاہری نے کہا کہ انسان مسافر ہے اور عالم بقا کی طرف کوچ کر رہا ہے، عقلمند انسان وہ جو اپنی آخری منزل کو یاد رکھے۔ حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے ایما پر جامعۃ القاسم کا ایک وفد مفتی محمد انصار قاسمی کی قیادت میں جنازہ میں شریک ہوا۔ اس موقع پر الحاج اسلام بھائی منصوری بمبئی کے بھائی محمد محبوب جن کا انتقال ہوا، ان کے ایصال وثواب کے لئے بھی دعا کی گئی۔ مولانا حمیدالدین مظاہری نے کہا کہ وہ مخلص اور سچے تاجر تھے، علماء حفاظ اور دینی کام کرنے والوں سے بہت محبت کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔

لوگوں کے درد کو سمجھے بغیر بہتر معاشرہ کی تشکیل ناممکن: مفتی عثمانی

سپول: سماج اور سوسائٹی اسی کا نام ہے جہاں ہر طرح کے لوگ بستے ہوں، بہتر سماج اور صالح معاشرہ وہ ہے جس میں دوسرے کے درد، دکھ مصیبت پریشانی اور ضرورت کو سمجھے، کوئی بیمار ہے تو اس کی عیادت، تیمارداری اور علاج کرائے، یتیموں، غریبوں اور ضرورت مندوں کی ضرورت کو پوری کیا جائے۔ یہ باتیں معروف عالم دین مفتی محفوظ الرحمن عثمانی بانی ومہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ ہوبنی سپول نے بہار میں سیلاب زدگان کے درمیان ریلیف تقسیم کے موقع پر کہیں۔ انہوں نے کہا کہ اسلامی تعلیمات یہی ہے کہ جو کسی بندہ کی مصیبت دور کرے گا، اللہ قیامت کے دن اس کی مصیبت دور کرے گا، اسی طرح بندہ جب تک کسی کی مدد میں لگا رہتا ہے اللہ اس کی مدد میں رہتا ہے اس لیے ہم مصیبت زدہ کی مدد کریں۔ مفتی محمد انصار قاسمی نے کہا کہ اسلامی تعلیمات کے مطابق جانور کی مدد اور اس کے ساتھ حسن سلوک پر جنت اور جہنم میں جائیگا تو انسان کے ساتھ ہمدردی، حسن سلوک اس کی تکلیف کو دور کرنے کا مرتبہ اور بڑھے گا۔ جوگبنی کے قریب بکھوا نامی بستی جہاں بڑی تعداد میں مہادلت اونچی جگہ پر ٹھکانہ لئے ہوئے ہیں۔ تقریباً پانچ کلومیٹر تک راستہ خراب ہونے کی وجہ سے وہاں جانا بڑی مشکل تھا لیکن پوری ٹیم ریلیف لے کر انتہائی مشقت کی حالت میں ٹریکٹر اور پیدل چل کر ریلیف کا کام کیا۔ سیمانچل ڈیولپمنٹ فرنٹ کے جنرل سیکرٹری شاہ جہاں شاد جو اس ٹیم میں تھے کہا کہ سوسائٹی میں ہر ایک کو دوسرے کی ضرورت پڑتی ہے۔ سماج تنہا جینے کا نام نہیں ہے، اس وقت ضرورت ہے کہ ایسے لوگ جن کے گھر تباہ

ہو گئے، فصلیں برباد ہوگئیں، غلہ اور کھانے کی اشیاء سیلاب کی نذر ہوگئیں ان کا تعاون کیا جائے، جن ادھیکار پارٹی کے لیڈر سیف علی خان نے کہا کہ یہ کتنی خوشی اور دوسروں کے لئے سبق کی بات ہے کہ مدرسہ اور مسجد میں پڑھنے پڑھانے والے اساتذہ اور طلباء خدمت انسانی انجام دے رہے ہیں اور سوئی ہوئی قوم کو جگا رہے ہیں کہ یہ ہر بھائی کام ہے کہ وہ دوسرے کے مددگار بنیں۔ انہوں نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ انسانیت کے ناطے بغیر کسی دھرم اور ذات کے راحت رسانی کے کام میں مصروف ہے۔ مظہر حسین عثمانی ناظم جامعہ نے کہا کہ ابھی ریلیف کا سلسلہ چلے گا اور ہماری کوشش ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچے اور اس خدمت کو اپنے لئے ایک نعمت سمجھ کر کام کریں۔ ریلیف تقسیم کر رہی ٹیم میں مولانا عقیل قاسمی، حافظ محمد صدام عثمانی رونق روئی، پنکج کامیت، نندکمار پاسوان، مکیش کامیت، محمد الطاف، وغیرہ تھے۔

مخلوق کی خدمت اطاعت بھی اور عبادت بھی: مفتی محفوظ الرحمن عثمانی

سپول: جو مخلوق خدا پر رحم نہیں کرتا، اللہ اس پر رحم نہیں کرتا مخلوق کی خدمت اطاعت بھی ہے اور عبادت بھی، مخلوق کی خدمت عزت وافتخار کا ذریعہ بھی ہے اور انسانوں سے ہمدردی بھی۔ یہ باتیں معروف عالم دین مفتی محفوظ الرحمن عثمانی بانی ومہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ مدھوبنی سپول نے سیلاب زدگان کی امداد کیلئے راحتی اشیا بھیجنے کے موقع پر کہیں۔ انہوں نے کہا کہ اسلامی تعلیم کے مطابق بھوکوں کو کھانا کھلانا، پیاسوں کو پانی پلانا، ننگوں کو کپڑا پہنانا اور مصیبت زدہ انسانوں کی مصیبت دور کرنا عین عبادت ہے۔ راحتی ٹیم ارریہ ضلع کے گڑھاٹا پوگاوں پہنچی۔ یہ گاوں سیلاب کا بھیانک منظر پیش کر رہا ہے، اس گاوں میں کئی ایسے گھر جن کا نام ونشان مٹ چکا ہے، لوگ سڑکوں پر پناہ لیے ہوئے ہیں، آج یہاں پر پہلی مرتبہ راحت رسانی کی ٹیم پہنچی۔ تین کلومیٹر پہلے سے ہی راستہ نہ ہونے کی وجہ سے گاڑی رک گئی پھر پانی، کیچڑ اور مقامی لوگوں کے بنائے ہوئے بانس کے پل (چچری) کے ذریعہ، وہاں تک بمشکل پہنچی ٹیم میں شامل مفتی محمد انصار قاسمی نے کہا کہ اسلامی تاریخ کا ایک ایسا واقعہ بھی ہے کہ بچے کو بہلا کر بھوکے سلا دیا، خود مہمان کے ساتھ چراغ بجھا کر بیٹھے رہے اور مہمان کو پیٹ بھر کر کھلا دیا اور اس کی ضیافت ایسے کی تھی کہ اللہ کو بہت پسند آیا اور پیغمبر انسانیت نے خوشی کا اظہار فرمایا۔ آج ضرورت ہے کہ ہم سیلاب زدگان کی مدد کریں اور وہی نمونہ پیش کریں کہ اپنی ضرورت دبا کر دوسری کی ضرورت پوری کریں۔ شاہ جہاں شاد جنرل سیکرٹری سیمانچل ڈیولپمنٹ فرنٹ نے کہا کہ رفاہی، اصلاحی اور سماجی کام سوسائٹی اور معاشرے کا اہم حصہ ہے اور یہ سماج کی تعمیر وترقی کا موثر ذریعہ ہے۔ ٹیم میں شامل مظہر حسین عثمانی ناظم جامعہ نے کہا کہ ایسے بے بس اور متاثرین کا تعاون کر کے اوران کے کے ساتھ کچھ دیر رہ کر خوشی ہوئی۔ سیف علی خان (فاربس گنج) نے کہا کہ جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کے راحت رسانی کی ٹیم کی خاص بات یہ ہے کہ پریشان اور سیلاب زدہ لوگوں سے مل کر ان کے درد کو بانٹتی

ہے اور ضرورت کا سامان دیتی ہے۔

سماجی خدمت پائیدار معاشرے کا سبب: مفتی عثمانی

سپول: فرد سے سماج بنتا ہے، سماج اسی وقت ترقی پذیر ہوتا ہے جب اس میں بسنے والے دوسرے کی فکر کریں، سماجی، رفاہی اور خدمت خلق پائیدار معاشرے کا سبب ہے۔ یہ باتیں معروف عالم دین مفتی محفوظ الرحمن عثمانی بانی و مہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ مدھوبنی سپول نے کہیں۔ انہوں نے کہا کہ زکوٰۃ کا نظام، پڑوسیوں کے حقوق، چھوٹوں پر شفقت، وعدہ کو پورا کرنا، دعوت دینا اور قبول کرنا، ہدیہ کا لینا اثر دینا وغیرہ ایسی تعلیمات ہیں جو ایک دوسرے کے حسن سلوک اور بھائی چارے کو بتاتا ہے۔ مظہر حسین عثمانی نے کہا کہ اگر کسی انسان کے پاؤں میں کانٹا چبھے، کسی کا چولہا نہ جلے، کسی کو چوٹ لگ جائے، کسی کے گھر میں آگ لگ جائے، سیلاب کی نذر ہو جائے، کوئی تکلیف میں مبتلا ہو اور دوسرے کو چبھن اور دکھ نہ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دل میں رحم کا مادہ نہیں ہے۔ انسان تو ہے لیکن دل سے خالی انسان ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ ایک ایسی خدمت ہے جو محبت اور بھائی چارگی پیدا کرنے کے ساتھ نفرت کو بھی دور کرے گا۔ شاہ جہاں شاد نے کہا کہ سیلاب متاثرین جب اپنے گھر لوٹ رہے ہیں تو ان کی پریشانی اور بڑھ رہی ہے، گھر سانپ، کیڑے مکوڑے اور موذی چیزوں کا بسیرا بن چکا ہے۔ گھر بھی رہنے کے قابل نہیں ہے، ایسے وقت اور حالات میں ضرورت ہے کہ ہم ان کی مدد کے لیے آگے آئیں۔ مفتی محمد انصار قاسمی نے کہا کہ نفرت کا خاتمہ محبت سے ہوگا، خدمت خلق اور سیلاب زدگان کی مدد اور بازآبادکاری ایک مثبت اور خاموش دعوت بھی ہے، انسان کے پاس دل ہے جو کسی کی مصیبت کو دیکھ کر حرکت میں آجاتا ہے پھر نہ وہ علاقہ دیکھتا ہے اور مذہب و برادری، ہونا بھی یہی چاہئے کہ بحیثیت انسان خدمت خلق کا فریضہ انجام دیں۔

خدمت خلق اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ: مفتی عثمانی

سپول: انسان چاہے مسلم ہو کہ غیر مسلم، حتیٰ کہ حیوان ہی کیوں نہ ہو اس کے ساتھ ہمدردی اور اس کی خدمت کرنی چاہیے، اسلام میں اللہ کی توحید اور رسول اکرم کی رسالت کے اقرار کے بعد انسانی ہمدردی اور خدمت خلق کی بڑی تاکید آئی ہے، یہی وجہ ہے کہ خدمت خلق انسانی ہمدردی کے ساتھ اللہ کی رضا اور خوشنودی کا ذریعہ بھی ہے۔ یہ باتیں معروف عالم دین مفتی محفوظ الرحمن عثمانی بانی و مہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ مدھوبنی سپول نے سیلاب زدگان کے درمیان ریلیف تقسیم سے قبل کہیں۔ جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ مدھوبنی پرتاپ گنج سپول کی جانب سے راحت رسانی کی ٹیم جب مدھوبنی ضلع کے جھنجھارپور کے اطراف میں پہنچی تو وہاں کی حالت انتہائی خراب تھی۔ مفتی محمد انصار قاسمی نے کہا کہ پریشان حال کی پریشانی اور مصیبت زدہ کی مصیبت کو دور کرنا، ضرورت مند کی مدد کرنا الفت و محبت، اور بھائی چارگی کا سبب بھی بنے گا۔ اس وقت ایسے ہی کاموں کی ضرورت ہے جس سے یکجہتی فروغ پائے اور لوگ

اسلامی تعلیمات کو جانیں۔ جامعہ کی ٹیم جھنجھارپور کے قریب نروار گاؤں پہنچی جہاں مشہور ندی کملا بالان کا باندھ نروار گاؤں کے سامنے ٹوٹ گیا تھا جس سے بڑی تباہی ہوئی، گاؤں کے اکثر مکانات تباہ ہی نہیں بلکہ نیست و نابود ہو گئے۔ وہاں جامعۃ القاسم کی جانب سے متاثرین کے درمیان ریلیف تقسیم کی گئی۔

تحریک آزادی کی تاریخ کا علم نسلوں نو کے لئے نہایت ضروری: مفتی محفوظ الرحمن عثمانی

سپول: جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ مدھوبنی ضلع سپول میں جشن آزادی جوش و خروش سے منایا گیا، کوئی بھی تاریخ آئندہ نسلوں کے لیے حوصلہ اور جذبے کو پروان چڑھاتا ہے، تاریخ تعمیر و ترقی کا سبب بھی ہے، قرآن کریم نے پچھلی قوموں اور پہلے کے نبیوں کے واقعات کو بیان ہی نہیں کیا بلکہ غور و فکر کی بھی دعوت دی۔ آزادی ایک بڑی نعمت ہے، آزادی بغیر جد و جہد اور قربانی کے حاصل نہیں ہوتی، یہ ملک بھی بڑی قربانیوں کے بعد آزاد ہوا ہے، آزادی کی عظیم تاریخ کو جاننا نئی نسلوں کے لئے نہایت ضروری ہے، ہم مجاہدین وطن کی قربانیوں کو پڑھیں۔ یہ باتیں معروف عالم دین، ملی رہنما مفتی محفوظ الرحمن عثمانی بانی و مہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ نے ۱۵/اگست ۲۰۱۹ء کے موقع منعقد تقریب میں پرچم کشائی سے قبل کہیں۔ انہوں نے جنگ آزادی کی تاریخ بیان کرتے ہوئے کہا کہ جو لوگ 1757 یا 1857 سے جنگ آزادی کی تاریخ بیان کرتے ہیں انہیں تاریخ کا علم نہیں یا پھر ناانصافی کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ اگر والیٔ بنگال سراج الدولہ کے ساتھ میر جعفر غداری نہ کرتا تو انگریز اسی وقت اس ملک سے دم دبا کر بھاگ چکا ہوتا۔ انہوں نے فتح علی ٹیپو سلطان کا وہ جملہ بھی سنایا جو جذبہ حریت اور آزادی پر ابھارتا ہے کہ گیڈر کی سو سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی اچھی ہے۔ اس موقع پر مفتی عثمانی نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، مولانا شاہ محمد اسحاقؒ، شاہ عبدالغنی دہلویؒ، شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ اسماعیل شہیدؒ، سید احمد شہیدؒ، حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، مولانا محمد منیر نانوتویؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حافظ ضامن شہیدؒ، مولانا ولایت علیؒ، مولانا یحییٰ علی منیریؒ، موہن داس کرم چندر گاندھی، سبھاش چندر بوس، علماء صادق پور اور علماء عظیم آباد وغیرہ کا تذکرہ کیا اور کہا بغیر ان کے تذکرہ کے جنگ آزادی کی تاریخ ادھوری ہے۔ افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ آج ان مجاہدین کا نام اور ان کی قربانیوں کو فراموش کیا جا رہا ہے جنہوں نے اس ملک کو آزاد کرانے میں تن من دھن کی بازی لگا دی، سولی پر چڑھنا تو گوارہ کیا لیکن غلامی کے ساتھ زندہ رہنا نہیں۔ سیمانچل ڈیولپمنٹ فرنٹ کے جنرل سیکرٹری شاہ جہاں شاد نے کہا کہ 15/اگست ہمارے لئے یادگار اور تاریخی دن ہے، ہندوستان کے آزدی کی تاریخ لمبی ہے، آزادی کا مطلب ہے پیار و محبت کے ساتھ بغیر کسی بھید بھاؤ کے ہر ایک شہری کے ساتھ برتاؤ اور سلوک کا۔ آزادی نام ہے ہر کسی کے ساتھ عدل و انصاف کا۔ صدر المدرسین مفتی محمد انصار قاسمی نے مجاہدین وطن کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے تحریک ریشمی رومال کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ

مولانا عبداللہ سندھیؒ نے ریشمی رومال پر راز دارانہ خط لکھا جسے انگریز نے پکڑ لیا اور جیل میں قید کر دیا۔ مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی میاں ندویؒ کے بقول شیخ الہند مولانا محمود حسن دیو بندیؒ انگریز کے پکے دشمن تھے ان کے تن اور من میں ان کی دشمنی سرایت کر گئی تھی یہی وجہ ہے کہ وہ جیل کی سلاخوں میں رہے لیکن آزادی کی جدوجہد کو نہیں چھوڑا، جب گرم اور تپتے لوہے پر سلایا جاتا اور کہا جاتا کہ جنگ آزادی کا فتوی واپس لے لو تو جواب دیتے میں رسول عربی کے غلام کا ادنی سا غلام ہوں، حضرت بلال (رضی اللہ عنہ) کا وارث ہوں۔ قاری شمشیر عالم جامعی، انجینئر ونود کمار، مفتی نسیم اظہر قاسمی، مفتی عقیل انور مظاہری نے اظہار خیال کیا۔ پرچم کشائی سے قبل طلبہ نے ثقافتی تاریخی اور معلوماتی مختصر پروگرام پیش کیا اور قومی ترانہ پڑھا۔

مفتی محفوظ الرحمن عثمانی کے اعزاز میں تہنیتی تقریب کا انعقاد

کوئی بھی کام حسن نیت کے بغیر ترقی اور درجہ کمال کو نہیں پہنچتا

خدمت خلق ٹرسٹ انڈیا کی جانب سے منعقدہ تقریب میں مقررین نے نئی نسل کو بچوں کو تعلیم وتربیت سے آراستہ کرنے پر زور دیا

نئی دہلی (آئی این این) اگر ارادہ اور حوصلہ بلند ہو تو دنیا میں کوئی کام مشکل نہیں ہے، عزم مصمم کی وجہ سے کئی بار ایسے معجزے دیکھنے میں آئے ہیں جس کے متعلق انسان سوچ بھی نہیں سکتا، مگر اس کے لئے اخلاص وللہیت شرط اول ہے۔ جو کام اخلاص کے ساتھ مرضی رب کے لیے شروع کیا جاتا ہے، اس میں غیبی مدد کے ساتھ برکت ہوتی ہے اور اللہ پاک اسے ترقی اور عروج عطا کرتا ہے نیز وہ دیرپا ثابت ہوتا ہے۔ میں نے بھی چھوٹی موٹی کوشش کی ہے، بہار کے انتہائی پسماندہ خطے سیمانچل میں علم کا ایک چراغ روشن کیا اور وہیں سے قوم کے بچوں کو تعلیم وتربیت سے آراستہ کرنے کی جدوجہد جاری ہے، بس اللہ پاک اسے قبول فرمائے۔ ان خیالات کا اظہار نامور عالم دین ڈاکٹر مفتی محفوظ الرحمن عثمانی بانی ومہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول بہار نے کیا۔

مشہور رفاہی تنظیم خدمت خلق ٹرسٹ انڈیا کی جانب سے منعقدہ 'تقریب تہنیت' میں آج وہ خطاب فرما رہے تھے۔ ٹرسٹ کی جانب سے یہ پروگرام مفتی عثمانی صاحب کو بھارت ورچوئل یونیورسٹی بنگلور، کرناٹک کی جانب سے ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری سے نوازے جانے پر منعقد کیا گیا تھا جس میں قومی راجدھانی دہلی کے علمی، سماجی، ملی اداروں سے وابستہ معزز شخصیات کے علاوہ سرکردہ صحافی موجود تھے۔ جن میں ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی، مولانا مفتی احمد نادر القاسمی، ڈاکٹر یامین انصاری، مولانا محمد راشد قاسمی، مولانا فیروز اختر قاسمی، مفتی رشید احمد، شاہ عالم اصلاحی، قاری ابوبکر صدیق، ڈاکٹر آفاق احمد، ڈاکٹر توحید عالم، شاہ جہاں شاد، سیف علی خان، عامر ثمر خان وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ پروگرام کی صدارت مفتی احمد نادر قاسمی نے کی۔ انہوں نے صدارتی کلمات میں مفتی محفوظ الرحمن عثمانی کو دل کی گہرائی سے مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا کہ کوئی بھی عمل حسنِ نیت کے بغیر قبولیت اور درجہ کمال کو نہیں پہنچتا، مفتی عثمانی کے وسیع

ترین کام میں روز بروز ترقی دراصل ان کی جہد مسلسل کا نتیجہ ہے۔افتتاحی کلمات میں ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب جنرل سکریٹری خدمت خلق ٹرسٹ انڈیا نے کہا کہ حضرت ڈاکٹر مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی کی دینی وملی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے اور کئی دہائیوں پر محیط ہے۔انہوں نے کہا کہ کم وقت میں اتنا بڑا کام اللہ تعالیٰ نے ان کے ہی مقدر کیا تھا۔تعلیم کا میدان ہو یا دیگر شعبے مفتی صاحب کی جہد مسلسل اور کوششیں ناقابل فراموش ہیں۔صلاحیت عمر کی محتاج نہیں ہوتی، بلاشبہ یہ مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی نے عملاً ثابت کردیا ہے۔انہوں نے کہا کہ مفتی محفوظ الرحمن عثمانی کا جامعہ 25/ایکڑ زمین میں پھیلا ہوا ہے، جہاں ایک ہزار سے زائد قوم کے بچے اپنی علمی پیاس بجھارہے ہیں۔سال گزشتہ انہوں نے اسی احاطہ میں القاسم اسلامک یونیورسٹی کا سنگ بنیاد رکھا ہے، جبکہ ایک بڑے ہوسپیٹل کے منصوبہ پر پہلے سے کام چل رہا ہے۔اسی طرح انسانی اور سماجی خدمات کی بات کریں تو اس کی ایک طویل فہرست ہے جو حضرت مفتی صاحب کی زندگی سے وابستہ ہے۔تاہم بھارت ورچوئل یونیورسٹی نے حضرت مفتی صاحب کی تعلیمی اور سماجی خدمات پر ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری سے نوازا ہے۔انہوں نے کہا کہ مفتی عثمانی صاحب ہمارے لیے آئیڈیل ہیں، ان کے کام کو دیکھ کر ہمیں تحریک ملتی ہے اور دل میں کچھ کرنے جذبہ موجزن ہوتا ہے۔اس موقع پر ڈاکٹر محمد خالد اعظمی کویت کے ذریعہ شائع عالم عرب کے مشہور عالم ومحقق علامہ السید سابقؒ کی معرکۃ الآرا تصنیف 'فقہ السنۃ' کا اجرا بھی معزز مہمانان کرام کے ہاتھوں عمل میں آیا، کتاب کی اہمیت وافادیت پر ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی نے روشنی ڈالی اور معیاری طباعت پر پبلیشر کو مبارکباد دی۔انہوں نے مفتی عثمانی کو دلی مبارک باد پیش کرتے ہوئے کہا کہ دراصل یہ بھارت ورچول یونیورسٹی کے لئے بھی اعزاز کی بات ہے کہ انہوں نے مفتی صاحب کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی کر اپنا وقار بھی بڑھایا ہے۔مولانا محمد راشد قاسمی نے کہا کہ کسی شخصیت کو بننے کے لیے کچھ عناصر کی ضرورت ہوتی ہے ان میں خود اعتمادی، قوت فیصلہ، مثبت سوچ، ذہنی یکسوئی، امنگ اور حوصلہ بہت اہم ہے۔انہوں نے کہا کہ رفاقت کے ایک طویل مدتی تجربہ کی بنیاد پر میں کہہ سکتا ہوں کہ یہ تمام خوبی مفتی عثمانی میں پائی جاتی ہے۔ڈاکٹر عبدالقادر شمس قاسمی کا مبارکبادی کا پیغام محمد منور عالم نے پڑھا۔پروگرام کی نظامت ملت ٹائمز کے ایڈیٹر مولانا مفتی شمس تبریز قاسمی نے کی اور آخر میں تمام شرکاء کا شکریہ بھی ادا کیا۔تقریب تہنیت کا اختتام ڈاکٹر رضی الاسلام ندوی کی دعا پر ہوا۔اس تقریب کے انعقاد میں مولانا یوسف انور قاسمی، قاری ظفر اقبال مدنی، فاتح اقبال مکی، شمیم احمد نے اہم کردار ادا کیا۔

مفتی محفوظ الرحمن عثمانی کی خدمات کا اس طرح کی ڈگریاں احاطہ نہیں کرسکتیں: ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی

لکھنؤ (پریس ریلیز) ماشاء اللہ ہمیں یہ سن کر بہت خوشی ہوئی کہ بنگلور کرناٹک کی بھارت ورچوئل یونیورسٹی نے آپ کو آپ کی تعلیمی ورفاہی خدمات کے سبب ڈاکٹریٹ کی اعزازی

ڈگری سے نوازا ہے۔ یہ بہت بڑا اشرف ہے، آپ کی خدمات تو اس قدر ہیں کہ اس طرح کی ڈگریاں اس کا احاطہ نہیں کرسکتی، پھر یہ بڑے اعزاز کی بات ہے۔ میں نے اخبارات میں دیکھا اور خبر میں سنا، بلا شبہ دل باغ باغ ہوگیا۔ ان خیالات کا اظہار دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ کے مہتمم ڈاکٹر مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی نے کیا۔ ندوۃ العلماء میں معروف عالم دین ڈاکٹر مفتی محفوظ الرحمن عثمانی (بانی و مہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول بہار) کو ایک ملاقات کے موقع پر دلی مبارکباد پیش کرتے ہوئے انہوں نے مزید کہا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مفتی محفوظ الرحمن عثمانی کی دینی تعلیم کے میدان میں خدمات اور سماج وانسانیت بالخصوص ہندوستانی عوام کیلئے نافع اور مفید بنائے۔ انسانیت کی خدمت کے ذریعہ ان کے دلوں کو چھونے کا کام تاکہ اسلام اور دینی تعلیم کے لیے ان ک دل بھی وا ہوجائیں۔ انہوں نے مفتی عثمانی کو دلی مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور اپنے یہاں بلند مقام عطا فرمائے۔ آمین۔ اس موقع پر مولانا عبداللہ مخدومی، ڈاکٹر فرمان ندوی، عزیزان گرامی ابوالحسن علی ندوی اور حفیظ قیصر شریک تھے۔

مولانا اشرف عالم کریمی قاسمی بانی آل انڈیا المعہد الاسلامی العربی نے مفتی محفوظ الرحمن عثمانی کو ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری ملنے پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا کہ مفتی صاحب کی خدمات کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اللہ پاک اسے خیرو برکت کا ذریعہ بنائے۔ اور ان کی شخصیت میں مزید نکھار آئے۔ انہوں نے کہا کہ یہ موقع نہایت ہی شکر اور خوشی کا ہے، اس لئے ہمارا دل بھی خوشی سے لبریز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ موقع مفتی صاحب کو عنایت فرمایا کہ ان کو یہ عظیم ایوارڈ ملا۔ یہ ہم سب کے لیے شرف کی بات ہے۔

مفتی محفوظ الرحمن عثمانی کی خدمات قابل تقلید

انگلینڈ کی عظیم ملی شخصیت جناب حافظ عبدالرحیم بھائی ملا کا جامعۃ القاسم دارالعلوم اسلامیہ سپول میں خطاب

سوپول (پریس ریلیز)

شمالی بہار کے پسماندہ ترین علاقہ ضلع سپول کے مدھوبنی گاؤں میں واقع جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کا معائنہ کرنے کے بعد 'ملا ہاسپٹل گجرات' کے بانی اور عظیم سماجی رہنما جناب حافظ عبدالرحیم بھائی ملا نے کہا کہ مفتی محفوظ الرحمن عثمانی جہد مسلسل، عمل پیہم پر یقین رکھنے والی شخصیت ہے اور بہار کا یہ خطہ علوم قرآنیہ سے اگر سیراب ہورہا ہے تو اس میں مفتی محفوظ الرحمن عثمانی کا اہم کردار رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ مفتی محفوظ الرحمن عثمانی کو ڈاکٹریت کی ڈگری ملنا دراصل 'حق بہ حق دار رسید' کے مستحق ہیں۔

جناب حافظ عبدالرحیم بھائی ملا نے قرآن کی تعلیم پر زور دیتے ہوئے کہا کہ قرآن کا پیغام آفاقی ہے، جس میں صرف امت مسلمہ کی نہیں بلکہ انسانیت کیلئے رہنمائی ہے۔ امت دعوت کی حیثیت سے مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ قرآن کے پیغام اور قرآن کی تعلیمات کو پوری انسانیت تک پہنچائے۔ انہوں نے کہا کہ جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کو دیکھنے کی پہلی مرتبہ

سعادت ملی ہے۔ بچوں سے ملاقات اور قرآن کی تجوید اور پروگرام میں موجود مہمانوں کے تبصرے سننے کے بعد یہ اندازہ ہوا کہ یہ ادارہ کوئی راتوں رات وجود میں نہیں آیا ہے بلکہ مفتی محفوظ الرحمن عثمانی کی 30 سالہ جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے کہا یہ دینی مدارس اسلام کے قلعے ہیں۔ اس کی حفاظت ہم سب کی ذمہ داری ہے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد خالد ندوی غازیپوری نے کہا کہ آسمانی تعلیمات ہی نسل انسانی کی صحیح رہنمائی کرسکتی ہے۔ یہ بات دنیا کو باور کرانے کی ضرورت ہے انفرادی یا اجتماعی عقل وخواہش کی بنیاد پر دنیا کے مسائل حل نہیں کیے جاسکتے ہیں اور نہ ہی انسانی سوسائٹی کی تشکیل کی جاسکتی ہے۔ چوں جہ دنیا کے تمام مذاہب میں صرف اسلام ہی آسمانی تعلیمات کو مکمل اور محفوظ حالت میں دنیا کے سامنے پیش کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مولانا نے کہا کہ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے کہ پہلے وہ خود اپنی انفرادی زندگی اور معاشرتی میں قرآن وسنت پر مکمل طور عمل کریں بلکہ دنیا کی دوسری اقوام کے سامنے بھی اسلامی تعلیمات کو پیش کریں انہیں دعوت دیں کہ وہ محض انسانی عقل وخواہش پر بھروسہ کرنے کے بجائے وحی الہی کی بالاتر راہنمائی کو قبول کریں۔ انسانی سوسائٹی کو عقل وخواہش کے بلگام پیروی سے نجات دلائیں، تاکہ دنیا کی انسانی آبادی مجموعی طور پر فطری قوانین اور نظام کے تحت امن وخوشحالی کی حقیقی منزل سے ہمکنار ہوسکے۔

مولانا محمد خالد غازی پوری نے مفتی محفوظ الرحمن عثمانی کی خدمات کو سراہتے ہوئے کہا کہ میں جامعۃ القاسم اور مفتی محفوظ الرحمن عثمانی کو کئی دہائیوں سے جانتا ہوں، اس ادارے میں پہلے دن سے ہی آرہا ہوں اور اس ادارے کو بازیچہ اطفال سے شباب اور اب اس دیار کا معتبر ترین ادارے کی تشکیل ہوتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ بھارت ورچل یونیورسٹی بنگلور نے مفتی محفوظ الرحمن عثمانی کی انسانی وتعلیمی خدمات کی بنیاد پر ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری سے جونوازا ہے۔ اس کیلئے مفتی محفوظ الرحمن عثمانی قابل مبارک باد کے مستحق بلکہ وہ اس کے مستحق تھے۔

جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کے مہتمم ڈاکٹر مفتی محفوظ الرحمن عثمانی نے ہندوستان میں مدارس اسلامیہ کے قیام کا پس منظر بیان کرتے ہوئے کہا کہ استعماری قوتوں کے حیلوں اور ریشہ دوانیوں کے خلاف اکابرین امت نے قرآنی تعلیمات اور اسلام کی تبلیغ کیلئے مدارس اسلامیہ کا جوسلسلہ شروع کیا ہے وہ پوری دنیا میں یہ نظام قائم ہے اور پوری دنیا کا سفر کرنے کے بعد جوحقیقت سامنے آئی ہے کہ اگر یہ مدارس نہیں ہوتے تو اسلام کا نام ونشان لینے والے خال ہی حال نظر آتے۔ مفتی محفوظ الرحمن عثمانی نے مہمان مکرم کا استقبال کرتے ہوئے کہا کہ حافظ عبدالرحیم ملا کی شخصیت عظیم ہے۔ لندن میں انہوں نے بڑے پیمانے پر انسانی خدمات کو انجام دیا ہے۔ مجھے یہ بات آج ہی معلوم ہوئی کہ جناب حافظ عبدالرحیم ملا کے والد نے انگلینڈ کی پہلی مسجد کی تعمیر کی تھی۔ انہوں نے کہا کہ جامعہ 125 ایکڑ زمین پر وسیع ہے۔ جلد ہی القاسم اسلامک یونیورسٹی کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہوجائے گا۔ انہوں

نے کہا کہ میرا خواب ہے شمالی بہار کے اس خطے کو تعلیم و تعلم کا مرکز بنایا جائے اور ہر ایک کو مفت میں تعلیم مہیا کرائی جائے۔

اس تقریب علاقے کی کئی اہم شخصیات جس میں صحافی مولانا رضوان القاسمی، مفتی انصار الحق قاسمی، مولانا یوسف انور قاسمی، مولانا عبدالمتین رحمانی اور دیگر شخصیات موجود تھیں۔

مسلمان صبر و استقامت کے ساتھ اپنے دین پر قائم رہیں

موریشس کی مساجد میں مختلف موضوعات پر مفتی محفوظ الرحمن عثمانی کے خطابات، دنیا میں امن وسکون قائم کرنے کیلئے محسن انسانیتؐ کے پیغام انسانیت کو عام کرنے کی ضرورت

موریشس (۳۱/مارچ، پریس ریلیز) اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جس کے دامن رحمت میں آتے ہی بنی نوع انسان قلبی اور دائمی سکون محسوس کرنے لگتا ہے۔غور کریں تو ایسے واقعات سے تاریخ کے اوراق لبریز ہیں جن کے سیاہ کارناموں اور کرتوتوں سے انسانیت پامال ہوتی رہی ہے، مگر جب یہی لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے تو ان کی دنیا یکسر بدل گئی اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہ بڑی بڑی دینی خدمات انجام دے کر اس دنیا سے رخصت ہوئے، اس لئے ہمیں موجودہ اتھل پتھل اور پریشان کن حالات سے گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، بلکہ صبر و استقامت کے ساتھ دین اسلام پر قائم رہیں اس لئے کہ یہی مذہب اللہ کو سب سے پیارا ہے۔مذکورہ خیالات کا اظہار ہندوستان کی مشہور علمی وملی شخصیت مفتی محفوظ الرحمن عثمانی (بانی و مہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول، بہار) جانشیں خلیفہ ومجاز حضرت مولانا محمد سالم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے موریشس کی مختلف مساجد اور اسلامک مراکز میں منعقدہ اجلاس میں کئے۔

عصر حاضر کے مسائل اور ہماری ذمہ داریاں، اسلام سے پہلے اور بعد کے حالات، سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں، تاریخ علماء دیوبند اور پیام انسانیت جیسے اہم موضوعات پر مسجد امدادالمسلمین یونین پارک، مسجد قلب اسلام سورینام، مسجد الدعویٰ رام بیلی، اولڈ جامع مسجد وارکاٹ سورینام اور نور مدینہ مسجد مدین میں مفتی محفوظ الرحمن عثمانی کے بیانات ہوئے جن میں بڑی تعداد میں مرد وخواتین نے شرکت کی۔بطور خاص مسجد امدادالمسلمین کے امام مولانا اسلم ڈومن، چیئرمین فرید بہادر اور سیکریٹری حسن جی۔مسجد قلب اسلام سورینام کے امام مولانا خلیل، مولانا مسعود، چیئرمین اسلم محمد حسین گنوری، شمیم خدابخش اور نواز نہال خان۔مسجد الدعویٰ کے امام عبداللہ، عنایت علی اور چیئرمین ڈاکٹر فرحت کورو، اولڈ جامع مسجد کے چیئرمین فرحاد چھیدی، اسی طرح نور مدینہ مسجد مدین کے امام مولانا یوسف محمد علی کے نام قابل ذکر ہیں۔ان حضرات نے اپنے اپنے علاقے کی مساجد میں پروگرام کو ترتیب دیا جس میں مقامی لوگوں نے بڑی تعداد میں شریک ہوکر ان اجلاس کو کامیابی سے ہمکنار کیا۔

علماء دیوبند کی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے مفتی عثمانی نے کہا کہ آج جو برصغیر ہند۔پاک اور دوسرے ممالک میں دین و اسلام کا پرچم بلند ہے اور علم دین کا چراغ روشن ہے بلاشبہ اس میں دیوبند کے علماومشائخ کا کردار ناقابل فراموش ہے، ان کی بے نظیر

قربانیاں ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔ انہوں نے کہا کہ آج پوری دنیا میں انسانیت پامال کی جارہی ہے، ہندوستان سمیت کوئی ملک ایسا نہیں ہے جہاں لوگ ایک دوسرے سے برسر پیکار اور متحارب نہ ہوں۔ کہیں ظالم حکمرانوں کے ذریعہ عوام کو ستایا جارہا ہے تو کہیں انسانوں کے حقوق دبائے جارہے ہیں اور کہیں انسانوں کے ہاتھوں ہی انسانیت کا قتل کیا جارہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان حالات میں ضرورت اس بات کی ہے محسن انسانیت محمد عربی ﷺ کے انسانیت کے پیغام کو عام کیا جائے تاکہ مخلوق خدا روئے زمین پر امن وسکون سے اپنی زندگی بسر کرسکیں۔

جامعۃ القاسم میں افطار، عشائیہ اور ختم تراویح کا اہتمام

ملک میں امن وسکون کے قیام اور ملت اسلامیہ کی فلاح و بہبود کے لئے دعائیں کی گئیں

سپول (پریس ریلیز) ہندونیپال کی سرحد پر رشد وہدایت اور تعلیم وتبلیغ کی عظیم درسگاہ جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول بہار میں ہر سال کی طرح امسال بھی رمضان کریم کے موقع پر ۲۵/رمضان بروز جمعہ روزہ افطار وعشائیہ کا اہتمام کیا گیا جس میں الحمد للہ تقریباً 1000 روزہ داروں نے افطار کیا اور عشائیہ تناول فرمایا۔

آج ہی جامع الامام محمد قاسم النانوتوی میں تراویح میں ختم قرآن کے موقع پر قرب وجوار سے آئے بڑی تعداد میں لوگ شریک ہوئے اور خصوصی دعاؤں کا اہتمام کیا گیا جس میں ملک میں امن وسکون کے قیام اور ملت اسلامیہ کی فلاح وبہبود کے لئے دعائیں کی گئیں۔

اس موقع پر اپنے ایک پیغام میں مفتی محفوظ الرحمن عثمانی بانی ومہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ نے کہا کہ دنیا میں امن وامان قائم کرنے کیلئے قرآن کریم سے بہتر اور کوئی نسخہ نہیں ہے۔ اگر دنیا میں بسنے والے انسان قرآن کریم پر عمل کرنے لگیں تو پوری دنیا میں امن سکون قائم ہوجائے گا۔ انہوں نے کہا کہ سب سے پہلے ہمیں قرآن کی تعلیمات کو اپنی زندگی کا حصہ بنانا ہوگا۔ مفتی محفوظ الرحمن عثمانی نے کہا کہ رمضان المبارک کے آخری دس ایام ایک مسلمان کی زندگی کا بیش قیمتی اثاثہ ہیں، لہٰذا اس عشرہ کے ایک ایک لمحہ کو اپنے رب کی اطاعت، اس کی خوشنودی اور رضا کے حصول میں صرف کرنا چاہئے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرہ میں عبادت کے لئے خود کو سراپا وقف کر دیتے تھے، راتوں کو خود بھی جاگتے اور گھر والوں کو بھی جگاتے۔ انہوں نے کہا کہ رمضان ختم ہوتے ہی عیدالفطر کی شب آتی ہے، اسے "لیلۃ الجائزۃ" یعنی انعام اور بخشش کی رات کا نام دیا گیا ہے۔ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ پورے رمضان میں جس قدر لوگوں کی مغفرت ہوتی ہے صرف اس ایک رات میں اتنے لوگوں کی بخشش کردی جاتی ہے۔ جامعۃ القاسم کی طرف سے منعقدہ اس تقریب کو حسن انتظام سے آراستہ کرنے میں قاری ظفر اقبال مدنی نائب مہتمم، فاتح اقبال مکی، مظفر حسین رحمانی، مظہر حسین رحمانی، ماسٹر مرشد اور دیگر ذمہ داروں نے اہم کردار ادا کیا۔

ایک شخص سارے شہر کو ویران کرگیا: مفتی

ڈاکٹر عنایت اللہ و محمد نعیم الدین کی وفات پر جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ میں تعزیتی اجلاس

سپول: موت برحق ہے اور موت کا وقت مقرر اور متعین ہے، اس دنیا میں جو بھی آیا ہے اسے جانا ہے موت اس کی ہے جس پر کرے زمانہ افسوس۔ یہ باتیں معروف عالم دین ڈاکٹر مفتی محفوظ الرحمن عثمانی بانی و مہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ مدھوبنی سپول بہار نے ضلع سپول کی مشہور شخصیت مولانا ڈاکٹر عبداللہ قاسمی کے بڑے صاحبزادے ڈاکٹر عنایت اللہ اور ان کے نواسہ محمد نعیم الدین کے انتقال پر غم کا اظہار کرتے ہوئے کہیں۔ واضح رہے کہ گذشتہ دنوں سپول سے تروینی گنج کلینک جاتے ہوئے راستے میں ٹرک سے ایکسیڈنٹ کی وجہ سے جائے حادثہ پر ہی جاں بحق ہو گئے۔ ڈاکٹر عنایت اللہ و نعیم الدین جس نے زندگی کی ابھی چند بہاریں ہی دیکھی تھی، ابھی جوانی کے دہلیز پر تھے کہ اللہ کے پیارے ہو گئے یہ والدین اور اہل خانہ کے لئے صبر آزما گھڑی ہے اللہ انہیں صبر جمیل عطا فرمائے۔ سرور کونین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق صبر کا بدلہ جنت ہے۔ اس موقع پر مفتی عثمانی نے کہا کہ ڈاکٹر عنایت اللہ اپنے اعلی اخلاق، لوگوں کے ساتھ حسن برتاؤ، مریضوں کے ساتھ نرم اور نیک رویہ، برادران وطن سے اچھے تعلقات اور اپنے کردار و عمل کی وجہ سے ہمیشہ یاد کئے جائیں گے، وہ صالح سنجیدہ نوجوان تھے، لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت دور دور سے رات کے وقت جنازہ میں شرکت کے لئے آئے بڑی جم غفیر سے ہوتا ہے کہ وہ ہر طبقہ میں محبوب اور ہر دلعزیز تھے۔ علاقہ اور قرب وجوار سے بڑی تعداد نے جنازہ میں شرکت کی اور نم آنکھوں سے چین سنگھ پٹی قبرستان میں سپرد خاک کیا۔ مفتی عثمانی نے غم کا اظہار کرتے ہوئے اپنا غم بتایا اور کہا کہ مصیبت کی اس گھڑی میں ان کے ساتھ ہیں وہ میرے عزیز تھے ڈاکٹر عبداللہ سے دیرینہ تعلقات ہے۔ تعزیتی نشست میں مفتی محمد انصار قاسمی صدر المدرسین جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ نے کہا کہ یہ حقیقت ہے کہ یہ حادثاتی موت ہے، لیکن موت وقت مقرر پر آتی ہے ان کی اتنی ہی زندگی تھی، یہ سبق ہے کہ ہم موت کی تیاری کریں نہ معلوم کب زندگی کی شام ہو جائے۔ واضح رہے کہ مفتی محفوظ الرحمن عثمانی کی ہدایت پر مولانا حمید الدین مظاہری کی قیادت میں جامعۃ القاسم کا ایک وفد جن میں مفتی محمد انصار قاسمی، مولوی عتیق الرحمن عثمانی، حافظ عبدالرحمن، محمد دلشاد وغیرہ تھے ان کے جنازہ میں شریک ہوا اور مفتی محفوظ الرحمن عثمانی اور ادارے کی طرف سے ڈاکٹر عبداللہ، عبدالمنان، مولانا منت اللہ ندوی، ڈاکٹر سیف اللہ، محمد سرفراز، مولانا معین الدین رحمانی کھیا، محمد علاء الدین راز چین سنگھ پٹی، قاری محمد نجم الدین ڈائریکٹر الحماد ٹور اینڈ ٹریولس، مرحومین کے اہل خانہ اور رشتہ داروں سے صبر کی تلقین اور تعزیت مسنونہ پیش کیا، مفتی محمد انصار قاسمی نے جنازہ سے قبل کہا کہ یہ ایک امانت تھی جب تک وہ آپ کے پاس تھا آپ نے دیکھ ریکھ کی اب اللہ نے اپنی امانت واپس لے لی، عوام اہل مدارس سے دعاء مغفرت، درجات کی بلندی اور تلقین صبر کیلئے دعا کی درخواست کی۔

حصول علم کے لئے ایثار اور قربانی ضروری: مولانا نسیم احمد مظاہری

سپول: جامع الامام محمد قاسم النانوتوی میں جمعہ سے قبل خطاب علم کے حصول اور طلب کی جس قدر ترغیب مذہب اسلام اور معلم انسانیت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں ہے اتنا کہیں اور نہیں، محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کے طلب کو فرض بتایا، اس لئے ہمارے لئے اتنا علم جس سے حلال و حرام کی واقفیت ہوسکے سیکھنا ضروری ہے۔ یہ باتیں مولانا نسیم احمد مظاہری شیخ الحدیث مدرسہ نور الاسلام میرٹھ نے جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ مدھوبنی سپول کی جامع الامام محمد قاسم النانوتوی میں جمعہ سے قبل خطاب میں کہیں۔ انہوں نے طلبہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ حصول علم کے لئے محنت، جدوجہد، ایثار اور قربانی ضروری ہے، یہ وہ راہ ہے جو جتنی کوشش کرے گا حاصل کرے گا، بلند مقام اور اونچے درجات کے لئے راتوں کو جاگنا اور اپنے مقصد کے تئیں ہر ممکن کوشش کرنا لازم ہے بغیر اس کے ممکن نہیں، شیخ الحدیث نے اساتذہ سے کہا کہ آپ امین ہیں ساتھ ہی طلبہ کے لئے نمونہ ہیں آپ کی زندگی اور رہن سہن میں وہ ڈھلیں گے اس لئے آپ اپنی زندگی سنت نبوی کے مطابق گذاریں۔ پیار اور محبت سے تربیت کریں۔ واضح رہے کہ جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کے مہتمم معروف عالم دین مفتی محفوظ الرحمن عثمانی یہاں موجود تھے۔ انہوں نے جمعہ سے قبل خطاب کو سماج اور معاشرہ کے اصلاح، ملت کو درپیش مشکلات و مسائل اور اس کے حل کے لئے مؤثر ذریعہ اور بہترین موقع بتایا خطیبوں اور واعظوں سے تاکیدی طور پر کہا کہ پابندی سے باضابطہ مختلف موضوعات پر جمعہ سے قبل خطاب کریں۔ مفتی محمد انصار قاسمی شیخ الجامعہ نے خطبہ جمعہ دیا اور نماز جمعہ ادا کرائی۔ خصوصیت کے ساتھ شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی کے جانشین مولانا پیر محمد طلحہ صاحبؒ ماسٹر محمد عمران استاد جامعۃ القاسم کے والد جناب محمد سلیمان صاحب (مہیشوا مدھے پورہ) ماسٹر محمد مرشد استاد جامعۃ القاسم کے چچا حاجی محمد سلطان (بیریا کمال بیرپور) کے ترقی درجات، مغفرت اور ملک کی تعمیر و ترقی کے لئے دعا کی گئی جس میں طلبہ اساتذہ کے علاوہ بڑی تعداد میں لوگوں نے شرکت کی اور اس عالیشان مسجد میں فریضہ جمعہ ادا کیا۔

صحت و تندرستی بڑی نعمت ہے: مفتی محفوظ الرحمن عثمانی

پورنیہ: اللہ کی نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت صحت و تندرستی ہے، اس کے بغیر انسان بہت سی چیزوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اسلام نے علم طب کو اہم علم میں شمار کیا ہے اور بیماری کے علاج و معالجہ کی بھی ترغیب دی ہے، شافی اللہ کی ذات ہے، شفاء کا مالک وہی ہے لیکن دوا ظاہری سبب ہے، جس کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ باتیں معروف عالم دین مفتی محفوظ الرحمن عثمانی بانی و مہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ مدھوبنی سپول بہار نے گذشتہ دن پورنیہ ہیلتھ کیئر پیلس کے دعائیہ پروگرام سے قبل کہیں۔ انہوں نے ڈاکٹروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آخری نبی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ایسی بیماری نہیں جس کی دوا نہ ہو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرض کی دوا

ڈھونڈنی ہوگی اس لئے آپ تحقیق کیجئے اور مہارت پیدا کیجئے۔ مرض کی دوا اس وقت تشخیص کریں جب آپ کو معلوم ہو۔ اسی طرح آپ مریضوں کے ساتھ حسن سلوک اور اچھے اخلاق کا برتاؤ کریں۔ آج سماج میں اکثریت ایسے ڈاکٹروں کی ہے جو طب کو صرف پیشہ سمجھتے ہیں خدمت نہیں، یہی وجہ ہے کہ عموماً بیماروں کو پہلے صبر اور شفاء کے یقین دلانے کے بجائے ڈرایا جاتا ہے، مختلف امراض کا شبہ بتا کر خوف دلاتے ہیں۔ مفتی عثمانی نے کہا کہ اسے خدمت خلق سمجھیں اور یہ ایک دعوت بھی ہے، اگر آپ اسے اخلاص کے ساتھ خدمت سمجھ کر انجام دیں گے تو اللہ دست شفاء بھی دے گا اور عزت بھی۔ واضح رہے کہ پورنیہ ہیلتھ کیئر پیلس کے ڈائریکٹر ڈاکٹر اسعد الہدیٰ نے ہاسپٹل کے مختلف شعبہ کا معائنہ کرایا اور جانکاری دی کہ یہاں جنرل فزیشن، ہارٹ اسپیشلسٹ، جنرل سرجن، بچوں کے امراض، زنانہ امراض، ناک کان، گلا وغیرہ کے ماہر ڈاکٹروں کی ٹیم اور عمدہ طبی جانچ کی سہولت ہے۔ ہمارا مقصد خدمت ہے، اس موقع پر مفتی محمد انصار قاسمی، سیمانچل ڈیولپمنٹ فرنٹ کے جنرل سیکریٹری شاہ جہاں شاد، مولانا عبدالقیوم ندوی پرنسپل مدرسہ اسلامیہ خزانچی ہاٹ پورنیہ، کندن سنگھ مینجنگ ڈائریکٹر، بھائی محمد اسماعیل، محمد دلشاد وغیرہ تھے۔

وزیر اعظم مودی کو کھلا خط

جناب نریندر مودی صاحب وزیر اعظم ہند

نیک خواہشات کے ساتھ بطور وزیر اعظم ہم آپ کی توجہ آپ کی آبائی ریاست گجرات کی جانب مبذول کرانا چاہتے ہیں جہاں شمالی ہندوستان بالخصوص یو پی اور بہار کی عوام کے ساتھ تشدد کا سلسلہ مسلسل جاری ہے اور اب تک 50 ہزار سے زائد مزدور پیشہ لوگ وطن واپس لوٹ چکے ہیں۔

عزت مآب وزیر اعظم!

آپ ملک کے وزیر اعظم ہیں، عوام کو تحفظ فراہم کرنا، انہیں پر امن ماحول دینا تشدد اور فسادات پر کنٹرول کرنا آپ کی ذمہ داریوں میں سرفہرست ہے۔ آپ نے متعدد مرتبہ اپنی تقریر میں ملک میں ہو رہی ماب لنچنگ اور پر تشدد واقعات کی یہ کہتے ہوئے مذمت بھی کی ہے کہ قانون کو ہاتھ میں لینے کا کسی کو اختیار نہیں ہے لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ آپ کی تنبیہ کے باوجود ماب لنچنگ، تشدد اور اس طرح کے واقعات رکنے کا نام نہیں لے رہے ہیں۔ جس کے حقیقی اسباب وجوہات کی جانب آں جناب کو توجہ دیتے ہوئے ایسے حالات پر قابو پانا چاہئے۔ آپ ملک کے طاقتور وزیر اعظم ہیں، آپ نے کئی اہم فیصلے لئے ہیں ایسے میں لاء اینڈ آڈر پر کنٹرول کرنے میں آپ کی ناکامی کو عوام سمجھنے سے قاصر ہے۔

گجرات میں ایک واقعہ کو لیکر غیر گجراتیوں پر ہونے والا حملہ افسوسناک اور ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب کے خلاف ہے۔ یہ نسلی تشدد آپ کی آبائی ریاست میں ہو رہا ہے، گجرات اور بہار کا رشتہ بہت قدیم ہے۔ ملک کی ترقی اور معیشت کے فروغ میں بہار کے مزدور پیشہ لوگوں کا پسینہ سب سے زیادہ بہتا ہے۔

عزت مآب وزیر اعظم!

اس طرح کے علاقائی تشدد سے دونوں صوبوں کے عوام

پریشان اور بے چین ہیں بحیثیت وزیر اعظم آپ سے ہماری درخواست ہے کہ آپ اپنے خصوصی اختیارات کا استعمال کرتے ہوئے اس طرح کے پرتشدد واقعات اور نسلی فسادت کو روکیں۔ ملک کی ترقی اور بہتری کیلئے امن وسلامتی کا قیام اور اس طرح کے نسلی، علاقائی تشدد کا خاتمہ ضروری ہے۔ اس موقع ہم وہی شعر آپ کی خدمت میں عرض کرنا چاہتے ہیں جسے 2008 میں آپ کی پارٹی کے سینئر رہنما نے سابق وزیر اعظم سے کہا تھا

تو ادھر ادھر کی نہ بات کر یہ بتا کہ قافلہ کیوں لٹا
مجھے رہزنوں سے گلہ نہیں تری رہبری کا سوال ہے

آپ کا خیر اندیش

بندہ مفتی محفوظ الرحمن عثمانی

چیرمین سیمانچل ڈیولپمنٹ فرنٹ بہار

۲۸ رمحرم الحرام ۱۴۴۰ھ مطابق ۹ راکتوبر ۲۰۱۸ء

ماب لنچنگ کے تماشہ بینوں کے خلاف بھی دہشت گردی کا مقدمہ چلایا جائے: مفتی محفوظ الرحمن عثمانی

آپ کی غلامی کا بوجھ ہم نہ ڈھوئیں گے
آبرو سے مرنے کا فیصلہ ہمارا ہے
عمر بھر تو کوئی بھی جنگ لڑ نہیں سکتا
تم بھی ٹوٹ جاؤ گے تجربہ ہمارا ہے

نئی دہلی: 27 جون 2019ء (پریس ریلیز)

ہندوستان کے معروف عالم دین، سیمانچل ڈیولپمنٹ فرنٹ بہار کے صدر حضرت مولانا مفتی محفوظ الرحمن عثمانی نے جھارکھنڈ میں تبریز انصاری کی ماب لنچنگ اور مغربی بنگال میں جے شری رام کا نعرہ نہ لگانے کی پاداش میں ایک عالم دین کو ٹرین سے پھینکے جانے کے تازہ واقعات کو کھلی ہوئی دہشت گردی سے تعبیر کرتے ہوئے کہا کہ اب یہ ملک نہیں بچے گا کیونکہ ماب لنچنگ جیسے دہشت گردی کے واقعات اب آئے دن گلی گلی ہونے لگے ہیں۔ انہوں نے چند دنوں قبل تبلیغی جماعت کے ایک باریش بزرگ کی موت پر بھی اپنے دکھ کا اظہار کیا ہے جن کی کچھ عرصہ پہلے ہندوتووادی شر پسند عناصر نے زدوکوب کر کے شدید زخمی کر دیا تھا۔ واضح ہو کہ 2015ء سے اب تک 300 سو سے زائد لوگوں کی ماب لنچنگ میں موت ہو چکی ہے جن میں چند مشہور نام محمد اخلاق، زاہد احمد بھٹ، نعمان، شمیم بانو، محمد مظلوم، رضوان، سلمی میواتی، شمیم اختر حسین، محمد ایوب، حافظ عبدالخالق، علی حسان، پہلو خان، ارشاد خان، چودھری ارشاد خان، شعیب، شمیم بی بی، نزاکت علی، ابوحنیفہ، ظفر خان، آصف، ریحان، عین الانصاری، محمد جنید، ناصر الحق، محمد شمیر الدین، محمد ناصر، عثمان انصاری، اصغر علی، سلیم، لعل محمد، انور حسین، حفیظ الشیخ، احمد، وسیم احمد، عمر خان، محمد گلزار، محمد اسرار، ابوبکر، معین، محمد افرازل خان، سراج، سہراب الدین انصاری، مرتضی انصاری، محمد قاسم، سمیع الدین، ذاکر خان، شوکت چودھری، محمد ریاض، محمد اعظم، اکبر خان، فاروق شیخ حسین، یامین، شوقین، فقیر احمد، شاہ رخ خان، محمد فاروق احمد، اظہر خان، زین الانصاری، محمد کابل، شوکت علی، توصیف خان، تبریز انصاری وغیرہ۔

اے خاک وطن تو ہی بتلا

اب مسلمانوں کا کتنا لہو چاہئے

مفتی عثمانی نے صحافتی بیان جاری کرتے ہوئے وزیر اعظم نریندر مودی سے سوال کیا ہے کہ آخر وہ کس طرح اس ملک کی اقلیتوں کا وشواش جیتنا چاہتے ہیں جب کہ آئے دن محض مسلمان ہونے کے ناطے کبھی گائے سرکشا کے نام پر تو کبھی کسی اور نام سے ماب لنچنگ کی جاری ہے۔ مفتی عثمانی نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ اب پانی سر سے اونچا اٹھ چکا ہے اور قوت برداشت بھی جواب دے چکی ہے اس لیے حکومت کو ہوش میں آجانا چاہیے۔ انہوں نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ جب جھارکھنڈ کے ڈائریکٹر جنرل آف پولیس نے یہ مان لیا ہے کہ تبریز انصاری کی موت میں مقامی پولیس کی لاپرواہی کا بڑا دخل ہے کیونکہ پولیس نے زخموں سے لہولہان تبریز انصاری کو حوالات میں بند کردیا جس کی وجہ سے اس کی موت ہوگئی۔ ایسے میں حکومت کب جاگے گی اور کب مجرمین کو سزا ملے گی۔

جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول بہار کے بانی و مہتمم مفتی محفوظ الرحمن عثمانی نے وزیر اعظم نریندر مودی کو لکھے اپنے خط میں کہا ہے کہ ان کی کابینہ میں شامل ایک وزیر نے اسی جھارکھنڈ میں ماب لنچنگ کو انجام دینے والوں کے جیل سے ضمانت پر رہا ہونے کے بعد پھولوں سے استقبال کیا تھا، اسی کا نتیجہ ہے کہ جھارکھنڈ میں پے در پے ماب لنچنگ کے واقعات ہوتے رہے اور اب تبریز انصاری کی جان لے لی گئی۔ انہوں نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ ماب لنچنگ کو دہشت گردی قرار دیتے ہوئے اس کے خاطیوں کو سخت سزا دی جائے اور ماب لنچنگ کے معاملات میں نامعلوم لوگوں کے خلاف کیس درج نہ ہو بلکہ جہاں بھی اس قسم کے واقعات اب تک سامنے آئے ہیں ان کے ویڈیوز اور آڈیوز کو سامنے رکھ کر وہاں موجود تمام لوگوں کو مجرمین کی فہرست میں شامل کرکے ان کے خلاف کیس چلایا جائے۔ مفتی عثمانی نے یہ مطالبہ کرتے ہوئے افسوس ظاہر کیا کہ موت کے گھاٹ اتارنے والے چند غیر سماجی عناصر ہوتے ہیں لیکن وہاں موجود درجنوں لوگ تماشا دیکھ رہے ہوتے ہیں، اس لیے تماشہ بین کو بھی مجرم قرار دیا جانا چاہیے اور ان کے خلاف کیس چلانا چاہیے۔ انہوں نے پورے ملک کے تمام مدارس اسلامیہ، اسکول، کالجز، یونیورسٹیاں، تنظیموں کے سربراہان، خانقاہوں کے سجادگان، ائمہ مساجد، بہی خواہان ملت اسلامیہ، برادران وطن اور وہ لوگ جو ہندوستان کو صحیح سالم دیکھنا چاہتے ہیں ان سبھوں سے اپیل کی ہے کہ اب انتظار نہ کریں بلکہ جمہوری حق کا استعمال کرتے ہوئے سڑکوں پر اتریں اور ظلم کے خلاف مضبوط آواز بلند کریں۔ بقول مولانا آزاد:

”جو قوم اپنے آپ کو بچانے پر قادر نہ ہو اس کو تحفظات نہیں بچا سکتے، کاغذوں کے پرزوں پر لکھے قانون تمہیں محفوظ نہیں کرسکتے۔ سب سے پہلے آپ اپنے اور اپنے پاؤں کی نسوں کو مضبوط کرو...... دنیا میں وہی بچتا ہے جس کے پاؤں کی نسیں مضبوط ہوں۔“

مئی 1996 میں سابق وزیر اعظم آنجہانی اٹل بہاری واجپئی جی نے پارلیمنٹ میں تقریر کرتے ہوئے یہ بات کہی تھی کہ: ”سرکاریں آئیں گی جائیں گی، پارٹیاں بنے گی بگڑے گی مگر یہ

دیش رہنا چاہئے اوراس دیش کالوک تنتر امر رہنا چاہئے۔"

ہندوستان کے عظیم معمار آنجہانی کرم چنداس گاندھی، امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد اور ڈاکٹر بھیم راؤامبیڈکر کے اصولوں پر اس ملک کی بقا، جمہوری ڈھانچہ کے علاوہ گنگا جمنی تہذیب، ہندوستان کو آپسی بھائی چارہ کا گہوارہ بنائے رکھنے میں تمام لوگوں کو پرعزم ہونا چاہئے، ورنہ ہمارے ملک کو فرقہ پرست عناصر اور فرقہ وارانہ ذہنیت کے بیمار لوگ اس کی جڑیں دیمک کی طرح کھوکھلی کردیں گے اور ہمارے ملک کا تانا بانا بکھر نہ جائے۔حکومت نے اگر جلد ظالموں کے خلاف کارروائی نہیں کی تو اسے ظالموں کا دوست قرار دیا جائے گا اور سوال کیا جائے گا کہ:

عشق قاتل سے بھی، مقتول سے ہمدردی بھی
یہ بتا کس سے محبت کی جزا مانگے گا؟

جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے

عالم اسلام کی عظیم شخصیت حضرت مولانا مفتی جسٹس محمد تقی عثمانی صاحب پر قاتلانہ حملہ دہشت گردوں اور دشمنان اسلام کی شرمناک وبزدلانہ حرکت ہے۔دل دہلا دینے والے اس حملہ کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔حکومت پاکستان کو چاہئے کہ وہ حملہ آور انتہا پسندوں کو پکڑ کر سخت سے سخت سزا دے۔اللہ رب العزت کا لاکھ لاکھ شکر واحسان ہے کہ مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اس قاتلانہ حملے میں بال بال بچ گئے، تاہم ان کے محافظ فائرنگ میں شہید ہوگئے۔اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اوران کے لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔زخمی ڈرائیور جو اس نازک حالت میں بھی مستعدی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت کی گاڑی کو انتہا پسندوں کے نرغے سے نکالنے میں کامیاب رہا۔باری تعالیٰ اسے جلد صحت یاب فرمائے آمین۔بتایا جاتا ہے کہ اس گاڑی میں حضرت کی اہلیہ اوران کے پوتے پوتیاں موجود تھے۔الحمدللہ سب محفوظ رہے۔ایسے ہی مواقع پر کہا جاتا ہے کہ:

جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے

حضرت مفتی صاحب کا شمار نہ صرف برصغیر، بلکہ عالم اسلام کی عبقری شخصیات میں ہوتا ہے۔آپ کی درجنوں علمی وتحقیقی تصنیفات اہل علم ودانش اور پوری ملت اسلامیہ کیلئے مشعل راہ ہیں۔اسلامی اورعصری علوم وفنون پر حضرت کے مضامین پوری دنیا میں شائع ہوتے ہیں جنہیں یکساں مقبولیت حاصل ہے۔آپ ۴۴/سے زائد کتابوں کے مصنف اور البلاغ کے مدیر ہیں جو اردو اور انگریزی میں شائع ہوتا رہا ہے۔ 1981 میں حضرت مفتی صاحب فیڈرل شریعت کورٹ میں جج متعین ہوئے اور ایک بڑے عرصے تک اس منصب پر فائز رہے۔پاکستان میں اسلامی بینکنگ کا نظام متعارف کرانے میں بھی آپ کا بنیادی کردار رہا ہے۔شریعت کورٹ میں ایک فیصلے میں بینکوں میں سود کو اسلامی نظام کے خلاف قرار دیا تھا۔دعا گو ہیں کہ اللہ رب العزت صحت وعافیت کے ساتھ حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب کا سایہ عاطفت تا دیر ملت اسلامیہ پر قائم ودائم رکھے اور انہیں ہر طرح کے شرور وفتن سے محفوظ رکھے۔آمین

۲۴/مارچ ۲۰۱۹ بمطابق ۱۶/رجب المرجب ۱۴۴۰ھ

مفتی حسیب الرحمٰن قاسمی کے سانحہ ارتحال پر مفتی عثمانی کا اظہار تعزیت

سپول (پریس ریلیز۔24 دسمبر 2018ء) دارالعلوم حیدرآباد کے سابق شیخ الحدیث ممتاز عالم دین مفتی حسیب الرحمٰن قاسمی (تلمیذ رشید شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ) کے سانحہ ارتحال پر اظہار تعزیت کرتے ہوئے معروف عالم دین وملی رہنما مفتی محفوظ الرحمن عثمانی بانی ومہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول نے کہا کہ مفتی حسیب الرحمٰن کی دینی، علمی وتدریسی خدمات کا دائرہ تقریباً پچاس برس پر محیط ہے۔سرزمین بہار کے لئے قابل فخر بات ہے کہ اس کی مٹی میں حضرت شیخ جیسے نابغہ روزگار عالم دین پیدا ہوئے۔انہوں نے کہا کہ مرحوم شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد تھے اور ایک مدت تک حیدرآباد کی مشہور تعلیمی درسگاہ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم حیدرآباد کے شیخ الحدیث کے عہدے پر فائز رہے اور طویل عرصہ تک علم حدیث کی خدمت انجام دی۔اس وقت ملک وبیرون ملک میں ان کے سیکڑوں ممتاز شاگرد، دین وملت کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔

مفتی مرحوم جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر، دارالعلوم رحمانی زیرو مائل ارریہ بہار میں بھی تدریسی خدمات انجام دے چکے ہیں۔انہیں امیر شریعت رابع مولانا منت اللہ رحمانیؒ کا بھی اعتماد حاصل تھا۔انہوں نے بتایا کہ حضرت مفتی صاحبؒ کے اہم شاگردوں میں مولانا محمد رضوان القاسمیؒ، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مفتی تجمل حسین قاسمی، مولانا عبدالقوی، مولانا عبدالحمید حسامی حیدرآباد، مولانا فضل الرحمن رحمانیؒ استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ بھٹکل وسابق صدر مدرس دارالعلوم حیدرآباد کے علاوہ دیگر علماء شامل ہیں۔آپ کے پسماندگان میں تین فرزندان اور تین دختران شامل ہیں۔مفتی حسیب الرحمان صاحب قاسمی کے فرزند مولانا حافظ مظاہر الرحمن ندوی ودیگر پسماندگان سے سے اظہار تعزیت کرتے ہوئے مفتی محفوظ الرحمن عثمانی نے کہا کہ رنج وغم کے ان لمحات میں وہ ان کے ساتھ ہیں۔پروردگار عالم حضرت مفتی کی علمی، دعوتی، اصلاحی اور روحانی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے اور آپ کے درجات کو بلند فرمائے آمین۔

مفتی صاحبؒ کے انتقال پر ملال کی خبر ملتے ہی جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ میں ایصال ثواب کیلئے قرآن خوانی ودعا کا اہتمام کیا گیا جس میں اساتذہ کرام اور طلبہ عزیز نے شرکت کی۔اس موقع پر مولانا حمیدالدین مظاہری، مفتی محمد انصار قاسمی، مفتی عقیل انور مظاہری، قاری شمشیر عالم جامعی، مظہر حسین رحمانی، مظفر حسین رحمانی، قاری محمد نیاز عثمانی، ماسٹر مرشد عالم ربانی، مولانا محمد فیاض قاسمی، مولانا محمد عقیل قاسمی اور صدام حسین عثمانی نے اظہار تعزیت کیا اور جامعۃ القاسم کے بہی خواہان، دینی بھائیوں اور دوست واحباب سے بھی دعاء مغفرت کی اپیل کی گئی۔واضح رہے کہ مفتی حسیب الرحمان صاحب قاسمی کا طویل علالت کے بعد 23 دسمبر 2018ء مطابق 15 ربیع الثانی 1440ھ کو دیر رات ان کے آبائی وطن کشن گنج بہار میں انتقال ہوگیا

اور 24/دسمبر 2018ء مطابق 16/ربیع الثانی 1440ء کو نم آنکھوں سے سیکڑوں سوگواران نے انہیں آبائی قبرستان ڈابر میں سپرد خاک کیا۔ ع

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

جمعیۃ علماء بہار کے وفد کی جامعہ آمد

سیتامڑھی دربھنگہ، مدھوبنی، سپول میں سیلاب کی وجہ سے آئی تباہی کا جائزہ لینے کے بعد واپسی میں گذشتہ کل ہندونیپال کے سرحدی علاقہ میں واقع ممتاز ومشہور ادارہ جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول میں حاضری کا موقع ملا۔ جامعہ ہذا کے بانی جناب مفتی محفوظ الرحمن عثمانی صاحب سے ملاقات بھی ہوئی۔ جمعیۃ علماء بہار کے اس وفد کا بہت ہی پرجوش انداز میں انہوں نے استقبال کیا۔ وہ بہت ہی خلیق ثابت ہوئے حالانکہ کچھ دیر ہی پہلے وہ سفر سے واپس مدرسہ تشریف لائے تھے وہ وقت ان کے قیلولہ اور آرام کا تھا۔ اللہ انہیں بہتر جزا عطاء فرمائے۔ آمین

یہ سچ ہے کہ مدارس اسلامیہ عہد حاضر کے جدید چیلنجیز کے سامنے ایک مینارہ نور کی حیثیت سے عظیم خدمات انجام دے رہے ہیں، آج کے اس مادی دور میں جبکہ تعلیم برائے تعلیم نہیں ہے، بلکہ بزنس وکاروبار کی حیثیت بن چکی ہے۔ مدارس اسلامیہ نے تعلیم کو مفت اور بہت آسان کر کے انسانوں پر عظیم احسان کیا ہے، جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔

یہ ادارہ بہت ہی پرفضا، کشادہ زمین پر واقع ہے، صاف ستھرے پھولوں اور درختوں سے مزین ومعمور بہت ہی خوبصورت و پرکشش نظارہ پیش کرتا ہے جن چیزوں سے عام طور پر ہمارے مدرسے خالی ہیں۔ اس ادارہ نے بہت ہی سلیقہ سے اسے سنبھال رکھا ہے اور یہی اس کی خوبصورتی میں چار چاند لگاتی ہے۔ جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کے بارے جو کچھ سنا تھا دیکھنے کے بعد واقعۃً اس سے بہتر پایا۔ جمعیۃ علماء بہار کے صدر محترم جناب مفتی جاوید اقبال قاسمی نے فرمایا جس انداز سے اس ادارہ کو سجایا گیا ہے، یونیورسٹیوں کا انداز ہے، مدرسے عام طور پر ان چیزوں سے خالی ہیں، اللہ اس ادارہ کی حفاظت فرمائے۔ آمین

جامعہ کے تعلیمی وتربیتی نظام کے ساتھ، مستقبل کے عزائم ومنصوبوں پر بھی مفتی محفوظ الرحمن عثمانی صاحب سے تفصیلی بات چیت ہوئی یہ جان کر بیحد خوشی ہوئی کہ جامعہ القاسم سے قریب وسیع وعریض زمین میں ایک یونیورسٹی کے لئے وہ مستقل طور پر کوشاں ہیں، سیمانچل جیسے تعلیمی اعتبار سے بدحال وپسماندہ علاقہ میں مفتی محفوظ الرحمن صاحب عثمانی کی اس کوشش اور جذبہ کو ہم سلام کرتے ہیں۔ یقیناً اس کی وجہ سے مسلمانوں کی تعلیمی شرح میں اضافہ ہوگا۔ اللہ رب العزت اس طرح کے عزائم کی تکمیل فرمائے اور ادارہ کی حفاظت فرمائے۔ آمین

ہمارے اس وفد کی قیادت جمعیۃ علماء بہار کے صدر محترم جناب مفتی جاوید اقبال قاسمی فرمارہے تھے۔ جناب مفتی معروف کرخی قاسمی، مولانا نوید عالم قاسمی، راقم سطور اس کا حصہ تھا۔ مفتی

محفوظ الرحمن صاحب عثمانی نے جامعہ کی بہت ہی عالی شان خوبصورت مسجد اور اس کے دونوں جانب سلیقہ سے بنائی گئیں درسگاہیں، ہاسٹلس، ہمیں دیکھایا اور دیگر منصوبوں سے ہمیں واقف کرایا۔ یقینا بہت اچھا لگا، آج کے اس پرفتن ماحول میں اللہ اس طرح کے ادارہ کی حفاظت فرمائے۔ آمین

خالد انور پورنوی

حضرت مولانا مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی کو صدمہ

سپول: پریس ریلیز: 3رمئی 2019

جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول بہار کے بانی و مہتمم معروف عالم دین حضرت مولانا مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی جانشین خلیفہ ومجاز سرمایہ ملت کے نگہبان خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کی خوش دامن محترمہ نور جہاں بیگم اہلیہ محمد الیاس امین بھورہا بختیار پور ضلع سہرسا بہار کا طویل علالت کے بعد 2رمئی 2019ء مطابق 26رشعبان المعظم 1440ھ بروز جمعرات کو انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ کی عمر تقریباً 70 سال تھی، پسماندگان میں دو بیٹی، تین بیٹا اور شوہر ہیں۔ نماز جنازہ ان کے نواسہ قاری ظفر اقبال مدنی نائب مہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ نے پڑھائی اور سیکڑوں سوگواران کی موجودگی میں مرحومہ کو ان کے آبائی گاؤں کے قبرستان میں نم آنکھوں سے سپرد خاک کیا گیا۔

مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی دامت برکاتہم العالیہ بیرون ملک ہونے کے سبب تدفین میں شریک نہ ہوسکے، تاہم انہوں نے سبھی پسماندگان سے تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ یہ میرے لئے بڑی بدقسمتی کی بات ہے کہ میں ان کا آخری دیدار نہیں کرسکا۔ مرحومہ صوم وصلوۃ کی پابند تھیں، ان کی محبت اور شفقت ہمیشہ رہی، بہت ہی خلیق، ملنسار اور ہمدرد خاتون تھیں۔ انہوں نے کہا کہ اللہ رب العزت سے دعاء ہے کہ مرحومہ کی مغفرت فرمائے، ان کے درجات کو بلند فرماتے ہوئے جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، ان کی نیکیوں کو قبول فرمائے اور ان کے خیر کو آنے والی نسلوں میں باقی رکھے آمین۔

نماز جنازہ میں جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کے اساتذہ اور دیگر ذمہ داران وعہدیداران بھی شریک ہوئے۔ خدمت خلق ٹرسٹ انڈیا کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب قاسمی سینئر سب ایڈیٹر روزنامہ انقلاب دہلی نے مرحومہ کے سانحہ ارتحال پر حضرت مفتی محفوظ الرحمٰن عثمانی سے اظہار تعزیت پیش کرتے ہوئے مرحومہ کے لئے مغفرت کی دعاء کی ہے۔

إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطَى وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِأَجَلٍ مُسَمًّى فَلْتَصْبِرْ وَلْتَحْتَسِبْ (بخاری)

مولانا محمد قاسم صاحب کا انتقال عظیم علمی خسارہ

اپنی ہمہ جہت خدمات کی وجہ سے وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے: مفتی محفوظ الرحمن عثمانی

سپول: 29 جنوری 2019

معروف عالم دین، جمعیۃ علماء بہار کے صدر، خلیفہ فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ، صدر رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ

اور سابق امام عیدین گاندھی میدان پٹنہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے انتقال پر مولانا مفتی محفوظ الرحمن عثمانی نے اپنے شدید رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ ایک عظیم علمی خسارہ اور امت کا ناقابل تلافی نقصان ہے۔

مولانا مفتی محفوظ الرحمن عثمانی نے اپنے تعزیتی بیان میں کہا کہ گذشتہ دو ماہ کے دوران امت کے کئی عظیم علماء ہم سے یکے بعد دیگرے رخصت ہو گئے ہیں۔ حضرت مولانا اسرار الحق قاسمیؒ، حضرت مولانا حسیب الرحمن قاسمیؒ، حضرت مولانا زبیر احمد قاسمیؒ، حضرت مولانا سید واضح رشید حسنی ندویؒ اور اب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب بھاگلپوریؒ رخصت ہو گئے۔

مولانا مفتی محفوظ الرحمن عثمانی نے بتایا کہ مولانا محمد قاسم صاحب ہمہ جہت خوبیوں کے حامل، متقی پرہیزگار، قائد اور بے شمار صفات کے حامل تھے۔ تقریباً نصف صدی تک علم دین کے فروغ، مدارس اسلامیہ کے قیام، ملی تحریک، سماجی اصلاحات سمیت متعدد شعبوں میں انہوں نے کام کیا۔ مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ کے پرنسپل رہنے کے دوران انہوں نے اس ادارے کو ترقی کے بام عروج پر پہونچایا۔ پٹنہ کی سرزمین پر ایک بڑا ادارہ انہوں نے قائم کیا۔ جمعیۃ علماء ہند کے پلیٹ فارم سے انہوں نے ملت اسلامیہ اور مسلمانوں کی فلاح وبہبود کیلئے ناقابل فراموش کارنامہ انجام دیا۔

مولانا محمد قاسم صاحب کے بے شمار شاگرد موجود ہیں ان کے علمی، فلاحی، سماجی اور رفاہی کاموں کی پوری سرزمین بہار گواہ ہے۔ اپنی خدمات اور نیک اوصاف کی بنیاد پر وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

مولانا کی وفات کی خبر ملتے ہی بعد نماز فجر جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول بہار میں ایک تعزیتی نشست اور ایصال ثواب کی مجلس کا اہتمام کیا گیا جس میں جامعہ کے طلبہ واساتذہ اور دیگر حضرات نے شرکت کی اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی بلندی درجات اور مغفرت کیلئے دعاء کا اہتمام کیا گیا۔

مولانا محمد صبغت اللہ قاسمی رحمانی نیک عالم دین اور غریب پرور انسان کا نام تھا: مفتی محفوظ الرحمن عثمانی

۱۲/فروری ۲۰۱۹ء

مولانا صبغت اللہ قاسمی رحمانی کے انتقال پر جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ مدھوبنی سپول میں ایصال ثواب اور تعزیتی نشست کا انعقاد

ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے، نہ تو اس میں کسی کو شک وشبہ ہے اور نہ ہی اس کا کوئی منکر ہے، یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا، جانے والوں میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کی خدمات اور صفات وکمالات صدیوں باقی رہتی ہیں انہیں لوگوں میں سے جناب مولانا محمد صبغت اللہ قاسمی رحمانی سرجاپوری تھے جو آج اللہ کے پیارے ہو گئے (اناللہ وانا الیہ راجعون اللہ) اللہ ان کے درجات بلند کرے مولانا محمد صبغت اللہ قاسمی ایک عالم دین، دیندار و جفاکش تاجر اور غریب پرور انسان کا نام تھا۔ یہ باتیں معروف عالم دین مفتی محفوظ الرحمن عثمانی بانی ومہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ مدھوبنی سپول نے کہیں۔ انہوں

نے کہا کہ مولانا موصوف دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد مدرسہ اسلامیہ نجیبیہ سرجاپور میں تدریس اور تجارت سے وابستہ رہے ساتھ ہی جامعہ رحمانی مونگیر کے ناظم بھی تھے، ہمدردی، دادرسی اور دوسروں کی ضروریات کی تکمیل ان کا مشغلہ تھا، مولانا مرحوم کہنہ مشق شاعر اور کامیاب خطیب بھی تھے، سرجاپور کی جامع مسجد میں شروع زمانہ میں اکثر دردمندانہ خطاب کرتے اور اچھے اسلوب میں معاشرہ کی اصلاح کرتے۔ اس موقع پر مولانا حمید الدین مظاہری نے کہا کہ وہ نیک صفت انسان تھے بہت ساری خوبیاں ان کے اندر تھی، امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی کے معتمد لوگوں میں سے تھے، مدرسہ اسلامیہ نجیبیہ سرجاپور کے تاحیات سرپرست تھے، اپنے والد حاجی محمد کلیم اللہ مرحوم کے ساتھ اور اس کے بعد کئی حج بھی کئے، سرجاپور کی تعمیر وترقی میں مولانا کا بڑا کردار تھا اس موقع پر جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کے صدر المدرسین مفتی محمد انصار قاسمی نے کہا کہ ان کے انتقال کی خبر اس وقت آئی جب جامعۃ القاسم میں تکمیلِ قرآن کی دعائیہ تقریب جاری تھی، مولانا کے لئے ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا اور تعزیتی نشست بھی منعقد ہوئی چند مہینہ گذشتہ مولانا کے نوجوان صاحبزادہ حافظ فضل رحماں رحمانی اللہ کے پیارے ہو گئے جو بڑا حادثہ ہے۔ اطلاع کے مطابق حضرت مفتی محفوظ الرحمن صاحب عثمانی کے ایماء پر جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ کے اساتذہ وکارکنان کا ایک وفد مولانا حمید الدین مظاہری نائب ناظم جامعہ کی قیادت میں اہل خانہ سے تعزیت کے لئے سرجاپور روانہ ہوا جس میں مفتی محمد انصار قاسمی، سیمانچل ڈیولپمنٹ فرنٹ کے جنرل سیکرٹری شاہ جہاں شاد، جناب مظہر حسین عثمانی ناظم جامعہ، اور قاری محمد مشتاق عثمانی استاذ جامعۃ القاسم تھے، آخری دیدار کے بعد اہل خانہ بالخصوص سیف اللہ صاحب سے ملاقات اور اظہار تعزیت کیا۔ مولانا کے پس ماندگان میں اہلیہ محترمہ، پانچ بیٹیاں ہیں، ان کے آبائی وطن سرجاپور میں کل تجہیز وتکفین عمل میں آئے گی۔

فقیہ ملت مولانا زبیر احمد قاسمی کا انتقال علمی دنیا کے لئے عظیم صدمہ: مفتی محفوظ الرحمن عثمانی

۱۳؍جنوری ۲۰۱۹ء

جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول میں ایصال ثواب اور تعزیتی نشست کا انعقاد

یہ دنیا فانی ہے کسی کو موت سے مفر نہیں، لیکن جانے والوں میں کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن پر زمانہ افسوس کرتا ہے، فقیہ ملت مولانا زبیر احمد قاسمی نور اللہ مرقدہ ناظم اعلیٰ جامعہ عربیہ اشرف العلوم کنہواں سیتامڑھی انہیں شخصیتوں میں سے تھی، ان کا انتقال دراصل ایک عہد کا خاتمہ ہے، مولانا زبیر احمد قاسمی ان لوگوں میں تھے جنہوں نے اپنی پوری زندگی علم کی ترویج واشاعت، دعوت و تبلیغ اور رجال سازی میں لگادی۔ یہ باتیں معروف عالم دین مفتی محفوظ الرحمن عثمانی بانی ومہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ مدھوبنی سپول نے ان کے انتقال پر کہا اس موقع پر انہوں نے کہا کہ وہ ہندوستان کے ان چنندہ علماء میں تھے جن کا شمار صلاحیت،

صالحیت اور ورع وتقویٰ کی بنیاد پر کیا جاتا، ہے خصوصاً انہیں حدیث رسول اور فقہ میں کامل دسترس تھا یہی وجہ ہے کہ فقہی سیمیناروں میں ان کی رائے معتبر اور قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی، خود فقیہ العصر قاضی مجاہد الاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ ان کے علمی پختگی کا اعتراف کرتے تھے، فقیہ ملت مولانا زبیر احمد قاسمی کا اہم کارنامہ اور قربانی یہ ہے کہ اپنے خطہ اور وطن کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے آرام وآسائش کے علاوہ شیخ الحدیث تک کی جگہ خیر باد کہہ کر اشرف العلوم کنہواں شمسی کو اپنی خدمت کا محور بنایا اور وہ اشرف العلوم جو بزرگوں کی امانت تھی اسے علمی اعتبار سے وہ بلندی عطا کی اور ایسے افراد تیار کی جس کا کوئی قائل ہے جب انہوں نے اشرف العلوم کنہواں کے باگ ڈور کو سنبھالا تو مختلف نامساعد حالات کا سامنا کرنا پڑا لیکن وہ پوری مستعدی اور تندہی سے وابستہ رہے یہی وجہ ہے کہ آج ہر میدان میں وہاں کے فیض یافتہ نمایاں خدمات دے رہے ہیں جو ان کے لئے بہترین خراج عقیدت ہے۔اس موقع پر مفتی محمد انصار قاسمی صدر المدرسین جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ نے کہا کہ مولانا زبیر احمد صاحب قاسمی کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ وہ ہمیشہ درس وتدریس کے ساتھ جڑے رہے ان کے پیش نظر انما بعثت معلما تھا۔اشرف العلوم کنہواں میں انتظامی امور کے ساتھ ساتھ وہ تدریس سے بھی وابستہ تھے اور وہ حسن انتظام کے ساتھ بہترین معلم بھی تھے۔اشرف العلوم کنہواں جس نے سال گذشتہ اپنا صد سالہ منایا تاریخ اشرف العلوم کی ایک نمایاں اور قابل قدر شخصیت مولانا زبیر احمد قاسمی کی تھی۔اس موقع پر مولانا حمید الدین مظاہری نائب ناظم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ نے کہا کہ کہ ہم نے کئی کتابیں ان سے پڑھیں ہیں۔وہ بلند پایہ محدث اور ممتاز فقیہ تھے اپنی مادری زبان میں ہر کسی کو اپنی طرف متوجہ کر لیتے ،اصول وضوابط کے بڑے پابند تھے، دوران درس پیچیدہ گتھیوں اور مشکل سے مشکل مسائل کو ایسے حل کر دیتے کہ ادنیٰ سے ادنیٰ طالب بھی سمجھ جائے، اس موقع پر مفتی عقیل انور مظاہری، مولانا کاشف ندوی، قاری شمشیر عالم جامعی، مولانا فیاض عالم قاسمی، مولانا عقیل قاسمی، مفتی نبی حسن مظاہری وغیرہ نے اظہار خیال کیا۔واضح رہے کہ انتقال کی خبر سنتے ہی جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ میں صبح کی ہی نشست میں قرآن خوانی کا اہتمام ہوا۔مفتی عقیل انور مظاہری کی دعا پر تعزیتی نشست ختم ہوئی۔

مولانا محمد اسرار الحق قاسمی کی وفات ایک عہد کا خاتمہ: مفتی محفوظ الرحمن عثمانی

نئی دہلی (پریس ریلیز) 8دسمبر 2018

مولانا اسرار الحق قاسمی ملک کے ممتاز ملی رہنما، نامور صاحب قلم، باوقار مصنف اور مشہور سیاسی وسماجی رہنما تھے۔دینی تعلیمی، سماجی، ملی اور رفاہی سطح پر ان کی خدمات ناقابل فراموش اور بے مثال ہیں۔انہوں نے پوری زندگی تعلیم کے فروغ، دعوت وتبلیغ انسانیت کی خدمت اور ملک وملت کی فلاح وبہبود پر صرف کی۔بلاشبہ مولانا کو اپنی بیش بہا خدمات کے سبب تاریخ کے سنہرے باب میں لکھا، پڑھا اور یاد رکھا جائے گا۔ان خیالات کا

اظہار مشہور عالم دین ملی رہنما مولانا مفتی محفوظ الرحمن عثمانی بانی و مہتمم جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول بہار نے کیا۔

حضرت مولانا قاسمی کی وفات پر اپنے شدید رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ مولانا نے مشکل ترین وقت میں ہمت ہارنے کے بجائے ہمیشہ اپنا حوصلہ بلند رکھا اور ہر طرح کے چیلنج کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ جمعیۃ علماء ہند سے علیحدگی کے بعد انہوں نے فقیہ العصر حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے ساتھ آل انڈیا ملی کونسل کے بینر تلے اپنی سماجی وملی خدمات کا سلسلہ جاری رکھا۔ اور پھر بعد میں اپنے کام ومشن کو آگے بڑھاتے ہوئے آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن کی بنیاد ڈالی اور اس بینر تلے انہوں نے قوم وعلاقے کی تعلیمی پسماندگی کو دور کرنے کے لئے ایک منصوبہ بنایا اور ملی گرلز اسکول قائم کر کے اس کام کا آغاز کیا جو دھیرے دھیرے ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر چکا ہے۔

مولانا خطہ سیمانچل بالخصوص کشن گنج میں قابل ذکر خدمات کے سبب بھی لوگوں کے دلوں میں رہیں گے، مفتی عثمانی نے کہا کہ مولانا ملنسار، مخلص اور غم گسار تھے۔ سادگی کے ساتھ پوری زندگی بسر کی یہی وجہ ہے کہ ہر طبقے میں وہ یکساں مقبول ومحبوب تھے۔ کافی دنوں بعد گذشتہ 18 نومبر 2018 کو ارریا میں نکاح کی ایک تقریب میں مولانا سے ملاقات ہوئی تو وہ بڑے پرتپاک انداز میں گلے ملے اور خیریت وعافیت پوچھنے کے بعد فرمایا کہ ایک عرصے کے بعد ملاقات ہوئی ہے۔ لیکن آج وہ اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں جس کا یقین نہیں آرہا ہے۔ مولانا نے اپنی خدمات کا آغاز مدرسہ رحیمیہ گاڑھا ترونی گنج سہرسا بہار سے کیا تھا۔

بلاشبہ مولانا کی وفات سے ایک عہد کا خاتمہ ہوگیا۔ ایسی شخصیت انمول اور قابل قدر ہوتی ہیں۔ مفتی عثمانی نے کہا کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ مولانا کے چھوڑے ہوئے کاموں کو اسی مخلصانہ انداز میں آگے بڑھایا جائے یہی ان کے لئے اصل خراج عقیدت ہوگی۔

اخیر میں مفتی عثمانی نے مولانا کے صاحبزادگان مولانا سعود عالم ندوی، عزیزم فہد عالم سلمہٗ، حافظ نوشیر احمد اور دیگر پسماندگان سے تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی خدمات کو قبول فرمائے اور ان کے درجات کو بلند فرمائے اور اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

ع گل بداماں زندگی تھی موت ہے آخر آغوش گل

زین الانصاری کا بہیمانہ قتل شرمناک، نتیش سرکار فوری تمام قاتلوں کو کیفر کردار تک پہونچائے: مفتی عثمانی

نئی دہلی۔ 3 نومبر (پریس ریلیز)

بہار کے سیتامڑھی ضلع میں 80 سالہ بزرگ زین الانصاری کو زندہ ذبح کر کے جلایا جانا انتہائی شرمناک اور بربریت کی انتہاء ہے جس کی کوئی نظیر نہیں ملتی ہے، ہندوستان میں ہوئے ماب لنچنگ کا یہ منفرد واقعہ ہے جس میں گذشتہ 20 اکتوبر کو سیتامڑھی ضلع کے بھورہا گاؤں کے رہنے والے 80 سالہ بزرگ شخص زین الانصاری پر شدت پسندوں اور غنڈوں نے جان لیوا حملہ کیا، اس کے بعد ذبح کر دیا اور پھر لکڑی جمع کر کے نذر آتش کر دیا ان خیالات کا اظہار بہار کے معروف عالم دین مولانا مفتی

محفوظ الرحمن عثمانی چیرمین سیمانچل ڈیولپمنٹ فرنٹ بہار نے کیا۔

انہوں نے اپنے بیان میں مزید کہا کہ بہار میں ہوئے فرقہ وارانہ فساد، مسلمانوں پر یکطرفہ حملہ اور اس بہیمانہ قتل کیلئے بہار کی نتیش سرکار ذمہ دار ہے جس کا لاء اینڈ آڈر پر کوئی کنٹرول نہیں ہے، سرکار کوئی ایکشن نہیں لے رہی ہے جس کی وجہ سے مجرموں اور شر پسندوں کے حوصلے بلند ہیں اور آئے دن اس طرح کے واقعات پیش آرہے ہیں۔

مفتی محفوظ الرحمن عثمانی نے بہار کے وزیر اعلی نتیش کمار سے اپیل کی کہ زین الانصاری کے تمام قاتلوں کو سخت سزا دی جائے، اہل خانہ کو پچاس لاکھ روپے کا معاوضہ دیا جائے، گھر کے ایک فرد کو ملازمت دی جائے، نیز ان پولس اہلکاروں کے خلاف بھی سخت کاروئی کی جائے جن کی لاپرواہی کی وجہ سے 20 اکتوبر کو وہاں فساد برپا ہوا اور اکثریتی طبقہ کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کی کھلی چھوٹ دی گئی۔ اس موقع پر مفتی عثمانی نے ملی تنظیموں، مدارس اسلامیہ کے منتظمین، مساجد کے ائمہ، خانقاہوں کے سجادگان، اور انسانیت کے بہی خواہوں سے بھی درخواست کی کہ سر جوڑ کر بیٹھیں، کوئی مشترکہ حکمت عملی اپنائے اور اس طرح کے واقعات کے سد باب کیلئے کوئی حکمت عملی تیار کریں تا کہ آئندہ زین الانصاری جیسے واقعات رونما نہ ہو پائیں۔

شیخ سعدیؒ کے اقوال زریں

☆ کوئی شخص روزی اپنی لیاقت اور طاقت سے نہیں حاصل کرتا۔ اللہ سب کا رازق ہے۔

☆ بڑے بڑے متکبروں اور سرکشوں کو بھی خدا کے سامنے جھکے بغیر چارہ نہیں۔

☆ خداوند تعالٰی متحمل بھی ہے اور رحیم و کریم بھی۔ وہ گناہ گاروں کو توبہ کے لئے مہلت دیتا ہے۔ توبہ کرنے والوں کو دامن رحمت میں ڈھانپ لیتا ہے۔

☆ نطفے کو خوبصورت انسان بنا دینا اللہ تعالٰی کی قدرت کا اعجاز ہے۔ پانی کی بوند پر ایسے نقش ونگار کوئی نہیں بنا سکتا۔

☆ جب تو خدا سے مغفرت وعطا کا طالب ہے تو جن لوگوں کی امیدیں تیری ذات سے وابستہ ہیں تو انہیں بھی محروم و مایوس نہ کر۔

☆ جیسا سلوک تو مخلوق خدا سے کرے گا ویسا ہی سلوک خدا تیرے ساتھ کرے گا۔

حقیقی بڑا تو وہ ہے جو اپنے ہر چھوٹے کو پہچانتا ہوا اور اس کی ضروریات کا خیال رکھتا ہو۔*

جس مظلوم کو بادشاہ سے انصاف نہ مل سکے اسے خدا انصاف دلاتا ہے*

آخرت میں نیکیوں کے مطابق مرتبے ملتے ہیں اس لئے نیکی کرو۔

رپورٹ

جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ جامعہ ملیہ اسلامیہ یونیورسٹی کے اشتراک سے بین الاقوامی سیمینار

نئی دہلی: ۳/مارچ ۲۰۱۹ء

خانوادہ قاسمی کے گل سرسبد، خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی اتحاد امت کے عظیم پیامبر تھے اور ایک ایسے وقت میں جب کہ امت کے شیرازہ کو بکھیرنے اور منتشر کرنے کی داخلی اور خارجی سطح پر کوشش کی جارہی ہے ان حالات میں حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ جیسی شخصیات کا ہمارے درمیان سے اٹھ جانا کسی سانحہ سے کم نہیں ہے تاہم مولانا کی زندگی کی راہ، قربانیوں، جدوجہد اور ان کے نقش قدم پر چل کر ملت کی شیرازہ بندی کی جاسکتی ہے۔ ان خیالات کا اظہار آج جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ڈاکٹر انصاری آڈیٹوریم میں منعقدہ بین الاقوامی سیمینار میں مقررین نے کیا ہے۔

جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ سپول بہار اور شعبہ اسلامک اسٹڈیز جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اشتراک سے یونیورسٹی کے ڈاکٹر مختار انصاری آڈیٹوریم میں بین الاقوامی سیمینار کا انعقاد کیا گیا جس میں ملک و بیرون ملک کی کئی نامور شخصیات شریک ہوکر خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمیؒ کی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے سابق پروفیسر و وائس چانسلر مولانا آزاد یونیورسٹی جودھپور جناب اختر الواسع نے کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ مولانا محمد سالم قاسمی اس آخری دور میں اتحاد امت کے عظیم داعی تھے۔ انہوں نے اپنے عمل و کردار کے ذریعہ امت کو اتحاد کا پیغام دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ علم کا منطق حلم پر منتج ہوتا ہے۔ مولانا محمد سالم قاسمی چوں کہ علوم دینیہ کے جید عالم دین اور پردادا مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم کے پاسبان و محافظ تھے چناں چہ حلم و بربادی ان کی شخصیت کا لازمہ تھا اور انہوں نے مشکل حالات اور وقت میں بھی حلم و بردباری کی راہ ترک نہیں کی۔ مولانا محمد سالم قاسمی کی زندگی کے اس پیغام کو ملک کے تمام حصوں تک پھیلانے کی ضرورت ہے۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو کے مہتمم مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی نے خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کے مشن اور ان کی زندگی کے پیغام کو عام کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہا کہ مولانا کی عظمت صرف یہ نہیں ہے کہ وہ ایک عظیم خانوادے کے فرزند اور وارث ہیں بلکہ مولانا اپنے جد امجد الامام محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم کے پاسبان اور محافظ تھے اور انہوں نے اعتدال کیساتھ تحریک

دیوبندیت کی پاسبانی کی اور ایک مثالی زندگی نئی نسل کے سامنے چھوڑی ہے۔ مولانا نے اپنے شاگردوں اور قوم کو پیغام دیا ہے کہ مشکل حالات میں کس طریقہ سے حلم و بردباری کے ساتھ مقابلہ کیا جاتا ہے۔ مولانا سعید الرحمن اعظمی نے نئی دہلی میں بین الاقوامی سیمینار کے انعقاد کیلئے مفتی محفوظ الرحمن قاسمی کو مبارک باد پیش کرتے ہوئے امید ظاہر کہ مولانا مرحوم کی زندگی کا پیغام دور دور تک پہنچے اور نئی نسل ان کی زندگی سے سبق لے گی۔

جامعہ مظاہر علوم سہارن پور کے امین عام حضرت مولانا محمد سید شاہد حسنی سہارنپوری نے کہا کہ مولانا محمد سالم قاسمی اپنے والد محترم حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ کے جانشیں ہی نہیں بلکہ انہوں نے اپنے والد محترم کے نقوش قدم پر چل کر امت کی رہنمائی کی۔

خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمیؒ کی پوری زندگی فکر ولِلّٰہی، اپنے جد امجد الامام محمد قاسم نانوتویؒ کے مشن کو آگے بڑھانے کیلئے وقف تھی۔ اپنے والد محترم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ، جد امجد حافظ احمد صاحب رحمہ اللہ کی طرح مولانا مرحوم کی زندگی بھی دارالعلوم دیوبند اور تحریک دیوبند کیلئے وقف تھی، جد امجد الامام محمد قاسم نانوتوی کے علوم کی حفاظت و نگاہ بانی کے ساتھ آپ رحمہ اللہ بھی جدید و قدیم اور دینی و عصری علوم کی تفریق کو مٹانے کی کوشش کرتے رہے۔ زندگی کے آخری ایام میں تو بکھرے ہوئے موتیوں کو اکھٹا کرنے کی جو پہل اور قربانی پیش کی وہ تاریخ میں سنہرے حروف کے ساتھ لکھی جائیں گی۔

خطیب الاسلامؒ نے ہمیں یہ پیغام دیا کہ ''اختلاف خواہ کسی جماعت اور طبقے میں ہو وہ اچھی نہیں ہے، مگر وہ اختلاف جو تقسیم کار کی نوعیت اختیار کر لے تو یہ رحمت بن جاتی ہے''۔ وسیع النظر، کشادہ دل، علوم ربانی پر گہری گرفت ہونے کی وجہ سے آپ ہر حلقے میں یکساں مقبول اور احترام کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے۔ آج ہم خطیب الاسلام کو خراج عقیدت اس لیے بھی پیش کر رہے ہیں کہ اسی بہانے نئی نسل حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم نانوتویؒ کے مشن سے آگاہ ہوں اور ان میں بھی اسلام، مسلمان اور ملک کے تئیں فکرمندی کا جذبہ پیدا ہوا۔

انہوں نے کہا کہ امام قاسم نانوتویؒ کی تحریک کو ڈیڑھ سو سال سے زاید کا عرصہ کا ہو چکا ہے۔ اس وقفے میں نئے نئے چیلنج اور تقاضے ہمارے سامنے کھڑے ہو رہے ہیں، امت کا شیرازہ بکھرتا جا رہا ہے۔ مسلمانوں کو لبرل اور قدامت کے نام پر تقسیم کر دیا گیا ہے۔ جدید و قدیم اور عصری اور دینی تعلیم کے نام پر پیدا تفریق کی وجہ سے الحاد و ارتداد ہمارے دروازے تک پہنچ چکا ہے۔ وقت ایک بار پھر شاہ ولی اللہؒ اور امام قاسم نانوتویؒ جیسی شخصیات کا انتظار کر رہی ہے۔ ان حالات میں ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآن اور حدیث سے رشتے کو مستحکم کرنے اور اکابرین امت سے تصلب کے ساتھ عصر حاضر کے تقاضے سے ہم آہنگ ہونے کیلئے تدبیریں کی جائیں، مسلمانوں اور اسلام کے خلاف اٹھ رہے فتنوں کا جائزہ لیتے ہوئے انہیں اسی زبان میں جواب دیا جائیں۔ نئی نسل کی ذہنی تربیت، شعور و آگاہی کیلئے ادارے

قائم کیے جائے۔نئی نسل اور پرانی نسلوں کے درمیان بڑھتے ہوئے فاصلوں کو مٹا کر ایک ہی صف میں محمود وایاز کھڑا کرنے کی ہمیں کوشش جاری رکھنی چاہیے۔

بین الاقوامی سیمینار میں معارف قاسم جدید کا خصوصی شمارہ جو حضرت مولانا محمد سالم قاسمی کی حیات وخدمات پر مشتمل ہے کی رسم رونمائی کی گئی۔ یہ کتاب 800 صفحات پر مشتمل ہے۔جامعۃ القاسم دارالعلوم کی 30 سالہ تاریخ کا رسم اجراء کیا گیا۔اس کے علاوہ روزنامہ انقلاب کے خصوصی شمارہ کا اجرا بھی عمل میں آیا۔

اس موقع پر انقلاب کے ایڈیٹر شکیل شمسی نے کہا کہ مولانا پرانی روایات کے پاسدار ہونے کے ساتھ وسیع المشرب اور کشادل عالم دین تھے اور اعلیٰ کردار کے حامل تھے۔روزنامہ راشٹریہ سہارا کے گروپ ایڈیٹر مشرف عالم ذوقی نے کہا کہ ملک کے موجودہ حالات میں اس طرح کے سیمینار کے انعقاد کی ضرورت ہے۔ہمارے اکابرین نے ملت کو اتحاد کی دعوت دی ہے اور آج امت کو اتحاد کی ضرورت ہے اس لیے ضرورت اس بات کی ہے مولانا کی زندگی کے پیغام کو عام کیا جائے۔

جمعیۃ اہل حدیث کے امیر مولا اصغر امام سلفی نے کہا کہ مولانا محمد سالم قاسمیؒ کی شخصیت کے کئی پہلو ہیں اور ہر ایک پہلو روشن وتاباں ہیں،مگر مولانا نے جس طریقے سے مسلکی اختلافات سے اوپر اٹھ کر امت کو اتحاد کا پیغام دیا ہے وہ قابل قدر ہے۔ مولانا نے کہا کہ ملک کے موجودہ حالات سے ہم سب پر عیاں ہیں اس پر روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ایسے میں مولانا جیسی شخصیات ہمارے لیے سرمایہ ہیں اور ہم ان کی زندگی سے سبق لے کر امت کی شیرازہ بندی کر سکتے ہیں۔سابق جسٹس سہیل اعجاز صدیقی نے بھی مولانا کو اپنے وقت کا عظیم عالم دین ،مفکر اور دانشور قرار دیتے ہوئے کہا کہ مولانا وسیع النظر عالم تھے۔جدید وقدیم کے درمیان پل تھے۔علوم اسلامیہ پر گہری گرفت کے ساتھ مولانا کی نظر ملک کے حالات پر تھی اور واضح نظریہ رکھنے والے تھے۔مدینہ منورہ سے تشریف لائے مولانا حکیم محمد عثمان المدنی قاسمی مدینہ منورہ نے کہا کہ مولانا سالم قاسمیؒ نے اپنے والد محترم کی طرح پوری دنیا میں تحریک دیوبند کی ترجمانی کی اور علماء دیوبند کے مسلک اور موقف کو پوری دنیا کے سامنے پیش کیا۔انہوں نے کہا کہ مولانا دارالعلوم دیوبند کے مزاج وموقف کی ترجمانی کے ساتھ امت کے تمام فرقوں کو ساتھ لے کر چلتے تھے اور ان کی کوشش تھی کہ اسلام کی ترجمانی کی جائے مسلک کو لوگوں کی سمجھ پر چھوڑ دیا جائے۔

اس موقع پر پروفیسر محمد اسحاق، پروفیسر اقتدار محمد خان، پروفیسر سید شاہد حسین، مفتی ارشد فاروقی، ڈاکٹر محمد خالد اعظمی کویت، مولانا مفتی تمیم احمد قاسمی مدراس، ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب، مولانا شمس تبریز، مولانا رضوان الحق قاسمی نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔

(بشکریہ روزنامہ انقلاب دہلی)

❁ ❁ ❁

(۱)

برادرم جناب مولانا مفتی محفوظ الرحمن عثمانی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

پروگرام تو یہی تھا کہ سیمینار میں آپ کے ساتھ رہوں گا لیکن اچانک حالات ایسے ہو گئے کہ دہلی کے بجائے اسپتال کا رخ کرنا پڑا والحمدللہ علی کل حال اسی لئے تو کہا گیا ہے:

عرفت ربی بفسخ العزائم

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب کی شخصیت ایک بلند پایہ عالم ایک بے مثال خطیب کے ساتھ ایک صاحب دعوت وعزیمت انسان اور اپنوں اور غیروں کے ظلم وستم کے وقت سراپا صبر اور کوہ استقامت کی بھی ہے۔ انھوں نے موج خوں سر سے گزر جانے پر بھی اپنی زبان اور اپنے قلم کی پاکیزگی بحال رکھی اور بڑے حوصلہ سے انھیں بھی معاف کر دیا جن کے دامن پر خون کے دھبے تھے یہی وجہ ہے کہ وہ آج بھی زندہ ہیں اور آپ کا یہ سیمینار اس کا ثبوت ہے۔

ہماری تمنا ہے کہ آپ کا پروگرام کامیاب ہو اور مولانا کی عظیم نسبت ان کی بے لوث خدمت اور سخت آزمائش کے لمحہ میں ان کی بے مثال عزیمت ساری امت کیلئے نشان راہ ثابت ہو اور اللہ تعالی ان کو اجر عظیم عطا فرمائے۔

بدر القاسمی کویت

۲۴ر جمادی الاخری ۱۴۴۰ھ مطابق ۲ر مارچ ۲۰۱۹ء

(۲)

حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب کا وجود ساری امت کیلئے ایک بیش بہا نعمت ہے وہ بلند پایہ فقیہ عظیم محدث اور بے مثال مصلح ہیں انکے وجود سے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی اصلاحی تحریک اور اکابر علمائے دیوبند کے علمی تبحر وعملی اخلاص وجامعیت کا تسلسل قائم ہے۔ عرب علماء کے درمیان بھی وہ اپنی فقہی بصیرت اور تحقیقی شان کی وجہ سے بلند مقام رکھتے ہیں۔

آج کے قاتلانہ حملہ میں اللہ تعالی نے ان کی حفاظت فرمائی جس پر ہم سب رب کائنات کے سامنے سربسجود ہیں اور اسکی بے پایاں رحمت کے شکر گزار ہیں کہ اس نے اپنی اس عظیم نعمت سے امت کو مزید مستفید ہونے کی راہ کھلی رکھی۔

فالحمد للہ علی ذلک حمدا طیبا مبارکا

بدر القاسمی الکویت

معزز قارئین کرام! آپ کو یہ شمارہ کیسا لگا اپنی رائے سے ضرور نوازیں۔ آپ اپنے مشورے ہمیں ای میل پر بھی بھیج سکتے ہیں۔
E-mail: jamiatulqasim@yahoo.com

جامعۃ القاسم دار العلوم الاسلامیہ
جامعۃ الامام البخاری الاسلامیہ
اور القاسم اسلامک یونیورسٹی

کے

ماسٹر پلان، انجینئرنگ، تعمیری منصوبے اور عزائم

کا

اجمالی خاکہ

مجوزہ عمارتوں کی تصاویری جھلکیاں

ترتیب و پیشکش

ظفر اقبال مدنی * فاتح اقبال مکی

BIHAR, INDIA

جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ مدہوبنی وایا پرتاپ گنج ضلع سپول بہار الہند

Jamiatul Qasim Darul Uloom-il-islamia

(Islamic University)

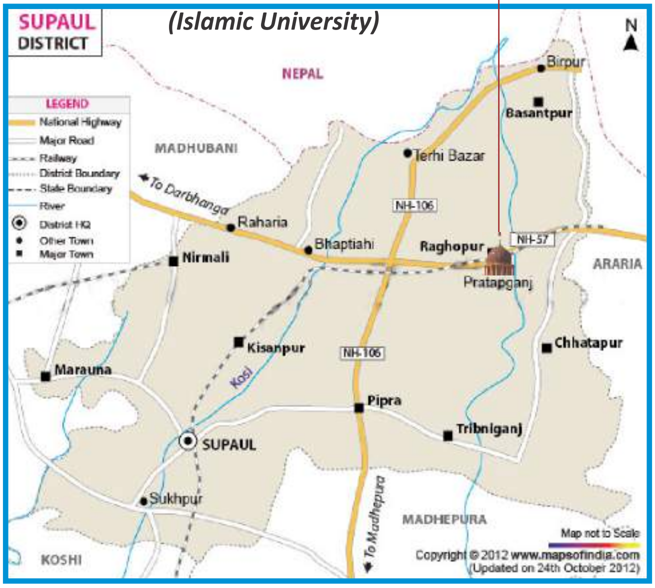

مسافت بذریعہ ہوائی جہاز وٹرین جامعۃ القاسم دارالعلوم الاسلامیہ

Delhi: 1400 km. **Kanpur:** 960 km.
Allahabad: 716 km. **Mughalsarai:** 613 km.
Patna: 400 km. **Baruani** 219 km. **Katihar:** 120 km.
Purnea: 34 km. **Arariya Court:** 38 km.
Forbesganj: 28 km by Road **Jamiatul Qasim:** 30 km

Delhi - Patna: 1:30 min.
Patna - Jamia: 3:00 min. (By Road)
Delhi - Bagdogra: 2:00 min.
Bagdogra - Jamia 3:00 min. (By Road)
Delhi - Kathmandu-Biratnagar: 2:00 min.
Biratnagar - Jamia 0:40 min. (By Road)

جامعہ کے مصارف:

جامعہ کا سالانہ بجٹ پانچ کروڑ روپے ہے۔

جامعہ کا تعمیری منصوبہ:

۱۔ جامع الامام محمد قاسم النانوتویؒ

۲۔ مجمع الامام محمد بن اسماعیل البخاریؒ للدراسات الاسلامیۃ

۳۔ ایوان امام الہند شاہ ولی اللہ محدث الدہلویؒ

۴۔ معہد القرآن الکریم

۵۔ دارالایتام

۶۔ مرکز التوحیدی الاسلامی للدعوہ والارشاد

۷۔ جامعہ عائشۃ الصدیقہؓ للبنات

۸۔ امام الہند مولانا آزادؒ سینئر سکنڈری اسکول وٹیکنیکل سینٹر

۹۔ الامام المحدث محمد زکریا کاندھلویؒ چیری ٹیبل (دوسو بیڈ) کا ہاسپیٹل ونرسنگ کالج

۱۰۔ مرکز الامام ابی الحسن علی حسنی ندویؒ الاسلامی

۱۱۔ انسان کالج

۱۲۔ انجینئرنگ کالج

۱۳۔ جامعہ کی چہاردیواری وصدر دروازہ

۱۴۔ اوبرہیڈ واٹر ٹینک

۱۵۔ اسٹاف کوارٹرس، گرلس ہاسٹل، مطبخ اور ڈائننگ ہال

۱۶۔ دیوان علامہ صدیق باندویؒ

۱۷۔ رواق امام محمد الیاس الکاندھلویؒ

۱۸۔ معہد الایمان الشرعی

دس ہزار طلباء وطالبات کی تعلیم وتربیت اور قیام وطعام کے لئے جامعہ کے تعمیری وترقیاتی منصوبے اور ماسٹر پلان کا تخمینی بجٹ تقریبا 1,50,20,93,768.00 روپے سے زائد ہے۔ جو بہی خواہان ملت اسلامیہ، صاحب جود وسخا اور باتوفیق اہل خیر کے تعاون سے اللہ رب العزت ہی پورا کرانے والا ہے۔ اور اللہ ہی ہمارا اور آپ کا حامی وناصر ہے۔

ارشاد باری تعالی:

إِنَّ الْمُصَّدِّقِينَ وَالْمُصَّدِّقَاتِ وَأَقْرَضُوا اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا يُضَاعَفُ لَهُمْ وَلَهُمْ أَجْرٌ كَرِيمٌ (۱۸-الحدید)

INR 1,50,20,93,768.00 (1502.093 Million)

GBP	1,81,66,384.26	EUR	2,11,86,900.550
USD	2,34,86,738.156	AUD	3,16,23,444.909
KWD	71,46,544.6862	BHD	88,55,674.6219
SAUDI	8,80,83,488.445	AED	8,61,85,904.503
BND	3,27,55,779.370	SGD	3,27,61,651.054

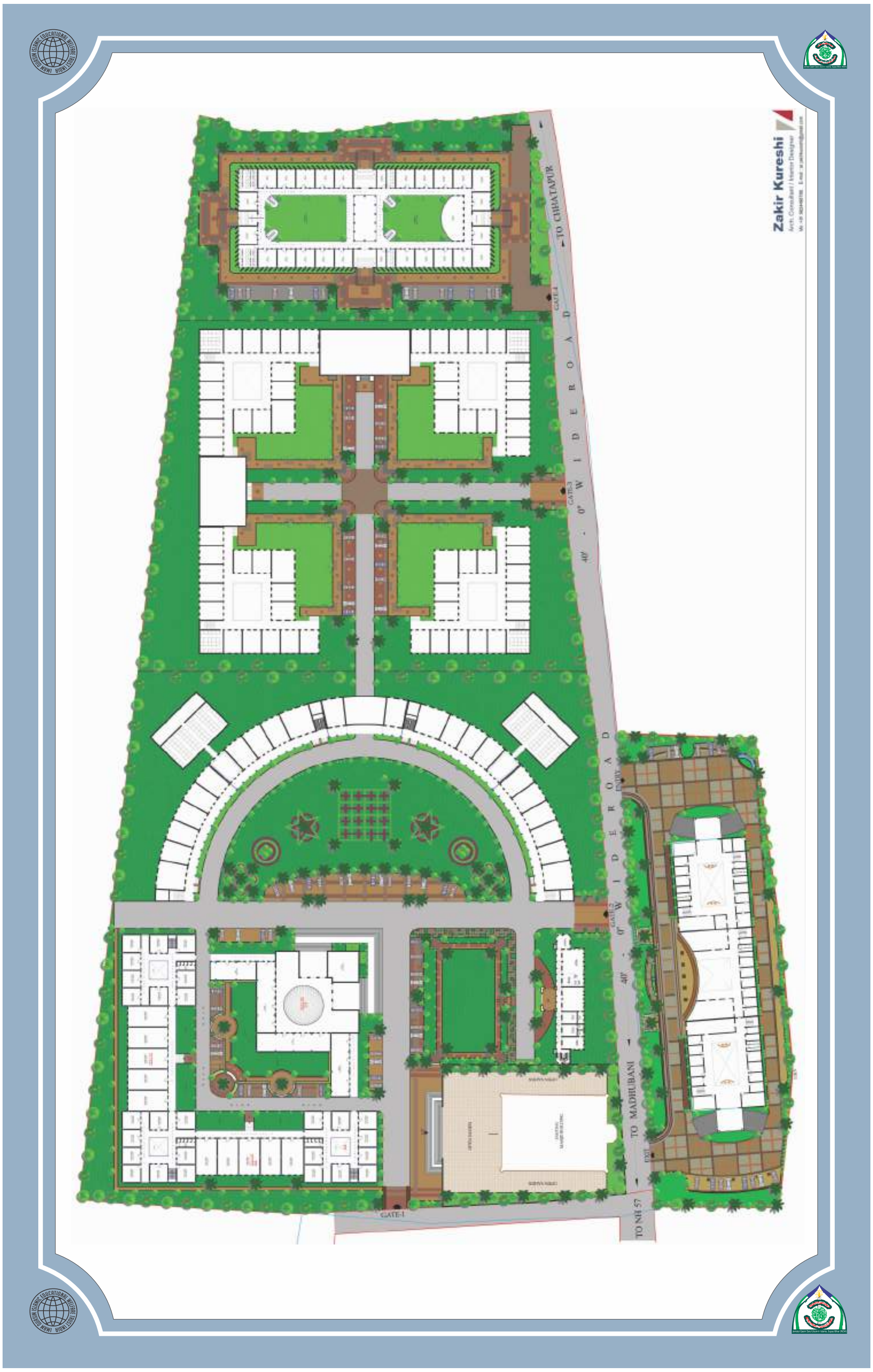

Zakir Kureshi
Arch. Consultant / Interior Designer
TO CHHATAPUR
GATE-4
GATE-3
GATE-2
GATE-1
40' - 0" W I D E R O A D
ENTRY
EXIT
TO MADHUBANI
TO NH 57

Zakir kureshi

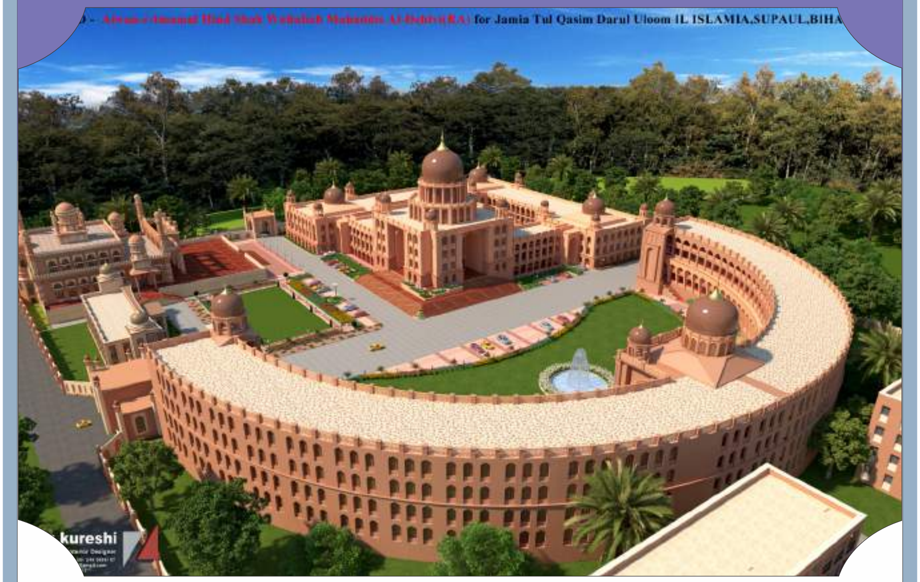
for Jamia Tul Qasim Darul Uloom IL ISLAMIA,SUPAUL,BIHA
kureshi

Majma' Al-Imam Mohammad Bin Ismaeel Al-Bukhari Liddirasatil Islamia for Jamia Tul Qasim Darul Uloom IL ISLAMIA,SUPAUL,BIHA
Zakir kureshi

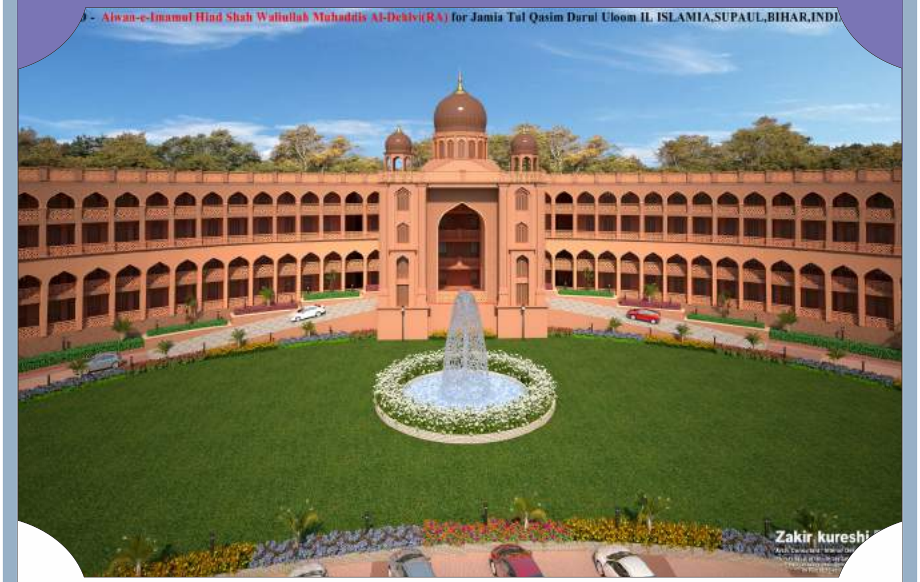
Aiwan-e-Imamul Hind Shah Waliullah Muhaddis Al-Dehlvi(RA) for Jamia Tul Qasim Darul Uloom IL ISLAMIA,SUPAUL,BIHAR,INDI
Zakir kureshi

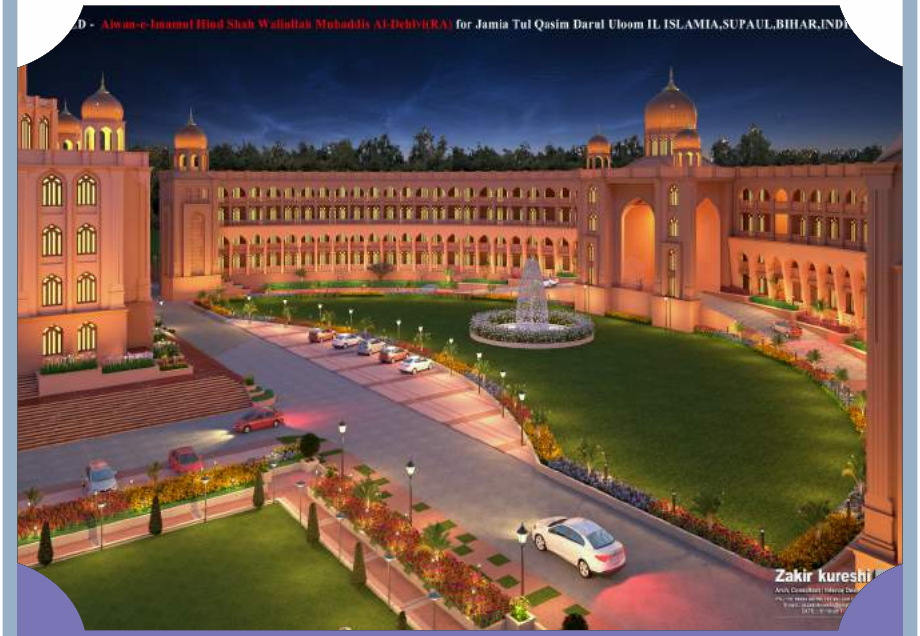
Aiwan-e-Imamul Hind Shah Waliullah Muhaddis Al-Dehlvi(RA) for Jamia Tul Qasim Darul Uloom IL ISLAMIA,SUPAUL,BIHAR,INDI
Zakir kureshi

Jamia Aishah Al-Siddiqah (RA) Lil Banat for Jamia Tul Qasim Darul Uloom IL ISLAMIA,SUPAUL,BIHAR,INDIA.
Zakir kureshi

Al- Imam Al-
for Jamia Tul
Uloom IL ISLAMIA,SUPAUL,BIHAR,INDIA.
Zakir kureshi

for Jamia Tul Qasim Darul Uloom IL ISLAMIA, SUPAUL, BIHAR
Zakir kureshi

Zakir kureshi

SED - for Jamia Tul Qasim Darul Uloom IL ISLAMIA,SUPAUL,BIHAR,
Zakir kures

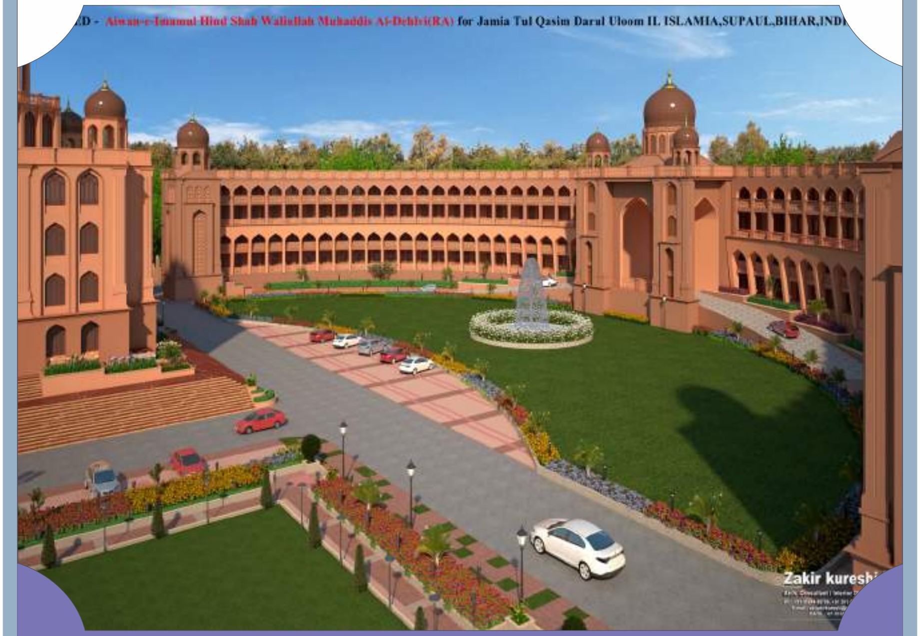
ED - Aiwan-e-Imamul Hind Shah Waliullah Muhaddis Al-Dehlvi(RA) for Jamia Tul Qasim Darul Uloom IL ISLAMIA,SUPAUL,BIHAR,INDI
Zakir kureshi

D - Majma' Al-Imam Mohammad Bin Ismaeel Al-Bukhari Liddirasatil Islamia for Jamia Tul Qasim Darul Uloom IL ISLAMIA,SUPAUL,BIHA
Zakir kureshi

ED - for Jamia Tul Qasim Darul Uloom IL ISLAMIA,SUPAUL,BIHA
ir kureshi

ED - MAHAD AL - QURAN AL- KAREEM and DARUL AITAM and OVER HEAD WATER TANK For Jamiatul Qasim Darul Uloom il Islamia at post, Mdhubani, GPO Pratapganj, Distt. Supaul. B
Run by: Imam Qasim Islamic Educational Welfare Trust
Zakir kureshi
Arch. Consultant / Interior Designer

OJOSED: Ma'had Al-iman Al-shari'i at, P.O. Madhubani, G.P.O. Partap Ganj, Distt. Supaul - B

SED - Al- Imam Al- Muhaddis Mohammad Zakariyya Al- Kandhlavi (RA) Charitable Hospital & Nursing College
for Jamia Tul Qasim Darul Uloom IL ISLAMIA,SUPAUL,BIHAR,INDIA.
Zakir kureshi

ED - Jamia Aishah Al-Siddiqah (RA) Lil Banat for Jamia Tul Qasim Darul Uloom IL ISLAMIA,SUPAUL,BIHAR,INDIA.
Zakir kureshi

-AL-IMAM ABIL HASAN ALI-
ANI- AL-NADWI- AL-ISLAMI.
MUFTI MAHFOOZ-UR-RAHMAN OSMANI
A R C H - M A
JAMIA - TUL - QASIM DARUL ULOOM -IL-ISLAMIA
P.O.MADHU BANI, G.P.O.PRATAP GANJ DISTT SUPAUL -852125 BIHAR (INDIA

MAM ABIL HASAN ALI-
L-NADWI- AL-ISLAMI.
A R C H - M A
AMIA - TUL - QASIM DARUL ULOOM -IL-ISLAMIA
P.O.MADHU BANI, G.P.O.PRATAP GANJ DISTT SUPAUL -852125 BIHAR (INDIA)

حمیت علوم اسلامیہ
جانشین خلیفہ
Uloom -il- Islamia
Bihar (INDIA)

RNI No. DEL-URDU-7253/2002

Monthly **Maarif-e-Qasim** Jadee, Delhi

Wolum. 19 | Issue No. 35 | Oct.-Dec. 2019

- مجمع الامام محمد بن اسماعیل البخاریؒ للدراسات الاسلامیہ
- جامع الامام محمد قاسم النانوتویؒ
- الامام المحدث محمد زکریا کاندھلویؒ چیری ٹیبل (دوسو بیڈ) کا ہاسپیٹل ونرسنگ کالج
- امام الہند مولانا آزادؒ سینئر سکنڈری اسکول وٹیکنیکل سینٹر
- مرکز الامام ابی الحسن علی حسنی ندویؒ الاسلامی
- ایوان امام الہند شاہ ولی اللہ محدث الدہلویؒ
- مرکز التوحیدی الاسلامی للدعوہ والارشاد
- جامعہ عائشہ الصدیقہؓ للبنات
- انجینئرنگ کالج
- انسان کالج

دس ہزار طلباء وطالبات کی تعلیم وتربیت اور قیام وطعام کے لئے جامعہ کے تعمیری وترقیاتی منصوبے اور ''القاسم اسلامک یونیورسٹی'' کا تخمینی بجٹ تقریبا 20,93,768.00, 1,50 ڈیڑھ سو کروڑ روپے سے زائد ہے۔ جو بہی خواہان ملت اسلامیہ، صاحب جود وسخا اور باتوفیق اہل خیر کے تعاون سے اللہ رب العزت ہی پورا کرانے والا ہے۔ حق جل مجدہ کا پاک ارشاد ہے:

''جس نے اچھے کام کئے ہوں، ہم کبھی اس کا اجر ضائع نہیں کرتے'' (الکھف: ۳۰، ترجمہ: امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ ''ترجمان القرآن'')

اللہ ہی ہمارا اور آپ کا حامی وناصر ہے۔

Published by:

Jamiatul Qasim Darul Uloom-il-Islamia

At & Po. Madhubani, G.P.O. Partap Ganj, Distt: Supaul - 852125 Bihar (India)
Ph: +91-9811125434, 9931906068, 9931515312, 9708056420
www.jamiatulqasim.com / E-mail: jamiatulqasim@yahoo.com
www.facebook.com/muftimahfoozurrahman.usmani
YouTube youtube.com/jamiatulqasim / www.alqasiminternational.com

Delhi Office:

K-79, 2nd Floor, Street No.5, Abul Fazal Enclave-I,
Jamia Nagar, New Delhi-110025 (India)
Ph: +91-11- 26981876, 26982907 Mob: +91-9899766786
Printed at : Z. Computer Printographic, H. Nizamuddin, New Delhi-110013